مشترکہ و جداگانہ خاندانی نظام

IFA PUBLICATIONS

ایفا پبلیکیشنز

Marfat.com

Marfat.com

جدید فقہی تحقیقات

خ ق

مشترکہ وجداگانہ خاندانی نظام

[اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے بیسویں فقہی سمینار منعقدہ
مؤرخہ ۵ تا ۷ / مارچ ۲۰۱۱ء کورامپور یوپی میں پیش
کئے گئے علمی، فقہی اور تحقیقی مقالات ومناقشات کا مجموعہ]

ایفا پبلی کیشنز - نئی دہلی

Marfat.com

11924

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب : مشترکہ وجداگانہ خاندانی نظام
صفحات : ۳۹۸
قیمت : ۱۹۰؍روپے
سن طباعت : فروری ۲۰۱۲ء

ناشر

ایفا پبلیکیشنز
۱۶۱-ایف، بیسمنٹ، جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر:۹۷۰۸
جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵
ای میل:ifapublication@gmail.com
فون:011-26981327

Marfat.com

مجلس ادارت

۱- مولانا محمد نعمت اللہ اعظمی

۲- مولانا محمد برہان الدین سنبھلی

۳- مولانا بدر الحسن قاسمی

۴- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

۵- مولانا عتیق احمد بستوی

۶- مفتی محمد عبید اللہ اسعدی

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

Marfat.com

فہرست

پیش لفظ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۷

باب اول: تمہیدی امور

باب اول: تمہیدی امور		۹
سوالنامہ		۱۱
اکیڈمی کا فیصلہ		۱۴
تلخیص مقالات	مفتی احمد نادر القاسمی	۱۷
عرض مسئلہ	مولانا ولی اللہ مجید قاسمی	۴۳

ذخیرہ

باب دوم: تفصیلی مقالات

باب دوم: تفصیلی مقالات		۵۵
مشترکہ خاندانی نظام اور اس کے مسائل	مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۵۷
مشترکہ اور جداگانہ خاندانی نظام	مفتی صادق محی الدین	۶۶
مشترکہ خاندانی نظام کے معاشرتی نقصانات	مولانا ولی اللہ مجید قاسمی	۸۵
مشترکہ رہائشی خاندانی نظام میں احتیاط وتدابیر کا مسئلہ	مفتی انور علی اعظمی	۹۹
مشترکہ خاندانی نظام-شرعی نقطۂ نظر سے	مولانا اختر امام عادل	۱۰۹
خاندانی نظام-بعض احکام ومسائل	مولانا مصطفی عبد القدوس ندوی	۱۴۱
اسلام کا خاندانی نظام	مولانا ڈاکٹر شاہجہاں ندوی	۱۶۰
مشترکہ وجداگانہ خاندانی نظام-شریعت کی روشنی میں	مفتی ارشد فاروقی	۲۰۰
خاندانی نظام سے متعلق عصری مسائل اور ان کا شرعی حل	مفتی سعید الرحمن قاسمی	۲۱۲
کلفت ومشقت سے آزاد خاندانی نظام	مولانا محمد ابرار خان ندوی	۲۲۱
چند اہم معاشرتی مسائل کا شرعی حل	مولانا عقیل الرحمن قاسمی	۲۳۴

Marfat.com

مشترکہ خاندانی نظام میں رہائشی اصول وآداب	مولانا یاسر قاسمی	۲۶۳
اسلام کا پسندیدہ خاندانی نظام	مفتی رضوان الحسن مظاہری	۲۷۳
مشترکہ اور جداگانہ نظام -- بہتر کون؟	مولانا فخر عالم نعمانی	۲۸۳
اسلام کا عائلی اور خاندانی نظام	مولانا افتخار احمد مفتاحی	۲۹۵
مشترکہ وجداگانہ خاندانی نظام - دلائل کی روشنی میں	مولانا محمد سعید قاسمی	۳۰۳
باب سوم: مختصر جوابات		۳۱۱
شریعت کی نظر میں مشترکہ وجداگانہ خاندانی نظام	مفتی محبوب علی وجیہی	۳۱۳
مشترکہ اور جداگانہ خاندانی نظام کے مسائل	مفتی جمیل احمد نذیری	۳۱۶
خاندانی نظام میں حقوق وفرائض کی ادائیگی کا مسئلہ	مفتی عبدالرحیم قاسمی	۳۲۲
اسلام کا پسندیدہ خاندانی نظام	مفتی ظہیر احمد کانپوری	۳۲۹
مشترکہ اور جداگانہ خاندانی نظام کے فوائد اور نقصانات	مفتی عبداللطیف پالنپوری	۳۳۳
مشترکہ یا جداگانہ نظام زندگی کے متعلق سوالات کے جوابات	مفتی عبدالقیوم پالنپوری	۳۳۹
خاندانی نظام میں حسن معاشرت	مفتی عثمان بستوی	۳۴۴
مشترکہ اور جداگانہ خاندانی نظام کا شرعی موقف	مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی	۳۵۰
مشترکہ خاندان کے شرعی آداب	مفتی معز الدین	۳۵۷
اسلام کی نظر میں خاندانی نظام	مولانا ذکاء اللہ شبلی	۳۶۴
شریعت کا مطلوبہ خاندانی نظام	مولانا محمد الیاس قاسمی	۳۶۶
اسلام کی نظر میں مشترکہ اور جداگانہ خاندانی نظام	مولانا ظہیر احمد ندوی	۳۷۳
خلاصہ جوابات مشترکہ اور جداگانہ خاندانی نظام	محمد آصف یاسین	۳۷۷
خاندانی نظام اسلامی قوانین کی روشنی میں	ڈاکٹر بہاء الدین ندوی	۳۸۱
باب چہارم: مناقشہ		۳۸۳

Marfat.com

پیش لفظ

کہا جاتا ہے کہ انسان سماجی حیوان ہے، یعنی وہ تنہا زندگی نہیں گذار سکتا، اسے ایک بہتر زندگی گذارنے کے لئے خاندان کی ضرورت ہے، وہ تین خاندانوں کے درمیان رہتا ہے، دادھیال، نانیہال اور سسرال، دادھیال اور نانیہال والدین کے ذریعہ وجود میں آتا ہے اور سسرال خود اس کے ذریعہ، انسان اس خوشی کو ادھوری اور ناتمام سمجھتا ہے، جس میں اس کا خاندان شریک نہ ہو، اسی طرح خاندان کی دلداری اور تسلی کے بغیر غم وحزن کا احساس بڑھ جاتا ہے اور رائی کے برابر مصیبت بھی پہاڑ نظر آتی ہے؛ اس لئے معتدل، خوشگوار اور پُرسکون زندگی کے لئے خاندان کا وجود ناگزیر ہے اور انسان ہمیشہ سے خاندانی نظام سے مربوط رہا ہے۔

خاندان چھوٹا بھی ہوتا ہے اور بڑا بھی، چھوٹا خاندان وہ ہے، جو شوہر و بیوی اور ان کے غیر شادی شدہ لڑکوں اور لڑکیوں پر مشتمل ہو، اس سے تو کوئی مفر ہی نہیں ہے؛ لیکن مسئلہ بڑے خاندان کا ہے، جس میں والدین، بھائی، بہن بھی شامل ہیں اور مل جل کر زندگی گذارتے ہیں، سوال یہ ہے کہ بڑے خاندان کو مشترک طور پر زندگی گذارنا چاہئے، یا اس کی ہر اکائی کو الگ الگ؟ —— کچھ فوائد مشترکہ طور پر زندگی گذارنے میں ہیں؛ کیونکہ اس میں بوڑھے، معذور اور نابالغ لوگوں کے علاوہ مطلقہ اور بیوہ عورتوں کی پرورش آسان ہو جاتی ہے اور ان کی نگہداشت دشوار نہیں ہوتی؛ اس کے ساتھ ساتھ بعض دشواریاں بھی پیدا ہوتی ہیں، جیسے باہمی آویزشیں، رقابتیں، اندر ہی اندر سلگتی ہوئی نفرت کی آگ، شرعی اصول کے مطابق پردہ کی رعایت کرنے میں دشواری وغیرہ، جداگانہ خاندان میں یہ مفاسد پیدا نہیں ہوتے؛ لیکن جیسا کہ ذکر کیا گیا جسمانی اور مالی اعتبار سے مجبور افرادِ خاندان کی کفالت دشوار ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

شریعت میں دونوں طرح کے نظام کی نظیریں موجود ہیں، علماء وارباب افتاء کا کام ہے کہ وہ حالات کے لحاظ سے اسے منطبق کریں اور شریعت کے مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بھی فیصلہ کریں کہ کب کونسا نظام بہتر ہوگا ؟ نیز اس نظام پر عمل کرنے کی وجہ سے جو مفاسد پیدا ہوں گے، ان کی تلافی کس طرح ہوگی ؟ —— موجودہ دور میں اس موضوع کی اہمیت بے حد بڑھ گئی ہے، دیہاتوں سے شہر کی طرف لوگوں کی آمد، بلندی کو چھوتے ہوئے زندگی کے معیارات، اس کے لئے زیادہ سے زیادہ افراد کا کسبِ معاش میں مشغول ہونا اور مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کا بھی ملازمت کرنا، یہ وہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے خاندان بٹتا جارہا ہے اور جداگانہ طریقہ پر زندگی گذارنے کا مزاج فروغ پارہا ہے، اس مزاج کی وجہ سے خودغرضی بھی پیدا ہورہی ہے، ان حالات میں اس عنوان کی اہمیت مزید بڑھ گئی ہے؛ چنانچہ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے اس موضوع پر ایک مجلسِ مذاکرہ حیدرآباد میں بھی رکھی تھی، جس میں فکری پہلو پر زیادہ توجہ دی گئی تھی؛ لیکن اس موضوع کی اہمیت کا تقاضہ تھا کہ اس پر زیادہ وسعت کے ساتھ فقہی نقطۂ نظر سے غور کیا جائے؛ لہٰذا جب رام پور میں اکیڈمی کا بیسواں فقہی سمینار طے پایا، تو اس عنوان کو بھی شامل رکھا گیا، اور شرکاء سمینار نے اس سلسلہ میں بڑی مفید تحریریں پیش کیں۔

چنانچہ اس موضوع پر آنے والے مقالات، سمینار میں ہونے والے مناقشات، موضوع سے متعلق پیش کئے جانے والے عرضِ مسئلہ اور تجاویز کا یہ مجموعہ قارئین کے لئے پیشِ خدمت ہے، جس کو عزیز گرامی مفتی احمد نادر قاسمی سلمہ اللہ تعالیٰ نے محنت اور خوش سلیقگی کے ساتھ مرتب کیا ہے، فجزاہ اللہ خیر الجزاء، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرمائے۔ واللہ هو المستعان۔

۱۴ر محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
۱۰ر دسمبر ۲۰۱۱ء

خالد سیف اللہ رحمانی
(خادم اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا)

Marfat.com

پہلا باب

تمہیدی امور

Marfat.com

Marfat.com

سوالنامہ

مشترکہ اور جداگانہ خاندانی نظام

کہا جاتا ہے کہ انسان سماجی حیوان ہے، یعنی انسان تنہا زندگی نہیں گزار سکتا، اسے بہت سے لوگوں کی رفاقت کی ضرورت ہوتی ہے، رفاقت کے مختصر دائرہ سے- جو قریبی رشتہ داروں پر مشتمل ہو - خاندان بنتا ہے، اور وسیع دائرہ سے جس میں رشتہ دار، ہمسائے، دوست واحباب اور ایک جگہ رہنے والے سارے لوگ شامل ہوں ''سماج'' وجود میں آتا ہے، اسلام میں بھی خاندان کو بڑی اہمیت دی گئی ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے خاندان (شعوب وقبائل) کو انسان پر اپنی نعمتوں میں شمار کیا ہے، غرض کہ انسان کی اپنی انفرادیت بھی ہے اور وہ ایک اجتماعی ڈھانچہ کا حصہ بھی ہے۔

زندگی گزارنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ایک مختصر خاندان کے تمام افراد- جیسے اس کے والدین، بیوی، بچے اور بھائی، بہن- ایک ساتھ رہیں، دوسری صورت یہ ہے کہ انسان صرف اپنے بال بچوں کے ساتھ رہے یا زیادہ سے زیادہ اپنے والدین کو اپنے ساتھ رکھے، معاشرت کے ان دونوں طریقوں میں بعض محاسن بھی ہیں اور بعض مفاسد بھی، مشترکہ خاندانی نظام میں خاندان کے کمزور لوگوں کی مدد ہوتی ہے، بیوہ، مطلقہ عورتوں اور یتیم لڑکوں اور لڑکیوں کی بہتر طور پر پرورش ہو جاتی ہے، بوڑھے ماں باپ کو سہارا حاصل ہوتا ہے، جبکہ اس سے بعض اوقات باہمی نزاع بھی اٹھ کھڑی ہوتی ہے، چچازاد اور پھوپھی زاد بھائی بہنوں کے درمیان پردہ کا اہتمام دشوار ہو جاتا ہے، دوسری طرف علاحدہ خاندانی نظام میں انسان کے اندر اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کر کے اپنی ضرورتوں کو خود پوری کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، دیر تک تعلقات میں ہم آہنگی باقی

Marfat.com

رہتی ہے، مگر اس کا منفی پہلو یہ ہے کہ بوڑھے اور خدمت کے محتاج ماں باپ اور خاندان کے بزرگ حضرات تنہا پڑ جاتے ہیں، یتیم بچے اور مطلقہ عورتوں کا بعض دفعہ کوئی پرسان حال نہیں رہتا۔

دیہات سے شہر کی طرف نقل مکانی، الگ رہنے کا بڑھتا ہوا مزاج اور مکانات کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے اب مشترکہ خاندان کی بجائے جداگانہ خاندان کا رجحان بڑھتا جارہا ہے، اس رجحان کی وجہ سے مغربی ملکوں میں بوڑھے لوگوں کے لئے مستقل ہاسٹل تعمیر ہورہے ہیں؛ بلکہ اب ہندوستان کے بڑے شہروں میں بھی اس کی شروعات ہوچکی ہے، اس لئے یہ اس عہد کا ایک اہم اور ابھرتا ہوا سوال ہے، اور اس اہم سماجی مسئلہ پر شریعت کی ہدایات اور اس کے مقاصد کی روشنی میں غور کرنے کی ضرورت ہے، اسی پس منظر میں حسب ذیل سوالات پیش خدمت ہیں:

۱- اسلام کی نظر میں مشترکہ خاندانی نظام بہتر ہے یا جداگانہ زندگی بسر کرنے کا طریقہ؟

۲- اگر مشترکہ خاندان ہو اور افراد خاندان کی ضروریات کے لئے سب مل کر خرچ دیں، کسی کے بچے زیادہ ہوں اور کسی کے کم ہوں، تو کیا ان سب پر برابر اخراجات عائد کئے جائیں گے یا ان کے بچوں کی تعداد کے لحاظ سے؟

۳- اسی صورت میں اگر مختلف بھائیوں نے مل کر اپنے والد یا کسی بھائی کے پاس آمدنی جمع کی اور گھر کے اخراجات سے بچی ہوئی رقم سے کوئی چیز خریدی گئی تو اس میں سبھوں کا حصہ برابر ہوگا یا ہر ایک کی آمدنی کے لحاظ سے ہوگا؟

۴- اگر تین بھائی ہیں، دو بھائی اپنی پوری تنخواہ مثلاً دس دس ہزار روپے گھر میں دے دیتے ہیں اور ایک بھائی بیس ہزار روپیہ کماتا ہے، وہ بھی دس ہزار گھر میں دیتا ہے اور دس ہزار الگ بچا کر رکھتا ہے، تو وہ بچی ہوئی رقم صرف اس کی ملکیت ہوگی یا تمام بھائیوں کی؟

۵- اگر خاندان کے کچھ افراد کماتے ہیں اور کچھ گھر کے کام دیکھتے ہیں اور اس طرح گھر کا کام چلتا ہے تو کیا کمانے والے حضرات کی آمدنی میں کام کرنے والے حضرات بھی

Marfat.com

برابر کے حقدار ہوں گے؟

۶- والدین زندگی بھر بچوں کی خدمت بھی کرتے ہیں اور کفالت بھی، اور بڑھاپے میں انہیں خدمت اور کفالت کی ضرورت ہوتی ہے، اب سوال یہ ہے کہ والدین کی خدمت وکفالت بیٹوں پر واجب ہے یا بیٹیوں پر بھی، اور اس سلسلہ میں بہو کی ذمہ داری کیا ہے؟ خاص کر جب بیٹیاں اپنے سسرال چلی جائیں اور ماں کو اپنی ضروریات کے لئے تعاون کی ضرورت ہو اور وہ تعاون ایسا ہو جس کو بیٹا خود انجام نہ دے سکتا ہو تو بہو پر اس خدمت کو بجالانا واجب ہوگا یا نہیں؟

۷- مشترک خاندان میں بہت سی دفعہ چچازاد بھائی بہن یا اس طرح کے دوسرے قریبی رشتہ داروں کا ایک دوسرے سے آمنا سامنا ہوتا رہتا ہے اور ایک ہی گھر میں- خاص کر جب کہ وہ تنگ بھی ہو- رہنے کے باوجود ایک دوسرے سے مکمل پردہ نہیں ہو پاتا، ایسی صورتحال میں پردہ کے احکام کیا ہوں گے؟

☆☆☆

Marfat.com

اکیڈمی کا فیصلہ:

مشترکہ وجداگانہ خاندی نظام

مشترکہ اور جداگانہ خاندانی نظام سے متعلق مقالات، ان کی تلخیص اور عرض کو سامنے رکھ کر بحث ومباحثہ کے بعد درج ذیل تجاویز منظور کی گئیں:

۱- مشترکہ خاندانی نظام ہو یا جداگانہ، دونوں کا ثبوت عہد رسالت اور عہد صحابہ سے ملتا ہے؛ لہٰذا دونوں ہی نظام فی نفسہ جائز و درست ہیں۔ جہاں جس نظام میں شریعت کے حدود وقوانین کی رعایت، پاسداری اور والدین ودیگر زیر کفالت افراد اور معذورین کے حقوق کی حفاظت ہوسکے اور فتنہ ونزاع سے بچا جاسکے اس نظام پر عمل کرنا بہتر ہوگا، کسی ایک نظام کی تحدید نہیں کی جاسکتی ہے۔ البتہ یہ اجلاس تمام مسلمانوں سے یہ اپیل کرتا ہے کہ مورث کے انتقال کے بعد جتنی جلدی ممکن ہو ترکہ کی تقسیم کرکے تمام شرعی وارثین کو ان کا متعینہ حصہ دے دیں، تاکہ ایک دوسرے کے حقوق کا غلط استعمال نہ ہو اور یہ عمل باہمی نزاع اور نفرت وعداوت کا سبب نہ بن جائے۔ یہ اجلاس خاص طور سے عورتوں کے حقوق کی ادائیگی کی طرف مسلمانوں کی توجہ کو مبذول کرانا چاہتا ہے، کیونکہ اس میں بہت زیادہ کوتاہیاں پائی جاتی ہیں۔

۲- مشترکہ خاندانی نظام کی بنیاد ایثار وقربانی اور باہمی تعاون پر ہے، ورنہ یہ نظام قائم نہیں رہ سکتا ہے، نیز عدل وانصاف کو قائم رکھنا بھی ضروری ہے، لہٰذا اگر خاندان کے سبھی افراد صاحب استطاعت ہوں تو زیر کفالت افراد کی تعداد کے اعتبار سے اخراجات دیں گے، اور اگر کوئی مالی اعتبار سے کمزور ہو تو ہر شخص اپنی آمدنی کے تناسب سے اخراجات

Marfat.com

برداشت کرے گا، البتہ خاندان کے سبھی حضرات کو چاہئے کہ جائز ذریعہ سے زیادہ سے زیادہ آمدنی حاصل کرنے کی کوشش کریں، تاکہ کمانے والوں پر بوجھ نہ پڑے۔

۳- جب آمد و خرچ دونوں مشترک ہوں تو اخراجات کے بعد بچی ہوئی رقم سے خریدی گئی چیز میں سبھی افراد برابر کے حقدار ہوں گے۔

۴- جب سبھی بھائیوں کا ذریعہ آمدنی الگ الگ ہو اور سبھوں نے برابر برابر رقم جمع کی اور ایک بھائی نے اپنی زائد آمدنی کو بچا کر اپنے پاس رکھا تو یہ بھائی اپنی زائد آمدنی کا خود مالک ہوگا، دوسرے بھائی اس کے حقدار نہیں ہوں گے۔

۵-الف: اگر خاندان کے افراد کسی معاہدہ کے تحت کام کرتے ہوں تو جو بھی آمدنی ہوگی وہ خاندان کے سبھی افراد کے درمیان حسب معاہدہ تقسیم ہوگی، خواہ وہ گھر پر کام کرتے ہوں یا باہر۔

ب: اگر کاروبار ایک ہی ہو، کچھ لوگ گھر پر کام کرتے ہوں اور کچھ لوگ گھر کے باہر تو اس صورت میں کل آمدنی سبھی افراد کے درمیان برابر برابر تقسیم ہوگی۔

ج: اگر الگ الگ کاروبار ہو اور ان کے درمیان کسی طرح کا معاہدہ نہ ہو تو باہر کمانے والوں کی آمدنی میں گھر کا کام دیکھنے والے حقدار نہیں ہوں گے۔

۶- والدین کی خدمت و کفالت لڑکوں کے ساتھ لڑکیوں پر بھی حسب استطاعت واجب ہے۔ اگر ماں کو ایسی خدمت کی ضرورت ہو جس کو کوئی عورت ہی انجام دے سکتی ہے اور بہو کے علاوہ کوئی دوسری قریبی عورت خدمت کرنے والی نہ ہو، نیز ماں مجبور ہو، خود سے وہ کام انجام دینے کے لائق نہ ہو تو ایسی صورت میں بہو پر ساس کی خدمت واجب ہوگی۔

۷- مشترک خاندان میں بھی شرعی پردہ کا اہتمام کیا جائے، کسی غیر محرم کے ساتھ تنہائی میں

Marfat.com

ملنے سے، اور ہنسی مذاق نیز غیر ضروری گفتگو سے اجتناب کرنا لازم ہے، البتہ احتیاط کے باوجود اگر سامنا ہو جائے اور ہر طرح کے فتنہ سے بچنے کی کوشش ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۸- سماج کے معمر اور سن رسیدہ افراد انسانی سماج کے لئے بیش قیمت سرمایہ ہیں، ان کی راحت رسانی اور خدمت انسانی سماج کی ذمہ داری ہے، خصوصا اولاد اور افراد خاندان کی ذمہ داری ہے کہ بوڑھوں کی خدمت کریں، ان کی عزت وتکریم کریں، اور انہیں اپنے ساتھ محبت اور الفت کے ساتھ رکھیں اور ان کی خدمت کو اپنے لئے سعادت سمجھیں۔

☆☆☆

Marfat.com

تلخیص:

اسلام کا خاندانی نظام

مفتی احمد نادر القاسمی

اسلام کے خاندانی نظام میں یہ بات بنیادی طور پر پیش نظر رکھی گئی ہے کہ صلہ رحمی بھی برقرار رہے اور ایک دوسرے کے مادی اور اخلاقی حقوق بھی ادا ہوتے رہیں، اور کسی طرح بھی قائم شدہ رشتہ داریوں میں دراڑ اور شگاف نہ آئے، لہذا یہ بات اس پس منظر میں کہی جاسکتی ہے کہ اسلام ایسا نظام چاہتا ہے جس میں: ۱-محرم اور غیر محرم کے درمیان شرعی حدود بھی قائم رہے اور اختلاط نہ ہو، ۲-جس سے جس کے حقوق وابستہ ہیں وہ بھی بحسن و خوبی ادا ہوتے رہیں، ۳-اہل قرابت، ماں باپ اور بھائی بہن کے درمیان کسی بھی طرح نااتفاقی نہ پیدا ہو۔

سماجی حقائق:

یہ مشاہدہ ہے کہ مشترکہ خاندان میں سماجی مسائل اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب نامحرم رشتہ داروں کا اندرون خانہ کثرت سے آنا جانا، رہائش پذیر ہونا، اور پھر خواتین کا رفتہ رفتہ بے پردگی کے ماحول میں ڈھلتا چلا جانا، عام ہوجاتا ہے، اور آدمی رشتہ داری اور قرابت داری نبھانے کی حمیت میں شریعت کی قائم کردہ حدوں کو توڑتے چلے جانے کا عادہ ہوجاتا ہے، شریعت نے بنیادی طور پر ایسے تمام مقامات جہاں شخصی طور پر مرد وعورت کی عزت وشرافت کو ٹھیس پہنچ سکتی ہو، یا ناشائستہ ماحول پیدا ہوسکتا ہو، یا خاندانی یا اجتماعی زندگی میں ناروا تلخیاں در آسکتی ہوں، وہاں احتیاطی تدابیر اختیار کیے جانے پر زور دیا ہے، اور کتاب وسنت میں کافی مقدار میں نصوص اور

Marfat.com

ہدایات اس سلسلہ میں موجود ہیں۔

حقوق کی ادائیگی کا مسئلہ:

مشترکہ اور علاحدہ خاندانی نظام کی بحث حقوق کی ادائیگی سے بھی جڑی ہوئی ہے، عام طور سے والدین جب بچوں کی شادی کی ذمہ داری سے فارغ ہوجاتے ہیں اور لڑکے اپنے اہل و عیال کے ساتھ رہنے لگتے ہیں تو پھر والدین کے جانی و مالی حقوق میں دانستہ اور نادانستہ کمی آنے لگتی ہے، اور پھر جانبین سے شکایات کے سلسلہ بھی شروع ہوجاتے ہیں۔

اہل قرابت، بھائی بہن اور والدین کے ساتھ انصاف:

عام طور سے یہ بھی ہوتا ہے کہ شادی کے بعد دیگر قرابت داروں، یتیم و مسکین خواہر و برادران کی طرف لوگوں کی توجہ کم ہونے لگتی ہے اور ایک طرف بیوی بچوں کے حقوق اور دوسری طرف اہل قرابت کے مالی مطالبے اور اس پر معاشی کمزوری کا دباؤ، اس صورتحال میں دن بدن مسائل بھی پیدا ہوتے ہیں اور گھریلو ماحول پراگندہ ہونا شروع ہوجاتا ہے، اور یہ کبھی انسان کے علاحدہ رہنے کے سبب بھی ہوتا ہے، اور کبھی مشترک رہنے کی شکل میں بھی۔

معاشرہ کی ان گوں ناگوں پیچیدگیوں، حقائق پر مبنی والدین اور اہل قرابت کی حق تلفیوں اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے سماجی و معاشرتی عدم توازن کے سدباب اور عدل و انصاف پر مبنی اسلامی معاشرہ تشکیل دینے کی غرض سے اسلامک فقہ اکیڈمی نے اپنے بیسویں فقہی سمینار کا ایک اہم موضوع ''مشترکہ اور جداگانہ خاندانی نظام'' بھی رکھا ہے، تاکہ اسلام کے خاندانی و معاشرتی نظام کی صحیح تصویر سامنے آسکے، اسلام کا تصور خاندان واضح ہوسکے اور مسلم معاشرہ میں توازن بھی بحال ہوسکے، اس موضوع سے متعلق اکیڈمی کے سوالنامے میں سات سوالات قائم کئے گئے ہیں، ان سوالات کے جو ۲۴ جوابات و مقالات تحریر لکھے جانے تک اکیڈمی کو موصول ہوئے، ان ۲۴ مقالہ نگار حضرات و مفتیان اور ماہرین قوانین اسلامی کی آراء،

Marfat.com

دلائل اور تجزیہ تلخیص کی شکل میں پیش کیا جارہا ہے۔

سوال نمبر:۱- اسلام کی نظر میں مشترکہ خاندانی نظام بہتر ہے، یا جداگانہ زندگی بسر کرنے کا طریقہ؟

اس سوال کے جواب میں اکثر، یعنی ۱۹ مقالہ نگار حضرات نے جداگانہ خاندان کے بہتر ہونے کی بات کہی ہے، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی، مولانا محمد یاسر قاسمی، مفتی رضوان الحسن مظاہری، مولانا محمد آصف یاسین، مولانا بہاء الدین ندوی، مفتی عبد القیوم پالنپوری، مفتی صادق محی الدین، مفتی عبداللطیف پالنپوری، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا قاضی ذکاء اللہ شبلی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مولانا محمد فخر عالم نعمانی، مفتی ارشد فاروقی قاسمی، مفتی سعید الرحمٰن پٹنہ، اور مفتی معز الدین قاسمی۔

مذکورہ حضرات نے بنیادی طور پر مشترکہ خاندان کی وجہ سے معاشرے میں رونما ہونے والی معاشرتی خرابیوں، محرم اور غیر محرم میں اختلاط، گھر کی ایک تا چند خواتین پر مشترکہ خاندان میں افراد کی زیادتی کی وجہ سے بے جا کام کا بوجھ، کتاب وسنت میں مشترکہ خاندان کے بارے میں کوئی صراحت موجود نہ ہونے، افراد خاندان کے درمیان ایک ساتھ رہنے کی وجہ سے نفرت و نزاع اور ناچاقیوں جیسے حالات کے پیدا ہونے اور پھر اس کے نتیجہ میں خاندانوں کے انتشار کا شکار ہو جانے کو اس کی اساس قرار دیا ہے، اور اس موقف کی تائید وتوثیق میں مذکورہ وجوہات کے ساتھ ساتھ نقلی وعقلی دلائل بھی دیئے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

آیات:

۱-"واعبدوا الله ولا تشركوا به شيئا وبالوالدين إحسانا وبذى القربى واليتامى والمساكين والجارذى القربى والجار الجنب والصاحب بالجنب

Marfat.com

وابن السبیل وما ملکت أیمانکم .... إن اللہ لا یحب من کان مختالا فخورا" (سورۂ نساء:۳۶) (اللہ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک رکھو اور قرابت داروں کے ساتھ، اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ........ قطعاً اللہ تعالی ایسوں کو دوست نہیں رکھتا جو خود بیں ہیں، فخار ہیں) (ماخوذ از مقالہ مفتی معز الدین قاسمی)۔

مفتی معز الدین قاسمی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے: "ہم صرف اس وجہ سے مشترکہ خاندان کو برداشت کریں یا اس کی ترغیب دیں کہ سب کے الگ الگ زندگی گزارنے میں والدین کا کیا ہوگا؟ یا کوئی معذور بھائی بہن ہو تو وہ کہاں رہے گا، یا بیوہ، مطلقہ عورتوں اور یتیم لڑکوں اور لڑکیوں کی پرورش کون کرے گا یہ کوئی قرین قیاس نہیں ہے" (دیکھئے: مقالہ مفتی معز الدین قاسمی اورنگ آباد)۔

۲- مشترکہ خاندان کا تصور صرف سماجی دباؤ اور ناانصافیوں پر مبنی رواج کا نتیجہ ہے، جس کی حیثیت: "ماوجدنا علیہ آبائنا" (سورہ مائدہ:۱۰۴) سے زیادہ کچھ بھی نہیں (مقالہ مذکور)۔

۳- ارشاد باری تعالی ہے: "یا أیھا الذین آمنوا لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستأنسوا وتسلموا علی أھلھا" (سورۂ نور:۲۷)۔

(اے ایمان والو! تم اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے کے گھروں میں جب تک اجازت نہ لے لو اور اس گھر میں رہنے والوں کو سلام نہ کر لو مت داخل ہو)۔

۴- "وإذا بلغ الأطفال منکم الحلم فلیستأذنوا کما استأذن الذین من قبلھم کذلک یبین اللہ لکم آیاتہ، واللہ علیم حکیم" (سورۂ نور:۵۹)۔

(اور جب تمہارے بچے بلوغت کو پہنچ جائیں تو چاہئے کہ جس طرح ان سے بڑے اجازت لے کر داخل ہوا کرتے تھے اسی طرح وہ بھی اجازت لے کر داخل ہوں، اس طرح اللہ تعالی واضح انداز میں احکام بیان کرتا ہے، اور وہ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے)۔

۵- "وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیة الأولی" (سورۂ احزاب:۳۳)۔

Marfat.com

(تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور زمانہ جاہلیت کے دستور کی طرح مت پھرو)۔

۶-"واذکرن ما یتلی فی بیوتکن من آیات الله والحکمة" (سورۂ احزاب: ۳۴)۔

(اور تم ان آیات الٰہیہ اور اس کے علم کو یاد رکھو جس کا تمہارے گھروں میں چرچہ ہے)۔

اپنے گھروں میں قرار اور ذکر علاحدہ خاندان کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

۷-"وأسکنوهن من حیث سکنتم من وجدکم" (سورۂ طلاق: ۶)۔

(اور ان مطلقات کو رہنے کا مکان دو اپنی حیثیت کے مطابق جہاں تم رہتے ہو)۔

۸-"وعاشروهن بالمعروف، فإن کرهتموهن فعسی أن تکرهوا شیئاً ویجعل الله فیه خیراً کثیراً" (سورۂ نساء: ۱۹)۔

(اور بیبیوں کے ساتھ خوش اسلوبی سے گذر بسر کیا کرو، اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو عجب کیا کہ تم ایک شیٔ کو ناپسند کرو اور اللہ اس کے اندر کوئی بڑی بھلائی رکھ دے)۔

۹-"یایها الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شهداء لله ولو علی أنفسکم أو الوالدین والأقربین، إن یکن غنیا أو فقیرا فالله أولی بهما، فلا تتبعوا الهوی أن تعدلوا، فإن تلؤا أو تعرضوا، فان الله کان بما تعملون خبیرا" (سورۂ نساء: ۱۳۵)۔

(اے ایمان والو انصاف پر خوب قائم رہنے والے، اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے رہو، چاہے وہ تمہارے یا تمہارے والدین اور عزیزوں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، وہ امیر ہو یا مفلس، اللہ بہرحال دونوں سے زیادہ حقدار ہے، تو خواہش نفس کی پیروی نہ کرنا کہ حق سے ہٹ جاؤ، اور اگر تم کجی کروگے، یا پہلوتہی اختیار کروگے تو جو تم کررہے ہو اللہ اس سے خوب باخبر ہے)۔

۱۰-"لیس علی الأعمی حرج ولا علی الأعرج حرج ولا علی المریض حرج ولا علی أنفسکم أن تاکلوا من بیوتکم أو بیوت آبائکم أو

Marfat.com

بیوت أمهاتكم أو بيوت إخوانكم أو بيوت أخواتكم أو بيوت أعمامكم أو بيوت عماتكم أو بيوت اخوالكم أو بيوت خالاتكم أو ماملكتم مفاتحه أو صديقكم" (سورۂ نور:۶۱) (دیکھئے: مقالہ مولانا ولی اللہ مجید قاسمی)۔

(نہ اندھے آدمی پر الزام ہے، نہ لنگڑے آدمی پر الزام ہے، اور نہ بیمار آدمی پر الزام ہے اور نہ خود تم پر اس بات میں کہ تم اپنے گھروں میں سے کھانا کھالو یا اپنے باپ کے گھروں سے، یا اپنی ماؤں کے گھروں سے، یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے، یا اپنی بہنوں کے گھروں سے، یا اپنے چچاؤوں کے گھروں سے، یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے، یا ان گھروں سے جن کی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہوں، یا اپنے دوستوں کے گھروں سے)۔

۱۱- "قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم ويحفظوا فروجهم ذلك أزكى لهم" (سورۂ نور:۳۰) (مقالہ مولانا اختر امام عادل)۔

(آپ ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں، اور اپنی اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے حق میں زیادہ صفائی کی بات ہے)۔

۱۲- "وقل للمؤمنات يغضضن من أبصارهن ويحفظن فروجهن ولا يبدين زينتهن إلا ما ظهر منها وليضربن بخمرهن على جيوبهن ولا يبدين زينتهن إلا لبعولتهن أو آباء ئهن أو آباء بعولتهن أو أبنائهن أو ابناء بعولتهن أو اخوانهن أو بنى إخوانهن أو بنى اخواتهن أو نسائهن...... الخ" (سورۂ نور:۳۱) (مقالہ محمد یاسر قاسمی)۔

(اور آپ کہہ دیجئے ایمان والیوں سے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنا سنگار ظاہر نہ ہونے دیں، مگر ہاں جو اس میں سے کھلا ہی رہتا ہے، اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں اور اپنی زینت ظاہر نہ ہونے دیں، مگر ہاں اپنے شوہر

111926

Marfat.com

پر اور اپنے شوہر کے باپ پر اور اپنے بیٹوں پر اور اپنے شوہر کے بیٹوں پر اور اپنے بھائیوں پر اور اپنے بھائیوں کے لڑکوں پر یا اپنی بہنوں کے لڑکوں پر اور اپنی ہم مذہب عورتوں پر)۔

احادیث:

۱-"عن المسور بن مخرمة أن رسول الله ﷺ قال: فاطمة بضعة منی فمن أغضبها، فقد أغضبنی" (الصحیح البخاری مناقب فاطمہ ۵۳۲/۱)۔

(فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے، جس نے اس سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا)،

اسقدر محبت کے باوجود حضور ﷺ نے ان کو علاحدہ رکھا۔

۲-"عن عامر بن ربیعة قال رسول الله ﷺ: لا یخلون رجل بامرأة قال: ثالثها الشیطان" (مشکوۃ باب النظر الی)۔

(کوئی بھی شخص ہرگز کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ ہو، (پھر فرمایا ہے): تیسرا اس کے ساتھ شیطانی ہوتا ہے)۔

۳-"عن عائشة سئلت أی الناس کان أحب إلی رسول الله ﷺ قالت: فاطمة" (السنن للترمذی باب ماجاء فی فضل فاطمہ ۲۲۶/۲) (مذکورہ بالا آیات و روایات مفتی سعید الرحمٰن قاسمی کے مقالہ سے ماخوذ ہیں)۔

(حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا گیا کہ اللہ کے رسول ﷺ کے نزدیک سب سے محبوب کون شخص تھا، تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا: فاطمہ)۔

۴-"لا یجمع بین المرأة وعمتها ولا بین المرأة وخالتها" (بخاری حدیث نمبر: ۵۱۹، مسلم حدیث نمبر ۱۴۰۸) (دیکھئے: مقالہ مولانا محمد شاہجہاں ندوی)۔

(ارشاد رسول اکرم ﷺ ہے کہ کوئی شخص کسی عورت کو اس کی پھوپھی اور اس کی خالہ کے درمیان نکاح میں جمع نہ کرے)۔

Marfat.com

عبارات فقہاء:

۱-"وعلى الزوج أن يسكنها فى دار مفردة ليس فيها أحد من أهله إلا أن تختار" (ہدایہ باب النفقہ ۲/ ۱۴۴)۔

۲-"ولو أراد الزوج أن يسكنها مع ضرتها أو مع أحمائها كأم الزوج واخته وبنته من غيرها وأقاربه، فأبت عليه أن يسكنها فى منزل مفرد، لأنهن ربما يؤذينها ويضرون بها فى المساكنة، وإبائها دليل الأذى والضرر، ولأنه يحتاج إلى أن يجامعها ويباشرها فى أى وقت يتفق، ولا يمكنه ذلك إذا كان معها ثالث، حتى لو كان فى الدار بيوت ففرغ لها بيتا وجعل لبيتها غلقا على حدة" (بدائع الصنائع للکاسانی ۳/ ۴۲۸) (مقالہ مفتی ارشد فاروقی، محمد فخر عالم نعمانی، مفتی صادق محی الدین، مولانا اختر امام عادل)۔

۳-"السكنى للزوجة على زوجها واجبة، وهذا الحكم متفق عليه بين الفقهاء، لأن الله تعالى جعل للمطلقة الرجعية السكنى على زوجها قال تعالى: واسكنوهن من حيث سكنتم من وجدكم"......ولأن الله تعالى أو جب المعاشرة بين الأزواج بالمعروف، قال تعالى: "وعاشروهن بالمعروف" من المعروف المامور به أن يسكنها فى سكن تأمن فيه على نفسها ومالها......فلذلک كانت السكن حقا لها على زوجها وهو حق ثابت بإجماع أهل العلم" (موسوعہ فقہیہ ۲۵/ ۱۰۸، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/ ۸۰۳)۔

۴-"فإن أراد الزوج أن يسكنها مع من أقربائه وطلبت المرأة منزلا على حدة، فلها ذلک، لأن حق السكنى للمرأة إنما كان لمعنين: أحدهما أن تعاشر مع الزوج، والثانى أن تأمن على متاعها، فاذا كان معها ثالث تستحى من

Marfat.com

المعاشرة مع زوجها وتخاف على متاعها" (المحیط البرہانی ۴/۳۱۸، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/۸۰۳، الموسوعۃ الفقہیہ ۲۵/۱۰۸) (دیکھئے: مقالہ محمد یاسر قاسمی)۔

۵-"رابطة اجتماعية تتكون من زوج وزوجة وأطفالها وتشمل الجدود والأحفاد وبعض الأقارب على أن يكونوا مشتركين في معيشة واحدة"۔

اس ضمن میں مولانا اختر امام عادل صاحب نے بڑی عمدہ بحث کی ہے وہ لکھتے ہیں: "منافع کے حصول سے زیادہ ضروری مفاسد کو دور کرنا ہے، "لاضرر ولا ضرور" بعض اہم مقاصد کے حصول کے لئے مشترکہ خاندانی نظام کے بجائے دفع مضرت کی خاطر جداگانہ خاندانی نظام زیادہ لائق ترجیح اور قابل قبول ہے"۔

دوسری رائے:

دوسری رائے مفتی انور علی اعظمی، مفتی مقصود وجیہی اور مفتی محبوب علی وجیہی صاحب کی مشترک ہے کہ مشترکہ خاندانی نظام بہتر ہے، اس لئے کہ اس میں ماں باپ اور معذور ومجبور اور یتیم بھائی بہنوں کی صحیح دیکھ ریکھ ہو سکے گی، جبکہ مفتی انور علی اعظمی صاحب اس شق کا اضافہ کرتے ہیں کہ جب تک آپس میں پیار محبت اور حسن معاملگی باقی رہے، مشترک رہنا چاہئے اور جب نزاع پیدا ہو جائے تو الگ کر دیا جائے (دیکھئے: مقالہ مفتی مقصود وجیہی، مفتی انور علی اعظمی)۔

تیسری رائے:

تیسری رائے مفتی جمیل احمد نذیری اور مفتی ظہیر احمد کانپوری کی ہے کہ "ایسا خاندانی نظام بہتر ہے جس میں سب کے حقوق بہتر طریقہ سے ادا ہوں اور باہم نزاع کی صورت پیدا نہ ہو، مفتی جمیل احمد نذیری صاحب کے الفاظ ہیں: "اسلام کی نگاہ میں نہ مشترکہ خاندانی نظام بہتر ہے نہ جداگانہ زندگی بسر کرنے کا طریقہ، بلکہ جس میں سب کے حقوق بہتر طریقہ سے ادا ہوں وہی نظام بہتر ہے" (دیکھئے: مقالہ مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی ظہیر احمد کانپوری)۔

Marfat.com

دوسری اور تیسری رائے کے حاملین علماء نے علاحدہ سے کوئی دلیل نہیں پیش کی ہے، انہیں روایات ونصوص کو سامنے رکھا ہے جن میں صلہ رحمی اور حقوق میں اقرباء کے خیال کی بات کی گئی ہے، جیسے:

۱-"وآت ذالقربی حقه والمسکین وابن السبیل ولا تبذر تبذیرا" (سورۂ اسراء:۲۶)۔

(اور تو قرابت دار کو بھی اس کا حق ادا کر اور محتاج اور مسافر کو ان کا حق دے اور مال کو فضولیات میں مت اڑا)۔

۲-"لا تضار والدة بولدها ولامولودله بولده، وعلی الوارث مثل ذلک" (سورۂ بقرہ:۲۳۳)۔

(نہ کسی ماں کو تکلیف پہنچائی جائے اس کے بچہ کے باعث اور نہ کسی باپ ہی کو تکلیف پہنچائی جائے اس کے بچہ کے باعث، اور اسی طرح کا انتظام اس کے وارث کے اوپر بھی ہے)۔

۳-"وأتی المال علی حبه ذوی القربی والیتامی والمساکین" (سورۂ بقرہ:۱۷۷)۔

(اور اس کی محبت میں مال صرف کرے قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں پر)۔

۴-"فأما الیتیم فلا تقهر" (سورۂ ضحیٰ:۹)۔

(تو آپ بھی یتیم پر سختی نہ کیجئے)۔

سوال نمبر ۲: اگر مشترکہ خاندان ہو اور افراد خاندان کی ضرورت کے لئے سب مل کر خرچ دیں کسی کے بچے زیادہ اور کسی کے کم ہوں تو کیا ان سب پر برابر اخراجات عائد کئے جائیں گے، یا ان کے بچوں کی تعداد کے لحاظ سے۔

اس سوال کے جواب میں ۱۳ مقالہ نگار حضرات کی رائے یہ ہے کہ مشترکہ خاندان کی

Marfat.com

صورت میں جس کے جتنے بچے ہوں گے ان کے تناسب سے اخراجات لازم ہوں گے، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مفتی مقصود وجیہی، مفتی محبوب علی وجیہی، مفتی معز الدین قاسمی، قاضی ذکاء اللہ شبلی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مفتی عبد اللطیف پالنپوری، مفتی عبد القیوم پالنپوری، مولانا محمد آصف یاسین، مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی، مفتی ارشد فاروقی، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی۔

مذکورہ مقالہ نگار حضرات نے مندرجہ ذیل دلائل سے استدلال کیا ہے:

آیات:

۱-"وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف" (سورۂ بقرہ: ۲۳۳) (دیکھئے: مقالہ محمد یاسر قاسمی)۔

(اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ ہے ان کی ماؤں کا کھانا اور کپڑا دستور کے موافق)۔

۲-"وقضى ربك ألا تعبدوا إلا إياه وبالوالدين إحسانا" (اسراء: ۲۳)۔

(اور تیرے پروردگار نے حکم دے رکھا ہے بجز اسی ایک رب کے اور کسی کی پرستش نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک رکھنا)۔

۳-"ووصينا الإنسان بوالديه حسنا" (سورۂ عنکبوت: ۸)۔

(اور ہم نے حکم دیا ہے، انسان کو اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کا)۔

حدیث:

۱-"أنت ومالك لأبيك" (ابن ماجہ، ابوداؤد، مسند احمد)۔

(تو اور تیرا مال تیرے باپ ہی کا ہے)۔

Marfat.com

عبارات فقہاء:

۱-"ونفقة الصغار على الأب لايشاركه أحد"(فتح القدیر ۴/۴۱۰، بدائع الصنائع ۴/۳۲)۔

۲-"واذا لم يف كسبه بحاجتهم أو لم يكتسب لعدم تيسير الكسب أنفق عليهم القريب ورجع على الأب إذا أيسر"(فتح القدیر ۴/۴۱۱)۔

۳-"وفى جوامع الفقه إذا لم يكن للأب مال والجد والأم أو الخال أو العم موسر يجبر على نفقة الصغير ويرجع بها على الأب إذا أيسر"(حوالہ سابق)(دیکھئے: مقالہ مولانا ابرار خاں ندوی)۔

۴-"وتجب النفقة بأنواعها على الحر لطفله (يعم الأنثى والجمع) الفقير الحر"(ردالمحتار مع الدر ۲/۹۲۳)۔

۵-"وأجمعوا على أن نفقة الوالدين الذين لا كسب لهما ولا مال، واجبة فى مال الولد"(المغنی ۷/۵۸۳)۔

۶-"ويجبر الولد الموسر على نفقة أبيه وأمه إذا كانا محتاجين" (تاتارخانیہ ۳/۲۸۰)۔

۷-"النفقة واجبة على زوجها مسلمة كانت أو كافرة"(ہدایہ ۲/۴۴۱)۔

دوسری رائے:

بعض مقالہ نگار کی رائے یہ ہے کہ مشترکہ خاندان کی شکل میں گھر کے ہر کمانے والے فرد پر اخراجات برابر عائد ہوں گے، اس لئے کہ یہ معاملہ احسان وتبرع کا ہے اور اس میں اخلاقاً سب کو شریک ہونا چاہئے، اس رائے کے حامل مندرجہ ذیل حضرات ہیں:

مولانا اختر امام عادل، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مولانا محمد فخر عالم نعمانی، مفتی سعید الرحمن

Marfat.com

قاسمی (پٹنہ)، مفتی انور علی اعظمی، مولانا محمد یاسر قاسمی سرائے میر اور مفتی محمد صادق محی الدین۔

ان حضرات نے مندرجہ ذیل عبارات فقہاء کو بنیاد بنایا ہے:

عبارات فقہاء:

۱-"لو كان للفقير ابنان أحدهما فائق في الغنى والآخر يملك نصابا فهي عليهما سوية (خانيه) وعزاه في الذخيرة إلى مبسوط محمد، ثم نقل عن الحلواني: قال مشائخنا: هذا لوتفاوتا في اليسار تفاوتا يسيرا، فلو فاحش يجب التفاوت فيها" (ردالمحتار ۵/۳۵۵) (مقالہ افتخار احمد مفتاحی)۔

۲-"ثم يفرض على الابن نفقة الأب إذا كان الأب محتاجا والابن موسرا سواء كان الأب قادرا على الكسب أو لم يكن" (الفتاوی التاتارخانیہ ۳/۲۸۱) (مقالہ محمد یاسر قاسمی)۔

۳-"وكذا لواجتمع اخوة يعملون في تركة أبيهم ونمى المال، فهو بينهم سوية، ولو اختلفوا في العمل والرأى" (شامی ۶/۲۹۲)۔

۴-"إن الأشعريين إذا أرملوا في الغزو أوقل طعام عيالهم بالمدينة جمعوا ما كان عندهم في ثوب واحد، ثم اقتسموه بينهم في اناء واحد بالسوية فهم مني وأنامنهم" (دیکھئے: مقالہ ولی اللہ مجید قاسمی)۔

(اشعری لوگوں کا جب حالت سفر میں توشہ ختم ہو جاتا ہے یا شہر میں رہتے ہوئے کچھ گھروں میں غلہ کم ہو جاتا ہے تو ان کے پاس جو کچھ ہوتا ہے، اسے ایک کپڑے میں جمع کرتے ہیں اور پھر باہم برابر تقسیم کر لیتے ہیں، وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں)۔

تیسری رائے:

تیسری رائے اس مسئلہ میں یہ ہے کہ جس فرد کی جیسی آمدنی ہو آمدنی کے تناسب سے

Marfat.com

نفقہ واجب ہوگا، اس رائے کے حاملین میں جناب مفتی جمیل احمد نذیری اور مولانا افتخار احمد مفتاحی ہیں۔

دلیل: اس کی تائید میں مفتی جمیل احمد نذیری صاحب نے ''فتاوی خیریہ'' کی عبارت پیش کی ہے:

''سئل فی أخوین سعیهما واحد وعائلتهما واحدة حصلا بسعیهما أموالا من مواشٍ وغیرها، والأن یرید أحدهما مفارقة الآخر ومقاسمة الأموال مناصفة ویأبی الأخر ...... والحالة هذه جمیع ما حصلاه بسعیهما وکسبهما مشترک بینهما تجب قسمته بینهما منا صفة أم لا،(أجاب) نعم ماحصلاه بکسبهما مشترک بینهما، لا یجوز أن یختص به أحدهما دون الآخر'' (الفتاوی الخیریہ ۱/ ۱۱۲) (دیکھئے: مقالہ مفتی جمیل احمد نذیری)۔

چوتھی رائے:

چوتھی رائے اس مسئلہ میں یہ ہے کہ آپسی رضامندی سے طے کرلے، تاکہ نزاع نہ ہو، اس رائے کو جناب مفتی ظہیر احمد صاحب اور جناب مولانا رضوان الحسن مظاہری نے اختیار کیا ہے، ان کے پیش نظر اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے باہمی نزاع سے بچنا ہے۔

سوال نمبر ۳: اس صورت میں اگر مختلف بھائیوں نے مل کر اپنے والد یا کسی بھائی کے پاس آمدنی جمع کی اور گھر کے اخراجات سے بچی ہوئی رقم سے کوئی چیز خریدی گئی تو اس میں سبھوں کا حصہ برابر ہوگا، یا ہر ایک کی آمدنی اور گھر میں جمع کرنے کے لحاظ سے ہوگا؟

اس سوال کے جواب میں ۱۵ مقالہ نگار حضرات کی رائے یہ ہے کہ آمدنی کا لحاظ نہیں

Marfat.com

کیا جائے گا، بلکہ دیا ہوا مال والد کی ملکیت تصور ہوگا، لہذا اس بچی ہوئی رقم سے خریدی ہوئی چیز میں سب برابر کے شریک وسہیم ہوں گے اور تمام کے درمیان مساوی طور پر تقسیم کیا جائے گا، اس رائے کو مندرجہ ذیل حضرات نے اختیار کیا ہے۔

مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا محمد یاسر قاسمی، مولانا محمد آصف یاسین، مفتی عبد القیوم پالنپوری، مفتی محمد صادق محی الدین، مفتی عبد اللطیف پالنپوری، مفتی ظہیر احمد کانپوری، مفتی انور علی اعظمی، قاضی ذکاء اللہ شبلی، مفتی معز الدین قاسمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا محمد فخر عالم نعمانی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی۔

مذکورہ حضرات علماء کرام نے اپنی اس رائے کو مندرجہ ذیل عبارات فقہاء سے مستحکم کرنے کی کوشش کی ہے:

۱-"كذلك لو اجتمع اخوة يعملون في تركة أبيهم ونمى المال فهو بينهم سوية، ولو اختلفوا في العمل والرأى" (الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید ۵/۵۲)۔

۲-"وما حصله أحدهما فله وما حصلاه معاً فلهما إن لم يعلم مالكه" (درمختار) "قوله: وما حصلاه معا يعني ثم خلطاه وباعاه...... وإن لم يعرف مقدار ما كان لكل منهما صدق كل واحد منهما أي النصف، لأنهما استويا في الاكتساب وكان المكتسب في أيديهما فظاهر أنه بينهما نصفان، ويؤخذ من هذا ما افتى به في الخبرية في زوج امرأه وابنها اجتمعا في دارواحدة، وأخذ كل منهما يكتسب عليحدة ويجمعان كسبهما، ولا يعلم التفاوت ولا التساوى ولا التميز، فأجاب بأنه بينهما سوية" (شامی ۲/ ۳۹۲، فصل فی الشرکۃ الفاسدہ) (دیکھئے: مقالہ: محمد فخر عالم نعمانی، مولانا محمد یاسر قاسمی)۔

۳-"وأما القبض فلأن الملك لو ثبت بدونه للزم المتبرع شئ لم يلتزم وهو التسليم" (ابن مودود الموصلی الحنفی، الاختیار لتعلیل المختار ۳/ ۵۴) (مقالہ مولانا محمد شاہجہاں ندوی)۔

Marfat.com

دوسری رائے:

دوسری رائے یہ ہے کہ ہر ایک اپنی آمدنی کے لحاظ سے اس خریدی ہوئی جائداد میں شریک ہوگا، اس رائے کو اپنانے والے مندرجہ ذیل حضرات ہیں:

مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مفتی مقصود وجیہی، مفتی محبوب علی وجیہی۔

تیسری رائے:

تیسری رائے یہ ہے کہ اگر آمدنی کا علم ہو اور منافع معلوم ہوں تو آمدنی کے لحاظ سے بھائیوں کی شرکت ہوگی، اور اگر معلوم نہ ہو تو برابر تقسیم کیا جائے گا۔

یہ رائے مفتی سعید الرحمٰن قاسمی اور مولانا افتخار احمد مفتاحی کی ہے۔

اس سوال کے جواب میں مفتی عبد القیوم پالنپوری کہتے ہیں کہ اگر یہ رقوم جائداد خریدنے کے لئے دی گئی تھیں تو سب اپنی رقوم کے بقدر شریک ہوں گے، ورنہ وہ والد کا ترکہ ہوگا اور سب برابر کے شریک ہوں گے۔

مولانا رضوان الحسن مظاہری کہتے ہیں کہ اس کی مختلف شکلیں ہیں:

الف- اگر بھائیوں نے والد کو سرپرست بنا کر رقم کا مالک بنادیا تھا اور پھر والد نے اس سے جائداد خریدی تو پھر سب برابر ہوں گے۔

ب- اگر بطور امانت کے رقم جمع کرایا اور اخراجات کے بعد جو رقم بچ گئی اس سے جائداد خریدا تو ہر ایک کا اپنے حصہ اور اپنی آمدنی کے بقدر حصہ ہوگا، "کل واحد منهما في نصيب صاحبه كالأجنبي" (ہدایہ) (دوسرے کا حصہ بغیر اجازت نہیں لے سکتا)۔

مفتی ارشد فاروقی صاحب نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ اگر جمع وصرف کی بنیاد حساب پر ہے تو اسی حساب سے حصہ ہوگا۔

Marfat.com

سوال نمبر: ۴-ایک بھائی بیس ہزار میں سے دس ہزار گھر کے خرچ میں دیتا ہے، اور دو بھائی اپنی پوری تنخواہ، یعنی دس ہزار گھر میں دیتے ہیں تو وہ جو دس ہزار بچا کر اپنے پاس رکھتا ہے وہ تنہا اس کی ملکیت ہوگی یا سارے بھائی اس میں شریک ہوں گے؟

اس سوال کے جواب میں تقریبا سارے ہی مقالہ نگار حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ برابر تمام بھائیوں کے گھر کے اخراجات میں رقم جمع کرنے کے بعد جو دس ہزار آمدنی الگ سے جس بھائی نے اپنی کمائی میں سے رکھی ہے وہ اس کی ذاتی ملکیت ہے، اس میں کسی دوسرے کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

اس موقف کی تائید کے لئے حضرات مقالہ نگار نے مندرجہ آیات واحادیث پیش کئے ہیں:

آیات:

۱-"للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن" (سورۂ نساء:۳۲)۔
(مردوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے، اور عورتوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے)۔

۲-"وأن لیس للانسان إلا ما سعی، وأن سعیه سوف یری" (سورۂ نجم:۳۹،۴۰)۔
(اور انسان کو صرف اپنی ہی کمائی ملے گی اور یہ کہ انسان کی سعی بہت جلد دیکھ لی جائے گی)۔

۳-"یا یها الذین آمنوا لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل" (سورۂ نساء:۲۹)۔
(اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر نہ کھاؤ)۔

Marfat.com

احادیث:

۱-"لا یحل مال لامرأ مسلم إلا بطیب نفس منه" (مشکوۃ ۵/۲۵۵) (دیکھئے: مقالہ: مفتی عبداللطیف پالنپوری)۔

(کسی مسلمان کے لئے کسی دوسرے مسلمان کا مال اس کی رضامندی کے بغیر حلال نہیں ہے)۔

۲-"کل أحد أحق بماله من والده وولده والناس أجمعین" (دارقطنی حدیث ۴۵۶۸، سنن کبری للبیہقی حدیث نمبر: ۱۶۱۷۰)۔

(ہر شخص اپنے مال کا اپنے والد، اپنے لڑکے اور تمام لوگوں سے سب سے زیادہ حقدار ہے)۔

عبارات فقہاء:

۱-"إن زیدا یسکن مع أبیه عمرو فی بیت واحد ویعیش من طعام أبیه، وقد کسب مالا آخر، فلیس لإخوانه بعد وفاة أبیه ادخال ما کسبه زید فیها لشرکة" (شرح المجلۃ الاحکام العدلیہ ۳/۴۴۵) (مقالہ مولانا محمد شاہجہاں ندوی)۔

۲-"وقد اشتری الأرض من ماله وبنی علیها من ماله ولم یشارکه أحد فی أی عمل من أعمال العمارة، فتکون ملکا له خاصا له، ولیس من حق أخیه أن یشارکه فی أی قدر من الأرض والبناء" (مجموعہ الفتاوی الشرعیہ ۴/۱۸۸) (دیکھئے: مقالہ مولانا ابرار خاں ندوی)۔

البتہ اس مسئلہ میں مفتی جمیل احمد نذیری اور مفتی سعید الرحمن قاسمی کی رائے یہ ہے کہ اس صورت میں کسی بھائی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ الگ سے کوئی رقم اپنے لئے بچا کر رکھے، اسے ہر قیمت پر ساری رقم جمع کرنا ہوگی، ورنہ یہ بھی تینوں کے ساتھ دغا اور دھوکہ بازی ہوگی۔

Marfat.com

اور مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی کہتے ہیں کہ اگر اخراجات اور کھانا پینا سب ساتھ ہے تو ہر ایک کو اپنی پوری رقم جمع کرنا ضروری ہوگا (دیکھئے: مقالہ مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی، مفتی جمیل احمد نذیری اور مفتی سعید الرحمٰن قاسمی پٹنہ)۔

سوال نمبر: ۵- اگر خاندان کے کچھ افراد کماتے ہیں، اور کچھ گھر کے کام دیکھتے ہیں اور اس طرح گھر کا کام چلتا ہے تو کیا کمانے والے حضرات کی آمدنی میں گھر کا کام دیکھنے والے حضرات بھی برابر کے شریک ہوں گے؟

اس سوال کے جواب میں ۱۲ مقالہ نگار حضرات نے یہ کہا ہے کہ یہ کام چونکہ تقسیم کار پر مبنی ہے، اور کچھ لوگ گھر کا کام دیکھتے ہیں اور کچھ لوگ باہر کا، اس لئے گھر کام کرنے والے افراد برابر کے حصہ دار ہوں گے اس رائے کو مندرجہ ذیل حضرات نے اختیار کیا ہے۔

مولانا افتخار احمد مفتاحی، مولانا اختر امام عادل، مفتی مقصود وجیہی، مفتی محبوب علی وجیہی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مفتی انور علی اعظمی، مفتی ظہیر احمد کانپوری، مفتی محمد صادق محی الدین، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی، اور مفتی سعید الرحمٰن قاسمی پٹنہ۔

ان حضرات نے فقہاء کی انہیں عبارتوں سے استدلال کیا ہے جو سوال نمبر ۳ کے ضمن میں نقل کی جاچکی ہیں، مثلاً:

۱-”ولو اجتمع اخوة يعملون فى تركة أبيهم ونمى المال فهو بينهم سوية ولو اختلفوا فى العمل والرأى“ (شامی ۳/۳۴۹)۔

۲-”فإذا كان الأب مزارعا والابن صانع الأحذية، فكسب الأب من المزارعة والابن من صنعة الحذاء، فكسب كل واحد منهما لنفسه، فليس للأب المداخلة فى كسب ابنه لكونه فى عياله“ (درر الحکام ۳/۴۴۵، دفعہ ۱۳۹۸)

(دیکھئے: مقالہ مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مفتی عبد الرحیم قاسمی)۔

Marfat.com

دوسری رائے:

دوسری رائے یہ ہے کہ اس میں گھر کا کام کرنے والے لوگ شریک نہیں ہوں گے، اس رائے کے حامل مقالہ نگاران میں یہ حضرات شامل ہیں:

مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا قاضی ذکاء اللہ شبلی، مفتی عبداللطیف پالنپوری، مولانا محمد آصف یاسین، مولانا رضوان الحسن مظاہری، مفتی ارشد فاروقی۔

جبکہ مولانا ولی اللہ مجید قاسمی کی رائے یہ ہے کہ اگر ایسا عرف رائج ہو تو شریک ہوگا ورنہ نہیں، اور مفتی ارشد فاروقی نے یہ تفصیل کی ہے کہ باہر رہنے والوں کی کمائی میں ان کا کوئی حصہ تو نہیں ہوگا، تاہم اخلاقاً ان کا حل نکالتے رہنا چاہئے۔

اور مولانا محمد فخر عالم نعمانی کا خیال یہ ہے کہ وہ رقم جو باہر کام کرنے والے حضرات گھر میں اخراجات کے لئے دیتے ہوں اس میں تو شریک ہوں گے، لیکن جو اپنے پاس رکھتے ہوں اس میں شریک نہیں ہوں گے۔

مولانا محمد یاسر قاسمی کی رائے یہ ہے کہ اگر پہلے سے ایسا کوئی معاہدہ ہو تو شرکت ہوگی، ورنہ نہیں۔

سوال نمبر:۶ والدین کی خدمت صرف بیٹوں پر واجب ہے یا بیٹیوں پر بھی، اور بالخصوص بچیوں کے اپنے سسرال چلے جانے کے بعد بہو کی کیا ذمہ داری ہے؟

اس سوال کے جواب میں تقریباً تمام ہی مقالہ نگار حضرات نے لڑکے اور لڑکیوں دونوں پر خدمت کو واجب قرار دیا ہے، البتہ کفالت کے سلسلہ میں مولانا رضوان الحسن مظاہری، مولانا محمد آصف یاسین نے یہ صراحت کی ہے کہ اگر بیٹیاں مالدار ہوں تو بیٹوں کے ساتھ ساتھ بیٹیوں پر بھی والدین کی کفالت واجب ہے، ورنہ صرف بیٹوں پر۔

Marfat.com

کیا بہو پر گھر کے افراد کی خدمت لازم ہے؟

اس سوال کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ بیٹیاں اگر اپنے سسرال چلی جائیں تو ساس اور سسر کی خدمت کے سلسلہ میں بہو کی کیا ذمہ داری ہے؟

اس بارے میں اکثر حضرات اس کے قائل ہیں کہ ساس، سسر کی خدمت کرنا بہو کی صرف اخلاقی ذمہ داری ہے، قانونی اور شرعی طور پر لازم نہیں ہے، لیکن مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی کہتے ہیں کہ اگر ساس سسر خدمت کے محتاج ہوں تو دیانت کے تقاضے سے خدمت کرنا بہو پر واجب ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: مقالات مولانا اختر امام عادل، مفتی معز الدین قاسمی، افتخار احمد مفتاحی، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی اور مولانا ولی اللہ مجید قاسمی)۔

اس سوال کی دونوں شقوں کے جواب کے ضمن میں متعلقہ نگار حضرات نے مندرجہ دلائل پیش کئے ہیں:

آیات:

۱ -"ووصینا الإنسان بوالدیه حسنا" (سورۂ عنکبوت: ۸)۔

(اور ہم نے انسان کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک اختیار کریں)۔

۲ -"أن اشکر لی ولوالدیک إلیّ المصیر" (سورۂ لقمان: ۱۴)۔

(کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گذاری کیا کر، میری ہی طرف واپسی ہے)۔

۳ -"وقضی ربک ألا تعبدوا إلا إیاہ وبالوالدین إحسانا" (اسراء: ۲۳)۔

(اور تیرے پروردگار نے یہ حکم دے رکھا ہے کہ بجز اسی ایک رب کے اور کسی کی پرستش نہ کرنا اور اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک رکھنا)۔

Marfat.com

احادیث:

۱- "عن جابر بن عبد الله يا رسول الله إن لي مالا وإن لي أبا وله مال وإن أبي يريد أن يأخذ مالي، فقال رسول الله ﷺ: أنت ومالك لأبيك" (ابوداؤد ۱۵۰/۲، کتاب البیوع)۔

(حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول میرے پاس کچھ مال ہے، اور میرے والد ہیں ان کے پاس بھی کچھ مال ہے، اور وہ چاہتے ہیں کہ میرا مال لے لیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے)۔

۲- "لا يجزي ولد والده إلا أن يجده مملوكا فيشتريه، فيعتقه" (مسلم حدیث نمبر: ۱۵۱۰)۔

(کوئی اولاد اپنے والد کے حق کا بدلہ نہیں دے سکتی، مگر یہ کہ اسے مملوک غلام پائے، پھر اسے خرید کر آزاد کردے)۔

عبارات فقہاء:

۱- "يجب على الولد الموسر كبيرا كان أو صغيرا، ذكرا أو انثى نفقة والديه وأجداده وجداته الفقراء......ولا يشارك الولد الموسر أحد في نفقة أصول المحتاجين" (مجموعۂ قدری پاشا دفعہ ۴۰۸) (مقالہ مولانا محمد شاہجہاں ندوی)۔

۲- "ويجبر الولد الموسر على نفقة الأبوين المعسرين" (فتاوی ہندیہ ۵۶۴/۱)۔

۳- "يجب على الابن نفقة خادم الأب إذا احتاج إليه" (الاختیار ۱۱/۴)۔

۴- "وإن استاجر الرجل ابنه ليخدمه في بيته لم يجز، ولا أجر عليه، لأن خدمة الأب مستحقة على الابن دينا، وهو مطالب به عرفا، فلا يأخذ عليه

Marfat.com

أجرا، ويعد من العقوق أن يأخذ الولد الأجر على خدمة أبيه، والعقوق حرام، وكذلك إن استأجرته الأم، لأن خدمتها أوجب عليه، فإنها أحوج إلى ذلك واشفق عليه، وإن كان أحدهما استاجره ليرعيه غنما أو يعمل غير الخدمة جاز، فإن ذلك غير مستحق عليه ولا هو مطلوب فى العرف" (مبسوط ۱۶/ ۱۵۷)۔

۵-"وإن استاجر الابن أمه أوجدته أوجده للخدمة لا يجوز، ولو خدمت فلها المسمى، ويستوى ذلك أن يكون الابن حرا أو عبدا، مسلما أو كافرا؛ لأن خدمة الأب واجبة على ا لابن مع اختلاف الدين" (المحیط البرہانی ۸/ ۴۰)۔

۶-"وإن قالت: لا أطبخ ولا أخبز لا تجبر على الطبخ والخبز، و على الزوج أن يأتيها بطعام مهّيا أو يأتيها بمن يكفيها عمل الطبخ والخبز" (الفتاوی الہندیہ ۱/ ۵۴۸)۔

۷-"ولا يجب عليها خدمته فى الخبز والطحن والطبخ والغسل وغيرها من الخدم، لأن المعقود عليها من جهتها هو الاستمتاع، فلا يلزمها ماسواه" (المہذب للشیرازی ۱۵/ ۵۸۱، المغنی ۷/ ۲۱)۔

۸-"ولكن الأولى لها فعل ماجرت العادة بقيامها به، لأن العادة ولا تصلح الحال إلا به، ولا تنتظم المعيشة بدونه" (المغنی ۷/ ۲۱)۔

۹-"وكذا إذا كان له ابن وبنت ولا يفضل الذكر على الأنثى فى النفقة لاستوائهما فى سبب الوجوب وهوالولاد......ولوكان له بنت وأخت فالنفقة على البنت، لأن الولادلها" (بدائع ۳/ ۴۴۳)۔

۱۰-"فإذا كان للأب ابن وبنت موسرين قسمت نفقة بينهما بالتسوية" (النفقۃ علی المذاہب الاربعۃ ۴/ ۵۸۸)۔

(مذکورہ بالا دلائل وعبارت کے لئے دیکھئے مقالہ: مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مفتی ارشد فاروقی، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا محمد فخر عالم نعمانی، مفتی محمد صادق محی الدین)۔

Marfat.com

۷-قریبی رشتہ داروں سے بالخصوص جب گھر تنگ ہو تو گھر کے غیر محرم عورتوں کے لئے پردہ کے کیا احکام ہوں گے؟

اس سوال کے جواب میں ۱۲ مقالہ نگار حضرات کی رائے یہ ہے کہ پردے کے احکام میں کوئی تبدیلی اور سہولت کی گنجائش نہیں ہے، محرم اور غیر محرم کے سلسلہ میں جو اصول حجاب ونقاب کے شریعت نے دیئے ہیں وہ اپنی جگہ مسلم ہیں کوئی اس پر عمل کرے یا نہ کرے، گھر میں آنے والے غیر محرم عزیزوں سے ہمارے گھروں کی خواتین کو پردہ کرنا ضروری ہے، اس رائے کو جن حضرات نے اپنایا ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا رضوان الحسن مظاہری، مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی، مفتی سعید الرحمٰن قاسمی، مولانا محمد یاسر قاسمی، مولانا محمد فخر عالم نعمانی، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا قاضی ذکاء اللہ شبلی، مفتی محمد صادق محی الدین، مفتی عبد اللطیف پالنپوری، مفتی عبد القیوم پالنپوری)۔

اس مسئلہ کے لئے حضرات مقالہ نگار نے پردہ کے سلسلہ میں وارد آیات واحادیث کو بنیاد بنایا ہے، مثلاً:

آیات:

۱-"ولا یبدین زینتھن إلا بعولتھن الخ" (سورۂ نور:۳۱)۔

(اور اپنا سنگار ظاہر نہ ہونے دیں، مگر ہاں ان میں سے جو کھلا ہی رہتا ہے)۔

۲-"یایھا النبی قل لأزواجک وبناتک ونساء المؤمنین یدنین علیھن من جلابیبھن" (سورۂ احزاب:۵۹)۔

(اے نبی ﷺ آپ کہہ دیجئے اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور عام ایمان والوں کی عورتوں سے کہ اپنی چادریں اپنے اوپر نیچی کرلیا کریں تھوڑی سی)۔

Marfat.com

احادیث:

۱-"عن عقبة بن عامر أن رسول الله ﷺ قال: إياكم والدخول على النساء، فقال رجل من الأنصار: يا رسول الله أفرأيت الحمو! قال: الحمو الموت" (بخاری ۲/۷۸۷)۔

(حضرت عقبہ بن عامرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم عورتوں کے پاس (تنہائی میں) جانے سے بچو، تو انصار میں سے ایک شخص نے پوچھا کہ حضور ﷺ! دیور کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ دیور تو موت ہی ہے)۔

۲-"لا يخلون رجل بامرأة إلا ذو محرم" (ترمذی ۱/۱۳۹، بخاری)۔

(ہرگز کوئی شخص عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ ہو، سوائے اس کے کہ محرم ہو)۔

۳-"لأن الخوف من الأقارب أكثر، والفتنة منهم أوقع لتمكنهم من الوصول إليها والخلوة بها من غيرنكير عليهم، وعادة الناس المساهلة فيه" (مرقاۃ شرح مشکوۃ ۳/۴۰۹ باب النظر إلی المخطوبۃ)۔

۴-"لا يخلون رجل بامرأة قال: ثالثهما الشيطان" (مشکوۃ باب النظر إلی المخطوبۃ/۲۶۸)۔

عبارات فقہاء:

۱-"اتفق أهل العلم باللغة على أن الأحماء أقارب زوج امرأة كأبيه، وأخيه، وابن أخيه وابن عمه ونحوهم" (فتح الباری ۲/۲۸۹)۔

۲-"وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين الرجال، لا؛ لأنه عورة، بل لخوف الفتنة كمسه، وإن أمن الشهوة" (درمختار)، "والمعنى تمنع من الكشف لخوف أن يرى الرجال وجهها فتقع الفتنة" (ردالمحتار ۲/۷۲، ۷۳، المبسوط ۱۰/۱۵۲، فتح القدیر ۱/۱۸۱)۔

Marfat.com

اس بارے میں اختر امام عادل صاحب کا خیال ہے کہ پردہ واجب ہے، احتیاط کے باوجود اگر سامنا ہو جائے اور کسی قسم کا فتنہ اور شہوت نہ ہو تو ''دفعاً للحرج'' کوئی مضائقہ نہیں ہے (دیکھئے مقالہ: مولانا اختر امام عادل)۔

دوسری رائے:

اس مسئلہ میں دوسری رائے یہ ہے کہ چونکہ چہرہ ہتھیلی اور ٹخنہ سے نیچے کا پردہ نہیں ہے، اس لئے قریبی رشتہ داروں کے سامنے اگر عورتیں آتی ہیں تو اس میں سہولت دی جاسکتی ہے، چونکہ مشترکہ خاندان ہے اور عموم بلوی ہے، تاہم اختلاط اور تنہائی سے ہر حال میں مکمل اجتناب ہو اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔

یہ رائے مندرجہ ذیل حضرات کی ہے:

مفتی مقصود وجیہی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مفتی ظہیر احمد قاسمی، مولانا محمد آصف یاسین اور مفتی ارشد فاروقی۔

ان حضرات نے بھی حرج وتنگی اور نص میں وارد "إلا ما ظهر منها" (سورۂ نور: ۳۱) اور انہیں دلائل سے استدلال کیا ہے جن سے فریق اول نے کیا ہے۔

جبکہ اس مسئلہ میں مفتی معز الدین قاسمی اور مفتی عبد الرحیم قاسمی نے علاحدہ سے کوئی رائے قائم نہیں کی ہے، اور مولانا بہاء الدین ندوی نے اپنی مختصر تحریر بھیجی ہے، تاہم سوالات کے جوابات نہیں دیئے۔

Marfat.com

عرض مسئلہ:

مشترکہ اور جداگانہ خاندانی نظام

مولانا ولی اللہ مجید قاسمی ☆

مشترکہ اور جدگانہ خاندانی نظام کے موضوع پر کل اکیس مقالے موصول ہوئے جس میں سے ایک مقالہ زیراکس صاف نہ ہونے کی وجہ سے عرض میں شامل نہیں ہے۔

مذکورہ موضوع کے پہلے سوال کے جواب میں اکثر مقالہ نگاروں نے لکھا ہے کہ جداگانہ خاندانی نظام بہتر ہے اوران کے دلائل یہ ہیں:

۱- شرعی حدود کی جتنی رعایت جداگانہ خاندانی نظام میں ممکن ہے، اس قدر مشترکہ نظام میں نہیں ہے۔

۲- غیرمحرموں سے پردہ کا عدم اہتمام۔

۳- موروثی جائداد اور ذرائع آمدنی کی تقسیم عمل میں نہیں آتی ہے۔

۴- حساب وغیرہ میں شفافیت نہیں آپاتی، جس کی وجہ سے دوسروں کی حق تلفی ہوتی ہے، اور نزاع کی نوبت آتی ہے، نیز کدورت اور کینہ پروری جنم لیتی ہے۔

۵- کمانے والوں کی تعداد کھانے والوں سے کم ہوتی ہے، اور بہت سے لوگوں میں دوسروں پر انحصار کا مزاج بن جاتا ہے۔

۶- مشترکہ خاندانی نظام جنسی تعلق کے لئے حارج ہے جس کی وجہ سے جنسی ناآسودگی پائی

☆ جامعۃ الفلاح بلریاگنج، اعظم گڑھ۔

Marfat.com

جاتی ہے، نیز بے تکلف اور خوشگوار ازدواجی زندگی گزارنا بھی اس نظام میں مشکل ہے، حالانکہ نگاہ کی حفاظت اور عصمت وعفت کے لئے ضروری ہے کہ مرد اپنی خواہش کے مطابق دن رات کے جس حصے میں چاہے اپنی ضرورت پوری کرلے۔

۷- مشترکہ نظام میں گھر کا سکون درہم برہم ہو جاتا ہے، حالانکہ گھر کو جائے سکون ہونا چاہئے۔

۸- مشترکہ نظام میں فضول خرچی اور لاپرواہی کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے، مالی معاملہ مشترک ہونے کی وجہ سے ہر شخص اسے مال مفت سمجھ کر دل بے رحم کا سلوک کرتا ہے۔

۹- علیحدہ گھر عورت کا حق ہے۔

بیشتر مقالہ نگاروں نے اس موقع پر وہ فقہی عبارتیں نقل کی ہیں جن میں علیحدہ کمرہ یا گھر عورت کا حق قرار دیا گیا ہے۔

۱۰- اللہ کے رسول ﷺ نے ازواج مطہرات کے لئے جداگانہ رہائش اور خورد ونوش کا انتظام فرمایا، حالانکہ ایک ساتھ خورد ونوش میں بچت اور کفایت کا امکان تھا، اسی طرح حضرت علی کو نکاح کے بعد آپ نے علیحدہ گھر میں منتقل کردیا، جو شادی سے پہلے آپ کے ساتھ رہائش پذیر تھے، آپ انہیں اپنے بیٹے کی طرح چاہتے تھے، نیز اپنی چہیتی بیٹی سے ان کا رشتہ کیا تھا۔

۱۱- جدگانہ زندگی بسر کرنے کے باوجود بوڑھے اور خدمت کے محتاج ماں باپ کے تنہا پڑنے کا اندیشہ غلط ہے، کیونکہ محتاج ماں باپ کا نفقہ اولاد پر فرض ہے، عام طور پر مقالہ نگاروں نے اس موقع پر نفقہ سے متعلق فقہی عبارتیں نقل کی ہیں۔

مفتی انور علی اور مولانا محمد مقصود صاحب کی رائے ہے کہ مشترکہ خاندانی نظام میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ بہتر ہے ان کے دلائل یہ ہیں:

۱- یکجائی محنت اور مشترکہ جدوجہد خاندان کو معاشی استحکام عطا کرتی ہے۔

Marfat.com

۲-مشترکہ نظام برصغیر میں ایک معروف چیز ہے، اسے بالکل غیر شرعی اور نا قابل قبول نہیں کہا جاسکتا۔

۳-حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے اجتماعی مفاد کے تحفظ کے لئے اور مستقبل کی تعمیر کے لئے انفرادی مفاد کو نظر انداز کر دیا ہے، جیسا کہ صلح حدیبیہ سے معلوم ہوتا ہے، اسی طرح سے اجتماعیت کا لحاظ رکھتے ہوئے حطیم کو کعبہ میں شامل نہیں کیا گیا، اور اجتماعی حالت کے پیش نظر قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ ذخیرہ بنا کر رکھنے سے منع کیا گیا، اور حالت میں تبدیلی ہو جانے کے بعد اس کی اجازت دی گئی، اسی کے پیش نظر منافقین کے قتل سے باز رہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اجتماعی مفاد اہم ہے، مشترکہ خاندانی نظام میں اجتماعی مفاد کی حفاظت ہوتی ہے اور اس کے ذریعہ بوڑھوں اور بے سہارا لوگوں کی کفالت ہوتی ہے، حضرت جابرؓ نے اپنی چھوٹی بہنوں کی کفالت کی وجہ سے شوہر دیدہ عورت سے نکاح کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس عمل کی تعریف فرمائی۔

مولانا ظہور احمد صاحب کی رائے یہ ہے کہ اگر کسی کو پریشانی نہ ہو تو مشترکہ نظام بہتر ہے اور اگر نزاع پیدا ہو چاہے دو بیویوں کے درمیان یا ساس بہو کے درمیان تو ایسی صورت میں ہر ایک کو علیحدہ رکھا جائے، لیکن اگر والدین بوڑھے ہوں تو ان کو ساتھ رکھنا لازم ہے۔

"إن كان الوالد زمنا أولا يقدر على عقل وللا بن عيال كان على الابن أن يضم الأب إلى عياله وينفق على الكل" (فتاوی قاضی خاں ۱/۲۰۶)، "ولا يخفى أن الأم بمنزلة الأب الزمن؛ لأن الأنوثة بمجردها عجز" (ردالمحتار ۲/۶۷۷، فتاوی دارالعلوم ۸/۴۱۲، ۴۱۷)۔

مولانا محمد یاسر صاحب جو جداگانہ رہائش کو بہتر کہتے ہیں ان کی بھی رائے یہی ہے کہ والدین بوڑھے ہوں تو ان کو ساتھ رکھنا ضروری ہے۔

Marfat.com

مولانا جمیل احمد نذیری کہتے ہیں کہ نہ مشترکہ نظام بہتر ہے اور نہ جداگانہ، بلکہ جس میں سب کے حقوق بہتر طریقے سے ادا ہوں وہی بہتر ہے، لیکن ہوتا یہ ہے کہ علیحدہ ہونے پر سارے حقوق ادا نہیں ہو پاتے، لیکن یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اولادیں جب صاحب اولاد ہو جاتی ہیں تو ساتھ رہنا بجائے مفید ہونے کے مضر ہو جاتا ہے اس موقع پر بٹوارہ ہی بہتر ہوتا ہے۔

دوسرے سوال کے جواب میں مولانا شاہ جہاں ندوی، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا محمد آصف پالنپوری، مفتی سید صادق، مولانا حفیظ الرحمان مدنی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا محمد مقصود، قاضی ذکاء اللہ، مفتی معزالدین کہتے ہیں کہ ہر شخص پر برابر نفقہ واجب نہیں ہوگا بلکہ بچوں کی تعداد کے اعتبار سے خرچ دینا ہوگا، مولانا حفیظ الرحمان مزید کہتے ہیں کہ اس مسئلہ کا تعلق ''باب الشرکۃ'' سے نہیں بلکہ ''باب النفقہ'' سے ہے، یعنی لڑکے باپ کے ساتھ شرکاء کی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ ان کے زیر کفالت رہتے ہیں، مولانا محمد ابرار خاں ندوی کی بھی یہی رائے ہے وہ کہتے ہیں کہ جس کے بچے زیادہ ہوں وہ زیادہ رقم دے، اور اگر وہ متحمل نہ ہو تو دوسرے لوگ دیں اور جب اس کی حالت بہتر ہو جائے تو اپنی رقم واپس لے لیں، اصول یہی ہے، البتہ اس میں عرف کا بھی اعتبار ہوگا کہ جہاں زائد رقم کو قرض سمجھا جاتا ہو وہاں واپسی کا حق ہوگا اور جہاں ایسا عرف نہ ہو وہاں واپسی کا حق نہ ہوگا۔

''إذا لم یکن للأب مال والجد والأم أو الخال أو العم موسر یجبر علی نفقة الصغیر ویرجع بها علی الأب إذا أیسر'' (فتح القدیر ۴/۴۱۹)۔

مولانا عقیل الرحمان قاسمی کہتے ہیں کہ کاروبار مشترک ہو تو ساری کمائی باپ کی ہوگی اور وہ گھر کے تمام افراد پر یکساں خرچ کا ذمہ دار ہوگا، کاروبار جدا ہو تو ہر شخص اپنے اہل وعیال اور معذور والدین کے نفقہ کا ذمہ دار ہوگا، مولانا محمد یاسر قاسمی کی بھی یہی رائے ہے، اور انہوں نے دلیل میں یہ عبارت نقل کی ہے:

Marfat.com

"كذا لواجتمع اخوة يعملون في تركة أبيهم ونمى المال فهو بينهم بالسوية، ولو اختلفوا في العمل والرای"(شامی ۶/ ۲۹۲)۔

مولانا یاسر صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ کاروبار مشترک ہو اور خورد ونوش علیحدہ ہو تو معاہدہ کے مطابق واجب ہوگا، مولانا اختر امام عادل، مفتی انور علی، اور مولانا افتخار احمد کہتے ہیں کہ مشترکہ نظام کی روح اور اس کے مقاصد کا تقاضا ہے کہ سب پر برابر اخراجات عائد کئے جائیں، بچوں کی تعداد کا لحاظ ضروری نہیں ہے، اس لئے کہ اس نظام کی بنیاد باہمی تعاون پر ہے، نیز یہ مسئلہ عرف پر مبنی ہے، مشترکہ نظام کا معروف دستور یہی ہے کہ خاندان کا ہر فرد اپنی حیثیت کے مطابق اس میں حصہ لیتا ہے، مولانا افتخار احمد مفتاحی نے بطور دلیل یہ عبارت نقل کی ہے:

"كما كان للفقير ابنان أحدهما فائق في الغنى والآخر يملك نصابا فهي عليهما بالسوية "خانية" قال مشائخنا هذا لو تفاوتا في اليسار تفاوتا يسيراً، فلو فاحشا يجب التفاوت فيها" (ردالمحتار ۵/ ۳۵۵)۔

مولانا ظہیر احمد کہتے ہیں کہ یہ آپسی رضامندی اور معاہدہ پر موقوف ہے، مولانا جمیل احمد نذیری کہتے ہیں کہ بچوں کی تعداد کے اعتبار سے اخراجات عائد نہ ہوں گے بلکہ جو جتنا کماتا ہو اسی کے اعتبار سے لاکر دے، اگر زیادہ کمانے والے کو اعتراض ہو تو باہم علیحدگی اختیار کرلیں۔

فتاوی خیریہ میں ہے:

"سئل في اخوين سعيهما واحد وعائلتهما واحدة حصلا بسعيهما أموالاً من الموروثي وغيرها والآن يريد أحدهما مفارقة الاخوة ومقاسمة المال مناصفة ويأبى الآخر ...... أجاب نعم ما حصلاه بكسبهما مشترك بينهما" (الفتاوی الخیریہ ۱/ ۱۱۲)۔

تیسرے سوال کے جواب میں بیشتر مقالہ نگاروں نے لکھا ہے کہ ہر ایسا مشترک معاملہ

Marfat.com

جہاں ملکیتیں مخلوط ہوں، اور امتیاز ممکن نہ ہو وہاں تمام شرکاء کا حق برابر مانا جائے گا، اور زیادہ تر لوگوں نے بطور حوالہ شامی کی یہ عبارت نقل کی ہے۔

"زوج امرأة وابنها اجتمعا في دار واحدة وأخذ كل واحد منهما يكتسب علحدة ويجمعان كسبهما ولايعلم التفاوت ولا التساوى ولا التمييز، فأجاب بأنه بينهما على السوية" (ردالمحتار ۳/۳۹۲)۔

مولانا جمیل احمد نذیری نے اس کے ساتھ فتاوی خیریہ کی یہ عبارت بھی نقل کی ہے:

"فإذا كان سعيهم واحد ولم يتميز ماحصله كل واحد منهم بعمله يكون ماجمعوه مشتركا بينهم بالسوية، وان اختلفوا فى العمل والرأى كثرة وصوابا" (فتاوی خیریہ ۲/۱۱۲)۔

مولانا اختر امام عادل صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ یہ ساری آمدنی گھر کے خرچ کے لئے امیر کنبہ کے پاس جمع کی گئی ہو، اور اگر گھر کے خرچ کے علاوہ الگ سے کوئی رقم والد یا بڑے بھائی کے پاس جمع کی گئی اور اس سے کوئی چیز خریدی گئی تو اس میں سب کا حصہ برابر نہ ہوگا، بلکہ جمع شدہ کے لحاظ سے ہر ایک کا حصہ متعین کیا جائے گا، بشرطیکہ جمع کا تناسب معلوم ہو، اس لئے کہ یہ رقم بطور امانت ووکالت جمع کی گئی ہے۔

مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا محمد مقصود، قاضی ذکاء اللہ مفتاحی، مولانا شاہ جہاں ندوی نے لکھا ہے کہ ہبہ اور قرض کی صراحت نہ ہو تو اولاد اپنی رقم کے اعتبار سے شریک ہوگی، اور مولانا ظہیر احمد لکھتے ہیں کہ کاروبار میں سب شریک ہوں مگر کھانے، پینے میں الگ الگ ہوں تو ہر شخص برابر اخراجات لینے کا حقدار ہوگا (فتاوی دار العلوم ۱۳/ ۲۸)۔

چوتھے سوال کے جواب میں بھی اکثر لوگوں کی رائے ہے کہ بچی ہوئی رقم صرف کمانے والے کی ملکیت ہوگی، دوسرے بھائیوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہوگا، اس لئے کہ آمدنی کا یہ حصہ

Marfat.com

مشترکہ نظام کے دائرے سے خارج ہے۔مولانا افتخار احمد مفتاحی نے "للرجال نصیب مما اکتسبوا" (سورہ نساء: ۳۲) سے استدلال کیا ہے، مولانا ابرار خاں ندوی نے کویت سے جاری اسی طرح کے ایک فتوے کو بنیاد بنایا ہے، مفتی ظہیر احمد صاحب نے فتاوی دارالعلوم دیوبند ۱۳/ ۴۷ کا حوالہ دیا ہے، مولانا شاہ جہاں ندوی صاحب نے یہ دلیل پیش کی ہے:

(الف): "كل أحد أحق بماله من والده وولده والناس أجمعين" (السنن الکبریٰ للبیہقی ۷/ ۹۰، السنن للدار قطنی ۴/ ۵۶۸، السنن السعید بن منصور ۲۲۹۳، حدیث مرسل ہے)۔

(ب): "ان زيداً يسكن مع أبيه عمرواً فى بيت واحد ويعيش من طعام أبيه وقد كسب مالا آخر، فليس لإخوانه بعد وفاة أبيه ادخال ما كسبه زيد فى الشركة" (درر الحکام ۳/ ۴۴۵)۔

مفتی انور اور مفتی معز الدین صاحب لکھتے ہیں کہ اشتراک کے وقت معاملہ صاف ہونا چاہئے، اگر معاہدہ پوری آمدنی کے دینے کا ہے تو بغیر بتائے کچھ بچا کر رکھنا خیانت ہے، اور بچی ہوئی رقم میں سب حصہ دار ہیں، اور اگر ایسا کوئی معاہدہ نہیں ہے تو وہ بچی ہوئی رقم کا خود مالک ہوگا، مفتی معز الدین صاحب نے یہ عبارت نقل کی ہے:

"اختلف قول العلماء فى عمل المرأة مع زوجها إذا اجتمع بعملهما أموالاً كثيرة، فقيل للزوج: وتكون المرأة معينة له، إلا إذا كان لها كسب على حدة فهو لها" (الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید ۵/ ۵۲)۔

مولانا جمیل احمد نذیری اور مولانا حفیظ الرحمان مدنی لکھتے ہیں کہ اگر کھانا پینا ایک ساتھ ہو اور سب مل کر اپنی بساط کے بقدر گھر چلا رہے ہوں تو بچا کر رکھنے کی گنجائش نہیں ہے، اور اگر الگ ہوں تو کمانے والے کی ملکیت ہوگی۔

"لو اجتمع اخوة يعملون فى تركة أبيهم ونمى المال، فهو بينهم سوية

Marfat.com

ولو اختلفوا فی العمل والرای" (ردالمحتار ۴۸۳/۳)۔

مولانا حفیظ الرحمان مدنی نے یہ حدیث بھی نقل کی ہے:

"کل أحد أحق بماله من والده وولده والناس أجمعين" (سنن کبری ۷/۹۰)۔

پانچویں سوال کے جواب میں بعض لوگوں نے بغیر کسی تفصیل کے لکھا ہے کہ کھانے والے کی آمدنی میں گھر کا کام کرنے والے بھی برابر کے حقدار ہوں گے، اس لیے کہ گھر کا کام دیکھنے والے نے ایک ذمہ داری سنبھال کر دوسروں کو کمانے کے لئے فارغ کردیا ہے، ان کے اسماء گرامی یہ ہیں: مفتی انور علی، حفیظ الرحمان مدنی، سید صادق، مفتی عبدالرحیم، ظہیر احمد، محمد مقصود، معزالدین، افتخار احمد، آخرالذکر نے شامی کی اس عبارت سے استدلال کیا ہے۔

"کذا لو اجتمع اخوة يعملون فی ترکة أبيهم ......" (ردالمحتار ۶/۵۰۲)۔

مولانا محمد یاسر صاحب لکھتے ہیں کہ کام دیکھنے والے اگر کام کرنے والوں کے حکم سے یا آپسی معاہدہ سے کام دیکھتے ہو تو آپسی معاہدہ اور تناصر کی بنیاد پر ایک دوسرے کے برابر شریک ہوں گے ورنہ نہیں۔

مولانا اختر امام عادل، مولانا عبداللطیف پالنپوری کی رائے ہے کہ مشترکہ کاروبار ہونے کی صورت میں گھر دیکھنے والوں کا برابر حصہ ہوگا، اور مشترکہ نہ ہونے کی صورت میں جو رقم گھر کے خرچ کے لئے دی گئی ہے، اس میں سب برابر کے شریک ہوں گے، اور جو رقم کمانے والوں نے اپنے پاس رکھ لی ہے، اس میں دیگر حضرات کا حصہ دار ہونا بہت مشکل ہے، مولانا اختر امام عادل نے حوالے کے طور پر شامی کی مذکورہ عبارت نقل کی ہے۔

مولانا جمیل احمد نذیری لکھتے ہیں کہ سب ایک ساتھ کھاتے پیتے ہوں تو کمانے والے کی آمدنی سے بنائی ہوئی زمین وجائداد میں گھر کا کام کرنے والے برابر کے حقدار ہوں گے۔

Marfat.com

"سئل فی اخوة أربعة تلقوا عن أبيهم تركة فأخذوا فی الاكتساب والعمل فيها جملة كل على قدر استطاعة، هل تكون جميع التركة وما حصلوا بالاكتساب بينهم سوية؛ ...... أجاب نعم" (الفتاوی الخیریۃ ۱/ ۱۱۲)۔ اور مولانا شاہ جہاں ندوی لکھتے ہیں کہ متروکہ یا مشترکہ مال سے کاروبار کرنے کی صورت میں سب برابر کے حقدار ہوں گے۔

"كذلك لو كان اخوة أربعة فی عائلة واحدة وسعوا فی تكثير وتنمية الأموال الموروثة عن أبيهم فتقسم الأقسام بينهم بالسوية ولاينظر إلى اختلاف عملهم" (درر الحکام ۳/ ۴۴۹)۔

مولانا ذکاء اللہ، مولانا محمد آصف، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا شاہ جہاں ندوی (کاروبار مشترک نہ ہونے کی صورت میں) لکھتے ہیں کہ کمانے والے افراد کی آمدنی میں گھر کا کام دیکھنے والوں کا کوئی حصہ نہیں ہے، مولانا محمد ابرار اور مولانا شاہ جہاں یہ بھی کہتے ہیں کہ بہتر ہوگا کہ جو افراد گھریلو کام میں مصروف رہتے ہیں ان کی اجرت طے کردی جائے، مولانا شاہ جہاں ندوی نے یہ عبارت نقل کی:

"فإذا كان الأب مزارعا والابن صانع الأحذية فكسب الأب من المزارعة والابن من صنعة الحذاء، فكسب كل واحد منهما لنفسه، فليس للأب المداخلة فی كسب ابنه لكونه فی عياله" (درر الحکام ۳/ ۴۴۵)۔

مولانا عقیل الرحمان صاحب لکھتے ہیں کہ اگر کسی نے گھر کے دوسرے افراد کے تعاون سے اپنا ذریعہ معاش اختیار کیا ہو، تعاون خواہ مالی ہو یا اخلاقی تو اس آمدنی میں گھر کے تمام لوگ شریک ہوں گے، اور اگر کمانے والے نے اپنا ذریعہ معاش از خود اختیار کیا ہو تو وہ آمدنی مشترک نہ ہوگی۔

Marfat.com

"كذا لو اجتمع اخوة يعملون فى تركة أبيهم ......" (حوالہ سابق)۔

والدین کی خدمت وکفالت بیٹیوں پر واجب ہے یا بیٹوں پر بھی؟ اس سوال کے جواب میں تمام مقالہ نگاروں نے لکھا ہے کہ والدین کی خدمت وکفالت بیٹوں کے ساتھ بیٹیوں پر بھی واجب ہے، اور دلیل کے طور پر نفقہ سے متعلق فقہی عبارتیں نقل کی گئی ہیں۔

اور مولانا اختر امام عادل نے یہ عبارت نقل کی ہے:

"ولو أبوها ...... زمنا فاحتاجها فعليها تعاهده، ولو كان كافراً، وإن أبى الزوج (فتح، ردمختار) إلى مريضا فرضيا طويلا، وهذا إذا لم يكن من يقوم عليه؛ لأن ذلك من المصاحبة بالمعروف المامور بها ...... لرجحان حق الوالد" (ردالمحتار ۲۵۷/۵، ط: دیوبند)۔

بہو پر ساس، سسر کی خدمت واجب ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں زیادہ تر لوگوں نے لکھا ہے کہ قضاءً بہو پر خدمت واجب نہیں ہے یہاں تک کہ قانونی طور پر جس شخص کی وہ بیوی ہے وہ بھی اپنی خدمت کے لئے اسے مجبور نہیں کرسکتا ہے۔ دلیل کے طور پر وہ فقہی عبارتیں نقل کی گئی ہیں جن میں عورت کے نفقہ کا حکم ہے، البتہ اخلاقی طور پر بہو کو ساس وغیرہ کی خدمت انجام دینی چاہئے، مولانا اختر امام عادل کہتے ہیں کہ یہ سارا معاملہ اخلاقی ہے، اسی بنیاد پر "المعروف کالمشروط" کے اصول پر ساس، سسر کی خدمت اور دیکھ بھال کا بار بہو پر ڈالا جاسکتا ہے، مولانا جمیل احمد نذیری لکھتے ہیں کہ صلہ رحمی سے متعلق احادیث کی روشنی میں اس کے لئے خدمت مستحب ہے، لیکن بہو کے علاوہ کوئی اور موجود نہ ہو اور والدین کی ہلاکت کا اندیشہ ہو تو خدمت واجب ہے، قاضی ذکاء اللہ مفتاحی اور مولانا محمد یاسر قاسمی لکھتے ہیں کہ بہو پر خدمت نہ قضاءً واجب ہے اور نہ دیانۃً، البتہ اگر شوہر بیوی کو حکم دے تو شوہر کی اطاعت واجب ہوگی، مولانا یاسر صاحب نے یہ عبارت نقل کی ہے۔

Marfat.com

"وحقه عليها أن تطيعه فى كل مباح يأمرها به ...... ظاهره أنه عند الأمر به منه يكون واجبا عليها كأمر السلطان الرعية به" (رد ۴/۳۸۸)۔

مولانا محمد مقصود صاحب اور راقم نے لکھا ہے کہ والدین کی خدمت بیٹیوں پر بھی واجب ہے اور بہو پر بھی، اس لئے کہ جس ماحول اور معاشرہ میں قرآن نازل ہے وہاں کا عرف رواج یہی تھا کہ عورتیں شوہر سے متعلق اس کے گھر کے کام کو انجام دیا کرتی تھیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ولهن مثل الذى عليهن بالمعروف" (البقرة:۲۲۸)، "وعاشروهن بالمعروف" اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت کے لئے شوہر کی اطاعت فرض ہے، یہ بڑی عجیب بات ہوگی کہ شوہر دن بھر رزق کی تلاش میں سرگرداں رہے اور شام کو پکا ہوا کھانا ساتھ میں ہوٹل سے لائے یا خود ہی آ کر پکائے اور عورت کو کھلائے، اور وہ دن بھر گھر میں بیکار بیٹھی رہے، جنسی فائدہ اٹھانے میں مرد و عورت برابر کے شریک ہیں، لہٰذا اس کی وجہ سے تمام تر ذمہ داری مرد پر ڈال دینا کسی بھی حیثیت سے درست نہیں ہے۔

ساتویں سوال کے جواب میں بھی تقریباً تمام ہی لوگوں نے لکھا ہے کہ غیر محرم رشتہ داروں سے پردہ واجب ہے اور اس میں چہرہ چھپانا بھی شامل ہے، اسی طرح سے بیشتر لوگوں کی رائے ہے کہ مشترکہ خاندانی نظام میں بھی اس کی رعایت ضروری ہے...... اس کے برخلاف مولانا اختر امام عادل، مفتی انور علی، مولانا محمد آصف، مولانا شاہ جہاں ندوی اور راقم کی رائے ہے کہ مشترکہ خاندانی نظام میں مجبوری کی وجہ سے جبکہ فتنہ کا اندیشہ ہو نہ ہو چہرہ کھولنے کی اجازت ہے، اور مولانا محمد مقصود صاحب لکھتے ہیں کہ شریعت مطہرہ نے چہرہ وغیرہ کو پردہ میں شامل نہیں کیا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

Marfat.com

دوسرا باب

تفصیلی مقالات

Marfat.com

Marfat.com

مشترکہ خاندانی نظام اور اس کے مسائل

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ☆

مسلمانوں کے مسائل مجموعی طور پر دو نوعیتوں کے ہیں، ایک تو ان کے دین سے تعلق رکھنے والے ہیں، ان میں ان کا پرسنل لا ہے، اور عبادات اور واجبات دینی پر عمل ہے، تو اس کے لئے دستور ہند میں اجازت ہے، اس اجازت کے حوالہ سے ہم کو حکومت سے جو حاصل کرنا ہو اس کا مطالبہ ہم حکومت سے کریں، اور دستور کا حوالہ دے کر جمہوری طریقہ سے اصرار کا مؤثر ذریعہ استعمال کریں، اس کے لئے افہام وتفہیم سے کام لینے کی جو مؤثر کوشش ہوسکتی ہے اختیار کریں، لیکن عبادات اور واجبات دینی کا بڑا تعلق خود اپنے عمل سے ہے۔ اپنے دین پر عمل کرنے والے کے لئے عموماً رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑتا، اپنے پرسنل لا پر عمل کرنے میں غیروں کی طرف سے عموماً رکاوٹ نہیں ہوتی، کچھ رکاوٹ ہو تو افہام وتفہیم اور دستور کے حوالہ سے عدالتی اور جمہوری ذرائع سے کام لیا جاسکتا ہے۔

اور جہاں تک ملکی معاملات اور سماجی مسائل کا تعلق ہے تو وہ بڑی حد تک تو خود اپنے ملی ذرائع سے حل کئے جاسکتے ہیں، مثلاً دار القضاء کا ذریعہ ہے اور اصل بات تو یہ ہے کہ شریعت اسلامی کی خود سے پاسداری کرنا ہے، لیکن اگر مسلمان شرعی احکام کے سلسلہ میں خود غیروں کی مدد کا خواہاں ہو تو ایسے میں کیا کیا جاسکتا ہے؟ یہ تو اسلامی شریعت کو ماننے سے گریز کی علامت ہے، جس کا علاج ملت اسلامیہ کے پاس کیا ہوسکتا ہے؟ اس کا مسئلہ خدا کے سامنے جواب دہی کا ہے،

☆ صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، وناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

Marfat.com

آخرت میں اس کو اس کا سامنا کرنا ہوگا، البتہ اس سلسلہ میں ملت کے دانشور اور ملی ادارے ایسی ایسی تدابیر اختیار کرسکتے ہیں جو ان مسائل میں مسلمانوں کے لئے حل نکالنے کا انتظام کرتے ہوں، اور ان کی رہنمائی کرتے ہوں اور دنیا میں ایسا ہوتا ہے کہ غیر حکومتی ادارے ملک وملت کے بہت سے مسائل کو حل کرلیتے ہیں، اور اس طریقہ سے بہت حد تک کام چل جاتا ہے۔

تمام مذاہب میں اسلام کا یہ نمایاں امتیاز اور اس کی بنیادی خصوصیت ہے کہ اس نے ایک مکمل نظام زندگی پیش کیا ہے، دین کا دائرہ صرف ان مظاہر ومعاملات تک محدود نہیں رکھا جن کو عام مروجہ اصطلاح میں مذہبی سمجھا جاتا ہے، اور اس کا ایک خانہ متعین کردیا جاتا ہے، بلکہ اس کا دائرہ بہت وسیع رکھا ہے، اس میں زندگی کے ہر شعبہ کو سمیٹتے ہوئے زندگی کے ایک ایک لمحے کے لئے اور ہر قسم کے مسائل کے لئے اسلامی تعلیمات موجود ہیں، اور اصول وضوابط متعین کئے گئے ہیں، کوئی مسلمان ان سے آزاد رہ کر پورا مسلمان نہیں رہ سکتا، اسی کو اللہ تعالی نے قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا ہے: "یا أیها الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافة" (سورہ بقرہ:۲۰۸) (اے ایمان والو! دین میں پورے پورے داخل ہو جاؤ)۔ قابل غور بات یہ ہے کہ خطاب ان لوگوں سے کیا جارہا ہے جو صاحب ایمان ہیں، اس سے صاف ظاہر ہوجاتا ہے کہ یہاں اصل مسئلہ یہ ہے کہ جو لوگ ایمان والے کہلاتے ہیں، ان کو توجہ دلائی جارہی ہے کہ وہ پورے دین کو اختیار کریں اور دین کو چند رسوم وعبادات تک محدود نہ سمجھیں، یہ ایک بڑی اہم اور اصولی بات ہے کہ دین کو خانوں میں تقسیم نہ کیا جائے؛ بلکہ ہر مسلمان کو یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ وہ اپنے کسی بھی معاملے میں آزاد نہیں ہے، بلکہ دین وشریعت کا پابند ہے۔

اجتماعی زندگی کو اسلام میں خاص اہمیت حاصل ہے، اور عائلی زندگی اسی اجتماعی زندگی کا ایک ایسا پہلو ہے جس سے کم وبیش سب کو سابقہ پڑتا ہے، اسلام میں اس عائلی زندگی کے لئے بڑی تفصیلات موجود ہیں، قرآن وحدیث میں اس کو جگہ جگہ واضح کیا گیا ہے، اس میں شبہ نہیں ہے کہ دوسرے مذاہب اور فلسفوں میں بھی عائلی زندگی کا نظام پیش کیا گیا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ وہ

Marfat.com

خودساختہ نظام ہے، جہاں انسان نے جگہ جگہ ٹھوکر کھائی ہے، موجودہ مذاہب کی ان کتابوں میں جو مقدس کہلاتی ہیں اوران کو آسمانی کتابیں کہا جاتا ہے، عائلی زندگی کے بارے میں ہم کو موٹی موٹی باتیں بھی نہیں ملتیں۔ یہ وہ آسمانی کتابیں ہیں جن پر انسانی ہاتھوں نے بڑی بے دردی کے ساتھ عمل جراحی کیا ہے، انسانوں نے خود اپنے لئے جو نظام زندگی اختیار کیا ہے اس میں جگہ جگہ فطرت سے انحراف پایا جاتا ہے۔ یہ صرف اسلام کی خصوصیت ہے کہ اس کی تعلیمات وہدایات من وعن باقی ہیں، اور قیامت تک باقی رہیں گی۔ یہ اس خدائے حکیم وخبیر کی طرف سے دی گئی ہدایات ہیں، جو انسان کا خالق اور فطرت انسانی سے پوری طرح باخبر ہے: "ألا يعلم من خلق وهو اللطيف الخبير" (سورہ الملک:۱۴) (کیا وہی نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے، جبکہ وہ بہت لطف کا معاملہ کرنے والا اور بہت باریک بیں ہے)۔

عائلی زندگی کے لئے دی گئی ہدایات میں جن باریکیوں کا لحاظ کیا گیا ہے، ان سے خود اس کی حقانیت ظاہر ہوتی ہے جس کا عملی نمونہ رسول اکرم ﷺ کی مبارک زندگی، اور آپ ﷺ کے شب وروز ہیں، آپ جیسا انسان کامل نہ اس دنیا نے دیکھا ہے اور نہ دیکھ سکے گی۔ آپ ﷺ نے شادیاں بھی کیں، آپ کی اولادیں بھی ہوئیں، آپ کا گھر والوں کے ساتھ کیا برتاؤ تھا؟ اور اس سلسلے میں آپ ﷺ نے کیا ہدایات دیں؟ حدیث وسیرت میں اس کا پورا دفتر موجود ہے، جس سے عقائد وعبادات کے ساتھ معاملات ومعاشرت کا توازن نظر آتا ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو گھر والوں کے لئے بہتر ہو، اور میں تم میں سب سے زیادہ اپنے گھر والوں کے لئے بہتر ہوں۔

گھر کے کام کاج میں آپ ﷺ بنفس نفیس شریک ہوتے، اور مزاح بھی فرماتے، ہنسی خوشی کے موقع پر اس کا اظہار فرماتے اور گھل مل کر رہتے، البتہ کوئی خلاف دین بات سامنے آجاتی تو سخت ناراض ہوتے، اور سختی سے روک دیتے۔ حضرات حسن وحسین رضی اللہ عنہما سے آپ ﷺ کو بڑی محبت تھی، ایک مرتبہ خطبہ دیتے ہوئے وہ سامنے آگئے تو آپ منبر سے اتر

Marfat.com

پڑے اور گود میں اٹھایا، حضرت فاطمہؓ سے آپ کو بڑی محبت تھی، سفر سے واپس تشریف لے آتے تو پہلے ان کے گھر تشریف لے جاتے، لیکن ایک مرتبہ انہوں نے حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو کنگن پہنا دیئے تو آپ ﷺ بہت ناراض ہوئے۔ یہ ساری چیزیں نمونے کی ہیں کہ ایک انسان کس طرح زندگی گزارے اور گھر والوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرے؟ ایک صحابی کو خطاب کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: "ولیسعک بیتک" (تمہیں تمہارا گھر اچھا لگے)۔

نکاح کا طریقہ کیا ہے؟ کس طرح اس میں سادگی اختیار کی جائے، فضول خرچی سے بچا جائے، اس کے آداب کیا ہیں؟ احادیث میں اس کی تفصیلات موجود ہیں، ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اے نوجوانو! تم میں جو بھی خرچ وغیرہ کا انتظام کرسکتا ہو اس کو شادی کرلینی چاہئے، اور اگر ممکن نہ ہو تو روزے رکھے، اس سے شہوت ٹوٹے گی۔ آج معاشرے کے بگاڑ کا بنیادی سبب یہی ہے کہ شادیوں میں تاخیر کی جاتی ہے، بے حیائیاں بڑھتی چلی جارہی ہیں، اور شادیوں میں تاخیر کی ایک بڑی وجہ اس میں بے جا اسراف ہے، جبکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "أعظم النكاح بركة أيسرها مؤونة" (کہ سب سے زیادہ بابرکت نکاح وہ ہے جس میں کم سے کم خرچ ہو)۔

گھر میں اگر کبھی جھگڑے کی نوبت آجائے تو کیا حکمت عملی اختیار کی جائے؟ آج کی صورت حال یہ ہے کہ غصہ آیا اور طلاق دیدی، اور تعداد میں بھی حدود شریعت کا کوئی پاس نہیں، حالانکہ اس کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے خود صلح صفائی کی کوشش کرے، ممکن نہ ہوسکے تو ثالثی کرائے، اس سے بھی بات نہ بنے تو پہلے بستر الگ کرے، اس سے بھی مسئلہ حل نہ ہو، اور سوائے طلاق کے اور کوئی حل باقی نہ رہ جائے تو شرعی طلاق دے، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک طلاق ایک طہر میں دے، عدت گزر جانے دے، طلاق پڑ گئی، تین طلاقیں دینے کی عام طور پر کوئی ضرورت نہیں ہے، یہ محض لاعلمی، جہالت اور غصہ میں بے قابو ہوجانے کا نتیجہ ہوتا ہے۔

بچوں کی تعلیم وتربیت کی فکر ہمارے عائلی نظام کا اہم ترین حصہ ہے، شروع سے اس کی فکر نہ کی جائے تو یہی بچے آگے چل کر ہاتھ سے نکل جاتے ہیں، اور ماں باپ کے لئے بعض مرتبہ

Marfat.com

مصیبت بن جاتے ہیں، اگر شروع سے ہی فکر رکھی جائے تو ان کی اچھی اٹھان ہوتی ہے، حدیث میں آیا ہے کہ بچے سات سال کے ہو جائیں تو نماز کے لئے کہو، اور عادت ڈلواؤ، دس سال کے ہو جائیں اور ضرورت پڑے تو مارو، لیکن مارنے اور تنبیہ کرنے میں بھی اعتدال کی تعلیم دی گئی ہے۔

ماں باپ کا کیا حق ہے؟ اس کی تاکید خود قرآن مجید میں جا بجا ہے، اللہ کے حق کے بعد والدین کے حق کا ذکر ہے، یہاں تک کہا گیا کہ اگر وہ مشرک ہوں تو بھی حسن سلوک کئے جاؤ، بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو وہ تمہاری جنت ہیں یا جہنم، اگر تابعداری اور سلوک کرو گے تو جنت ہیں اور اگر بدسلوکی کی تو جہنم میں پہنچنے کا ذریعہ ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ عائلی زندگی کی تفصیلات یہاں تک موجود ہیں کہ خادم اور ملازمہ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے؟ اس وقت اس کی بڑی ضرورت ہے کہ مسلمان اس کی طرف توجہ کریں، تاکہ گھروں کا نظام اسلامی بنایا جاسکے، اور اس کے نتیجے میں ہمارا معاشرہ درست ہو۔

حضرات! اللہ تعالی نے ''سورۂ نساء'' کی پہلی آیت میں انسانوں کے ازدواجی نظام کی حکمت و مصلحت کی طرف توجہ کرتے ہوئے اس کے تقاضے کو سمجھنے اور ذمہ داری کے ساتھ پورا کرنے کی ہدایت کی ہے، اور عائلی زندگی کے تعلق سے رب العالمین کے احکام کی پیروی میں مخلصانہ طرز عمل اختیار کرنے کی تاکید کی ہے، اور بتایا ہے کہ انسان کی تخلیق جو اس نے حضرت آدم علیہ السلام سے کی ہے، پھر ان سے ان کا جوڑا پیدا کر کے دونوں کے تعلق کو نسل انسانی کا سلسلہ قائم ہونے کا ذریعہ بنا دیا، اور اس طرح مرد و عورت کا انسانی جوڑا بنتے رہنے سے انسانی نسل کی افزائش کا سلسلہ قائم فرما دیا، لیکن انسانوں کو پابند بنایا کہ مرد و عورت کے تعلق سے جو مسائل پیدا ہوتے ہیں ان کو پروردگار عالم جو کہ ہر چیز سے باخبر ہے، اس کے بتائے ہوئے طریقے سے حل کرنا چاہئے، اور یہ کہ یہ صرف ایک نصیحت نہیں، بلکہ واجب التعمیل حکم ہے، فرمایا: ''یاأیها الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدة وخلق منها زوجها وبث منهما رجالاً

Marfat.com

كثيراً ونساءاً واتقوا الله الذى تساءلون به والأرحام إن الله كان عليكم رقيباً“ (سورہ نساء:۱) (اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا، اور اس جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا، اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں، اور تم خدا تعالی سے ڈرو جس کے نام سے ایک دوسرے سے سوال کیا کرتے ہو اور قرابت سے بھی ڈرو، بالیقین اللہ تعالی تم سب کی اطلاع رکھتے ہیں)۔

اگر مسلمان ان ہدایات کا خیال رکھیں، اور خاص طور پر پروردگار کی طرف سے دی گئی تاکید کو سامنے رکھتے ہوئے لحاظ اور پابندی کریں تو ازدواجی زندگی میں جو کشمکش، ظلم اور حق تلفی کے واقعات سامنے آتے ہیں، وہ پیش نہ آئیں، یہ پریشانیوں کا سلسلہ جو ہر جگہ نظر آتا ہے، کبھی اس کو عورت کے ساتھ مرد کی زیادتی کے رنگ میں دیکھا جاتا ہے، اور کبھی بیوی کی طرف سے شوہر کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کی شکل میں دیکھا جاتا ہے، اور پھر دونوں میں سے ہر ایک کو دوسرے سے شکایات ہوتی ہیں، جو معاشرتی زندگی کے امن وعافیت کو سخت نقصان پہنچاتی ہیں، یہ چیزیں تقریباً پیش نہ آئیں۔

پہلی بات یہ ہے جو آیت کی رو سے ہمارے سامنے واضح ہوتی ہے کہ مسلمانوں کو اپنے ہر عمل میں اللہ تعالی کا ڈر اور اس کی ناراضگی سے بچنے کا پورا لحاظ ہو، اور وہ ایسے سارے کاموں میں جن میں اللہ تعالی کا حکم صاف طریقے سے موجود ہے، پھونک پھونک کر قدم رکھیں، تقوی کا یہی مطلب بتایا گیا ہے، اور عقد نکاح کے آغاز سے مقررہ احتیاط ولحاظ سے عمل کیا جائے گا، تو بہتر زندگی اور ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کی راہ ہموار ہو جائے گی۔

اس کیفیت کے پیدا کرنے کے لئے اولین عمل یہ ہوگا کہ زوجین کے انتخاب کے مرحلہ سے ہی اسلامی تعلیمات پر عمل کیا جائے اور جب دونوں کو تاحیات رفاقت کی زندگی گزارنا ہے تو یہ ضروری ہے کہ دونوں کے مزاج اور تصورات میں ضروری حد تک ہم آہنگی ہو، جیسے کوئی شخص جب کسی کو دوست بناتا ہے تو ایسے کو بناتا ہے جس سے اس کی بڑی حد تک ہم آہنگی ہو، اس ہم

Marfat.com

آہنگی سے ایک دوسرے کے درمیان انس پیدا ہوتا ہے اور شریعت میں اس کی اچھی رہنمائی کی گئی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ نکاح چار وجوہ سے کیا جاتا ہے، عورت کے حسن و جمال کو دیکھ کر، اس کی خوشحالی کو دیکھ کر، حسب و نسب کو دیکھ کر اور دینداری کو دیکھ کر۔ دینداری کا مطلب ہے اللہ تعالی کی رضامندی اور ناراضگی کا لحاظ رکھنے کی صفت۔ اور حضور ﷺ نے اس سلسلہ میں مختلف وجوہ میں سے دین والے پہلو کو ترجیح دینے کا مشورہ عطا فرمایا۔ ظاہر ہے کہ جب دین کا خیال ہوگا، اللہ کی رضامندی اور ناراضگی کا خیال ہوگا تو دونوں طرف سے حقوق کی ادائیگی کا خیال رکھا جائے گا اور اس سے آپس میں ہم آہنگی اور انس کی کیفیت وفضا پیدا ہوتی رہے گی، اور کسی مسئلہ میں شکایت یا کمی کا احساس ہوگا تو وہ اللہ تعالی کی رضا کی طلب میں آپس کی بات چیت سے حل کرلیا جائے گا۔

لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ہمارے مسلم معاشرہ میں نکاح کے سلسلہ میں اللہ تعالی کی رضامندی اور ناراضگی کو سوچنے کا رواج ہی ختم ہوگیا ہے، اور نکاح کو صرف لطف ولذت اور زندگی کی مادی ضرورت کی حد تک محدود کردیا گیا ہے، چنانچہ ذرا ذرا سی بات پر شکایت کا موقع نکلتا ہے اور وہ بڑھ کر مصیبت بن جاتا ہے۔ اگر اس میں سنت رسول اللہ ﷺ اور شرعی حکم کی پابندی کی جائے تو مسائل کے سنگین بننے کا خطرہ ہی نہ رہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ بیوی یا شوہر کے انتخاب میں نیک صفت و دینی لحاظ کا خیال نہیں کیا جاتا، صرف مادی فائدہ کو دیکھا جاتا ہے، اور اس میں بھی زیادہ جانچ اور پرکھ کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی، لہذا اکثرت سے دونوں کے درمیان ہم آہنگی کی خصوصیات کے ہونے کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا، پھر رشتہ ازدواج قائم ہوجانے کے بعد اس کے خلاف باتیں بتدریج سامنے آتی ہیں، اور تعلقات خراب ہوکر حالات بہت بگڑ جاتے ہیں، ان کو من مانے طریقے سے حل کرنے کی کوشش ہوتی ہے، لہذا معاملہ اور بگڑ جاتا ہے۔ لہذا ضرورت ہے کہ عقد نکاح میں اولاً شریعت کی پابندی کو پیش نظر رکھا جائے اور زوجین کے انتخاب میں پوری سوجھ بوجھ اور مناسب انتخاب

Marfat.com

سے کام لیا جائے، دونوں میں مناسبت اور ہم آہنگی کے حاصل ہونے کا پہلے سے صحیح اندازہ کرلیا جائے، تاکہ انتخاب صحیح ہو، اور دونوں کی رفاقت کا انداز قابل اطمینان اور راحت پہنچانے والا اور عافیت وانس ومحبت لانے والا ثابت ہو، لہذا نکاح کے تقاضے کے پیدا ہونے کے وقت زوجین کو پہلی فکر یہ ہو کہ وہ شریعت کے احکام کو اور حضور اکرم ﷺ کی سنت اور ہدایت کو پوری طرح سامنے رکھیں، اور تقوی، یعنی اللہ تعالی کے ڈر اور دین سے تعلق کی صفت کو ترجیح دی جائے تو انشاء اللہ نکاح اور طلاق کے معاملات کے پریشانی کا باعث بننے کا موقع باقی نہ رہے گا۔

عائلی زندگی کی اصلاح امت اسلامیہ کے برگزیدہ امت ہونے کے تعلق سے ایک بہت ضروری عمل ہے، جو امت کے دانشوروں کو اپنا فریضہ سمجھنا چاہئے، کیونکہ اچھا معاشرہ ہی امت کے برگزیدہ امت ہونے کی علامت ہوتا ہے، اسی بات کا لحاظ کرتے ہوئے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اپنی توجہ کا ایک خصوصی حصہ اس میں بھی لگایا ہے، چنانچہ اس کے لئے کمیٹی مقرر ہے، جو ملک میں مسلم معاشرہ کو اس کے معیاری مقام پر لانے کی طرف توجہ دلاتی اور کوشش کرتی ہے، لیکن بورڈ اس کام کو صرف اپنے تک محدود نہیں سمجھتا، بلکہ امت کے مختلف ادارے اور جماعتیں اس کام میں جو دلچسپی لیتی ہیں اس کو اپنا ہی کام سمجھتا اور اس کی قدر کرتا ہے اور ان کو اس خصوصیت کا حقدار بھی سمجھتا ہے۔

مسرت کی بات ہے کہ ''مجمع الفقہ الاسلامی'' (انڈیا) جس کو فقیہ ملت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے بڑے جذبہ کے ساتھ قائم کیا تھا، اور اب ان کے برادر زادۂ محترم مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب زیدت مکارمہ وماثرہ اس کے کام کو آگے بڑھا رہے ہیں، اور نئے قابل غور مسائل کے حل کرنے کے لئے کانفرنس وسمینار کا انعقاد کرتے ہیں، رام پور (اتر پردیش) میں ۵-۷ر مارچ ۲۰۱۱ء کو ایک اہم سمینار کا انعقاد کررہے ہیں، جس کے خصوصی موضوعات ''آبی وسائل اور اس کے شرعی احکام''، ''تفریح اور اس کے جائز حدود''، ''مختلف النوع ملازمتوں کے احکام'' اور ''مشترکہ خاندانی نظام اور اس کے مسائل'' ہیں۔ آخر الذکر موضوع کو میں نے اپنے

Marfat.com

مقالہ کے لئے منتخب کیا، اوراس سلسلہ میں کچھ معروضات پیش کیں۔

آخر میں اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ سمینار کو کامیاب فرمائے اور ان کوششوں کو قبول فرمائے کہ تغیر پذیر دنیا میں نئے نئے مسائل ایسے پیدا ہورہے ہیں جن کے لئے غور وخوض اور مشاورتی میٹنگوں اور سمیناروں کی ضرورت بڑھتی جارہی ہے، یہ ایک مفید کام ہے، جس کی طرف ہمارے فضلاء کو توجہ کرنی چاہئے۔

Marfat.com

مشترکہ اور جداگانہ خاندانی نظام

مفتی حافظ سید صادق محی الدین فہیم☆

اللہ سبحانہ وتعالی نے دنیا کے نظام میں ہر چیز کے جوڑے بنائے ہیں، تاکہ ان کے وجود کو بقا ملے: "ومن کل شئ خلقنا زوجین لعلکم تذکرون" (سورہ الذاریات:٤٩) ساری مخلوقات میں انسان اشرف المخلوقات ہیں، نسل انسانی کی بقا کیلئے یہ نظام فطری طور پر ان کے اندر بھی رکھا گیا ہے، اسی لئے نسل انسانی کی صنف میں مرد وعورت (مذکر ومونث) بنائے گئے ہیں۔ حق سبحانہ وتعالی کے اس تخلیقی نظام کی تکمیل مرد وعورت کے درمیان نکاح کے ذریعہ پوری ہوتی ہے۔ خاندانی نظام کی بنیاد مرد وعورت ہوتے ہیں، اس نظام میں مرد کی حیثیت قوام کی ہے، اسی وجہ سے مرد کو مالی و دیگر بنیادی ضروریات کی تکمیل کا ذمہ دار بنایا گیا ہے: "الرجال قوامون علی النساء" (نساء:٣٤)، اس نظام میں عورت پر خاندان کے گھریلو انتظام وانصرام کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے اور اس کو مرد کیلئے تسکین وراحت کا ذریعہ بنایا گیا ہے: "ومن آیتہ أن خلقکم من أنفسکم أزواجا لتسکنوا إلیھا" (روم:٢١)، ازدواجی رشتہ کی بنیاد پر جب اولاد کی نعمت نصیب ہوتی ہے تو ماں باپ اپنی اولاد کے ساتھ مل کر خاندانی نظام کی تشکیل کرتے ہیں۔ ایک انسان جب اس دنیا میں پیدا ہوتا ہے تو اس کی پیدائش کا ذریعہ وہ وسیلہ چونکہ ماں باپ ہوتے ہیں، اس لئے اس کا رشتہ فطری طور پر ماں باپ سے قائم ہوتا ہے، پھر ماں باپ کے سوا دیگر افراد جیسے بھائی، بہن اور اسی طرح قریب ودور کے کئی ایک افراد سے اس کے رشتہ قائم ہوتے چلے

☆ سوس وصدر نشیں دار القضاء والافتاء للہند، آندھرا پردیش۔

Marfat.com

جاتے ہیں۔ایسے رشتے خونی رشتے کہلاتے ہیں،ان تمام سے مل کر ایک خاندان بنتا ہے،تمدن فطری طور پر انسان کو بخشا گیا ہے،اس لئے وہ اپنے جیسے انسانوں کے ساتھ مل کر معاشرتی زندگی اختیار کرتا ہے،فطری طور پر وہ اپنے جیسے انسانوں سے جدا رہ کر پرسکون زندگی نہیں گزار سکتا ،کیونکہ ہر انسان قدم قدم پر دوسرے انسانوں کی مدد اور ان کے تعاون کا محتاج رہتا ہے جتنی بنیادی ضروریات ہیں ان سب میں بھی ایک انسان کی احتیاج دوسرے سے مربوط رکھی گئی ہے،اس لئے انسانی تمدن خاندان اور معاشرت ہی کے ذریعہ تکمیل پاتا ہے،اور ان مقاصد کی تکمیل اور ان فوائد کی تحصیل کیلئے ضروری نہیں معلوم ہوتا کہ ایک دادا کی ساری اولاد سب کے سب ایک ہی رہائش گاہ میں رہیں،جداگانہ خاندانی نظام پر عمل پیرا ہو کر بھی اسلام کے احکام وقواعد کی روشنی میں حسن معاشرت اختیار کر کے ان مقاصد وفوائد سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ایک دوسرے کے حقوق وفرائض کی ادائیگی اور انسانی سلوک اور آپسی رواداری وسیر چشمی کے ساتھ زندگی گزانے کیلئے نظام خاندانی کی اپنی جگہ بڑی اہمیت ہے۔انسان اور حیوان کے درمیان ایک بڑا فرق خاندان کا بھی ہے،حیوانوں کے درمیان کوئی خاندانی نظام نہیں ہوتا،ان کی نسلی بقاء فطری طور پر توالد وتناسل سے جاری ضرور رہتی ہے،لیکن ان کی نسل جب زندگی کے شعور کو پالیتی ہے تو وہ اپنے ماں باپ وغیرہ سے کسی طرح کا تعلق برقرار نہیں رکھتی،نہ ان کا کوئی خاندان یا قبیلہ بنتا ہے۔

حق سبحانہ وتعالی نے انسانی فطرت میں خاندانی نظام کی برقراری کا شعور بخشا ہے،اب سوال یہ ہے کہ ایک چھت تلے مل جل کر زندگی گزارنے کیلئے خاندان کا دائرہ کار کن افراد تک محدود ہو،خاندانی نظام مشترکہ ہو یا جداگانہ یہ ایک اہم سوال اور عصر حاضر کا سلگتا ہوا موضوع ہے اس پر بڑی دقیق وگہری نظر کے ساتھ غور وفکر کی ضرورت ہے،انسانی نفسیات کے اسلامی ماہرین نے بھی اس موضوع کو تشنہ نہیں چھوڑا،اس پس منظر میں کئی ایک اعتبارات اور مختلف پہلوؤں سے جائزہ لیا جائے تو اسلامی نقطہ نظر سے جداگانہ نظام خاندان کی تائید معلوم ہوتی ہے،خاندان کا

Marfat.com

آغاز چونکہ نکاح کی بنیاد پر مرد وعورت سے ہوتا ہے، اور حق سبحانہ وتعالی نے مرد کو قوام بنایا ہے ،اس لئے قوام ہونے کی نسبت سے شوہر اپنی بیوی کی تمام ضروریات کی تکمیل کا پابند ہوجاتا ہے ۔ان ضروریات میں بنیادی حیثیت کھانے پینے ، پہنے اوڑھنے کے مناسب انتظام کے ساتھ مناسب رہائش کے انتظام کو حاصل ہے، یہ فریضہ شریعت نے مرد پر عائد کیا ہے۔ایک بڑے مکان میں جس کے رہائشی گوشے علحدہ ہوں کئی خاندان مل جل کر اس میں رہ سکتے ہیں جس میں ان کے پکوان وضروریات زندگی کی دیگر سہولتیں ان کے اس گوشہ میں شامل ہوں، چنانچہ ہمارے اسلاف سے اس طرح کی رہائش کا ثبوت ملتا ہے، جیسا کہ اس روایت سے ثابت ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ ان میں سے کسی کے ہاں کوئی مہمان آجاتا تو وہ دوسرے کے ہاں پکی ہوئی ہانڈی اپنے مہمان کیلئے ان کی اجازت کے بغیر اٹھالاتے ،اس درجہ ان کے اندر مودت ومحبت تھی کہ وہ اس پر ناراض ہونے کے بجائے دعا دیتے کہ اللہ سبحانہ وتعالی اس میں تمہارے لئے برکت دے، اسی طرح روٹی وغیرہ کی ضرورت ہوتی تو اسی طرح کا عمل کرتے:

"قال: حدثنا محمد بن زياد قال: أدركت السلف وأنهم ليكونون في المنزل الواحد بأهاليهم، فربما نزل على بعضهم الضيف وقدر أحدهم على النار فيأخذها صاحب الضيف لضيفه فيفقد القدر صاحبها، فيقول من أخذ القدر؛ فيقول صاحب الضيف: نحن أخذناها لضيفنا، فيقول صاحب القدر: بارك الله لكم فيها أو كلمة نحوها، قال بقية وقال محمد: والقبض إذا قبضوا مثل ذلك وليس بينهم الأجدر القصب قال بقية: وأدركت أنا ذلك محمد بن زياد وأصحابه" (الأدب المفرد، باب دالة اہل الاسلام بعضہم علی بعض، ص۱۰۹)۔

اسلام کے نظام معاشرت میں سکنیٰ، یعنی رہائش کی فراہمی بڑی اہمیت رکھتی ہے، بیوی کیلئے رہائش کا انتظام شریعت نے شوہر پر واجب کیا ہے اور یہ حکم فقہاء کے درمیان متفق علیہ ہے، کیونکہ حق سبحانہ وتعالی نے مطلقہ کی رہائش کو اس کے شوہر پر واجب کیا ہے۔ارشاد ہے:

Marfat.com

"أسكنوهن من حيث سكنتم من وجدكم" (الطلاق:۶) تو پھر رشتہ نکاح کے استحکام کے ساتھ برقراری کی صورت میں یہ فریضہ بدرجہ اولی شوہر پر واجب ہوگا۔حق سبحانہ وتعالی نے بیویوں کے ساتھ عرف ودستور کے موافق حسن معاشرت اختیار کرنے کی ہدایت دی ہے: "وعاشروهن بالمعروف" (النساء:۱۹)،عرف کے مطابق یہی بات قابل عمل ہے کہ بیوی کیلئے ایک ایسی رہائش کا انتظام ہو جس میں وہ اپنے جان ومال سے متعلق بالکل مامون اور بے خوف وخطر رہ سکے،کئی ایک اعتبارات سے بیوی انتظام رہائش سے مستغنی نہیں ہے۔اجانب سے ستر وحجاب،متاع حیات سے استفادہ،سامان کی حفاظت وغیرہ جیسے امور اس سے متعلق ہیں (ملخص الموسوعۃ الفقہیہ ۲۵/۱۰۸)، "والسكنى في بيت خال عن أهله وأهلها" (کنز الدقائق)، (ایک ایسا مکان ہو جس میں شوہر اور بیوی کے افراد خاندان میں سے کوئی نہ ہو)۔ "وعلى الزوج أن يسكنها في دار مفردة ليس فيها أحد من أهله، إلا أن تختار ذلك؛ لأن السكنى من كفايتها، فيجب لها كالنفقة، وقد أوجبه الله تعالى مقرونا بالنفقة (مقرونا بالنفقة) في قوله تعالى: "اسكنوهن من حيث سكنتم من وجدكم" (الطلاق۶)، فإن المراد: "وأنفقوا عليهن من وجدكم" كذلك قرأ ابن عباس والسكنى بالملك أو الإجارة أو العارية واجبة إجماعا، وفي قراءة ابن مسعود اسكنوهن .... وإذا وجب السكنى حقا لها، فليس له أن يشرك غيرها فيها؛ لأنها تتضرر به، فإنها لا تأمن على متاعها ويمنعها ذلك من المعاشرة ومن الاستمتاع" (فتح القدیر، کتاب الطلاق، ج۴، ۳۵۷)۔

شوہر پر واجب ہے کہ بیوی کیلئے رہائش کا انتظام کرے ایک ایسے مکان کا جو بیوی کیلئے خاص ہو جس میں اس کے متعلقین میں سے کسی اور کی رہائش نہ ہو، الا یہ کہ بیوی خود اوروں کے ساتھ رہنا پسند کرے، کیونکہ رہائش کا انتظام نفقہ ہی کی طرح واجب ہے۔رہائش کا انتظام مرد پر واجب ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ کسی ذاتی مکان کا انتظام کیا جائے ،اس ضرورت کی تکمیل

Marfat.com

کرایہ وغیرہ کے مکان سے بھی ہو سکتی ہے۔ "والسکنی بالملک أو الإجارة أو العارية واجبة إجماعا" (فتح القدیر، کتاب الطلاق ۳۵۷/۴) ..... "سواء كان ملكا أو إجارة أو عارية" (ردالمحتار ۷۱۹/۲)، رہائش کے اس بنیادی حق میں شوہر اپنی بیوی کی اجازت ومرضی کے بغیر کسی اور کو شریک نہیں کرسکتا، ہاں البتہ بیوی خود اپنے اس حق میں دوسروں کو شریک رکھنے پر رضامند ہو تو یہ ایک الگ بات ہے۔ چنانچہ "ہدایہ" میں ہے: "وإذا وجب حقا ليس له أن يشرك غيرها فيه؛ لأنها تتضرر به، فإنها لا تأمن على متاعها ويمنعها عن المعاشرة مع زوجها ومن الاستمتاع إلا أن تختار ذلك؛ لأنها رضيت بانتقاص حقها" (فتح القدیر، کتاب الطلاق ۳۵۷/۴)، (وكذا تجب لها السكنى في بيت خال عن أهله) سوى طفله الذي لا يفهم الجماع وأمته وأم ولده (وأهلها) ولو ولدها من غيره" (درمختار ۷۱۹/۲)، (قوله بخال عن أهله الخ)، لأنها تتضرر بمشاركة غيرها فيه، لأنها لا تأمن على متاعها ويمنعها ذلك من المعاشرة مع زوجها ومن الاستمتاع إلا أن تختار ذلك، لأنها رضيت بانتقاص حقها" (ہدایہ ۴۲۱/۲)، رہائش جب بیوی کا واجبی حق ہے تو شوہر کو اختیار نہیں کہ اس کے حق میں کسی اور کو شریک کرے، کیونکہ اس میں اس کیلئے نقصان اور ضرر ہے، اس کو اپنے مال واسباب کے سلسلہ میں پوری طرح اطمینان نہیں رہے گا۔ اپنے شوہر کے ساتھ بے تکلف رہنے اور ازدواجی تعلقات قائم کرنے میں موانعات رہیں گی، مگر یہ کہ وہ اپنا حق کم کرتے ہوئے اس طرح اشتراک کے ساتھ رہنے کو پسند کرے۔

شریعت مطہرہ نے شوہر پر اپنی بیوی سے متعلقہ حقوق کی ادائیگی کے وجوب میں شوہر کے معاشی حالات کو مدنظر رکھا ہے جس طرح وہ مطلقہ عورت جس کا مہر مقرر نہ ہوا ہو اس سے صحبت وخلوت صحیحہ کی نوبت بھی نہ آتی ہو تو قرآن پاک نے "ومتعوهن على الموسع قدره وعلى المقتر قدره متاعا بالمعروف حقا على المحسنين" (البقرة:۲۳۶) کے ذریعہ

Marfat.com

صاحب حیثیت کو اپنی حیثیت کے لحاظ سے اور تنگ دست کو اپنی وسعت وگنجائش کے اعتبار سے بطور حسن سلوک عرف ودستور کے مطابق متعہ دینے کی ترغیب دی ہے، اس پر قیاس کرتے ہوئے یہ کہا جائے گا کہ اگر شوہر غریب ہو تو اپنی بساط کے مطابق اور امیر ہو تو اپنی استطاعت کے مطابق بیوی کی بنیادی ضروریات تکمیل کرنے کا شرعاً پابند رہے گا۔ فقہاء کرام نے لکھا ہے کسی مشترکہ خاندان میں شوہر اپنی بیوی کیلئے ایک ایسے حصہ رہائش کا انتظام کردے کہ وہ بالکلیہ اس کے قبضہ واختیار میں ہو، یہاں تک کہ اس کی کنجی اور قفل بھی اس کے قبضہ میں رہے تو یہ باعتبار رہائش اس کیلئے کافی متصور ہوگا، کیونکہ اس سے بھی رہائش کا مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ خاص احوال میں جب کہ شوہر کی مالی حیثیت کمزور ہو تو دیگر بنیادی ضروریات مشترکہ ہو سکتی ہیں، اس لئے یہاں پر "وله غلق" کی قید رکھی گئی ہے۔

اس طرح کی صورت حال میں شرعی نقطہ نظر یہی ہے کہ بیوی کو شوہر کے ساتھ تعاون عمل کرتے ہوئے زندگی گزارنا چاہئے۔ "(ولو أسكنها في بيت من الدار مفردة وله غلق كفاها؛ لأن المقصود قد حصل) اقتصر على الغلق أفاد أنه وإن كان الخلاء مشتركا بعد أن يكون له غلق يخصه، وليس لها أن تطالبه بمسكن آخر" (فتح القدیر ۴/ ۳۵۷)۔

ایک مشترکہ مکان میں ایک حصہ رہائش ایسی ہو جس میں بیوی اپنے مال ومتاع کو بحفاظت تمام رکھ سکے اور خود بھی بے تکلف رہ سکے اور اس میں کسی کی مداخلت نہ ہو تو پھر عورت کو حق نہیں رہتا کہ وہ اس سے زیادہ کا دعوی کرے:

"امرأة أبت أن تسكن مع ضرتها أو مع أحمائها كأمه وغيرها، فإن كان في الدار بيوت وفرغ لها بيت وجعل لبيتها غلق علاحدة ليس لها أن تطلب من الزوج بيتا آخر، فإن لم يكن فيها إلا بيت واحد فلها ذلك" (عالمگیری ج۱، باب النفقات فی السکنی)، "فإن كانت دارا فيها بيوت وأعطى لها بيتا يغلق ويفتح لم

Marfat.com

یکن لها أن تطلب بیتا آخر إذا لم یکن ثمة أحد من أحماء الزوج یؤذیها اھ"(رد المحتار ۲/۲۰ ۷)۔

اسی طرح اپنے مکان کے ایک حصے میں اپنی بیوی کو اور ایک حصے میں اپنی والدہ کو رکھے تو یہی حکم ہوگا، یعنی علاحدہ مکان کے مطالبہ کا اس کو حق نہیں رہے گا: "وإن أسکن الأم فی بیت داره والمرأة فی بیت آخر فلیس لها غیر ذلک" (ردالمحتار ۲/۲۰ ۷)۔

لیکن صاحب حیثیت شوہر کی طرف سے اس طرح کے انتظام میں صرف اس کی رہائش کیلئے اس کی ضرورت کے مطابق ایک کمرہ یا ایک حصہ مکان کا انتظام کر دینے سے حق رہائش کا وجوب ادا نہیں ہوگا، بلکہ اس سے متعلقہ امور جیسے طہارت خانہ، باورچی خانہ وغیرہ کا انتظام بھی علاحدہ طور پر ضروری ہوگا، جس میں کسی اور کی شرکت نہ ہو۔ چنانچہ "شامی" میں ہے: علحدہ گھر سے مراد کہ جس کی کنجی و قفل اور دوسری سہولتیں الگ ہوں، یہ حکم اس بات کا متقاضی ہے کہ طہارت خانہ، باورچی خانہ وغیرہ کی بھی اس میں سہولت ہو:

"وبیت منفرد من دار له غلق زاد فی الاختیار والعینی: ومرافق ومفاده لزوم کنیف ومطبخ، وینبغی الإفتاء به بحر (کفاها) لحصول المقصود (هدایة) وفی البحر عن الخانیة: یشترط أن لا یکون فی الدار أحد من أحماء الزوج یؤذیها، ونقل المصنف عن الملتقط کفایته مع الأحماء لا مع الضرائر، فلکل من زوجیته مطالبته ببیت من داره علحدة" (درمختار ۲/۲۰ ۷)، "مطلب فی مسکن الزوجة (قوله ومفاده لزوم کنیف ومطبخ) أی بیت الخلاء وموضع الطبخ، بأن یکونا داخل البیت أو فی الدار لا یشارکها فیهما أحد من أهل الدار" (رد المحتار ۲/۲۰ ۷)۔

لیکن وہ خاتون جو صاحب حیثیت اور خاندانی بزرگی و شرافت کی حامل ہو تو وہ اس طرح کے انتظام کے باوجود انفرادی رہائش کے انتظام کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ ہم نے جو اس سے

Marfat.com

پہلے ذکر کیا ہے کہ ایک بڑے مکان میں رہائش کا گوشہ فراہم کر دیا جانا کافی ہوگا، یہ اس عورت کے بارے میں تھا جو عرف و دستور کے مطابق درمیانی درجہ کی رہائش کا حق رکھتی ہے:

"وذكر الخصاف: أن لها أن تقول: لا أسكن مع والديك وأقربائك في الدار، فأفرد لي دارا قال صاحب الملتقط: هذه الرواية محمولة على الموسرة الشريفة وما ذكرنا قبله أن أفراد بيت في الدار كاف إنما هو في المرأة الوسط اعتبارا في السكنى بالمعروف اهـ" (ردالمحتار ۲/۷۲۰)۔

ظاہر ہے اس طرح کے اعلیٰ انتظام کا ذی حیثیت شوہر کو پابند کیا جا سکتا ہے، البتہ وہ شوہر جو مال کے اعتبار سے کمزور ہو اس کو اس درجہ معیاری رہائش کی فراہمی کیلئے مجبور نہیں کیا جا سکتا، رہائشی کمرہ تو علحدہ ہو، لیکن دیگر ضروریات مشترکہ گوارا کی جا سکتی ہیں:

"قلت: وينبغي أن يكون هذا في غير الفقراء الذين يسكنون في الربوع والأحواش بحيث يكون لكل واحد بيت يخصه وبعض المرافق مشتركة كالخلاء والتنور وبئر الماء" (ردالمحتار ۲/۷۲۰)۔

اس طرح ایک بڑے مکان کے اندر علحدہ علحدہ حجرات اس کی بنیادی ضروریات کے ساتھ ہوں یا اس کے بغیر ہر دو صورت میں اس بات کا لحاظ ضروری ہے کہ اس مکان میں شوہر کے رشتہ داروں میں سے کوئی ایسے افراد نہ ہوں جن سے اس کو آزار پہنچنے کا خطرہ ہو:

"فإن كانت دار فيها بيوت وأعطى لها بيتا يغلق ويفتح لم يكن لها أن تطلب بيتا آخر إذا لم يكن ثمة أحد من أحماء الزوج يؤذيها" (ردالمحتار ۲/۷۲۰)۔

قرآنی اشارات سے بھی جداگانہ خاندانی نظام کی تائید ملتی ہے۔ "وقرن في بيوتكن" (احزاب:۳۳) اپنے گھروں میں جمی رہیں۔ "يا أيها الذين آمنوا لا تدخلوا بيوت النبي إلا أن يؤذن لكم" (احزاب:۵۳) (اے ایمان والو نبی ﷺ کے گھروں میں اجازت کے بغیر مت داخل ہو)۔ "إن الذين ينادونك من وراء الحجرات أكثرهم

Marfat.com

لا یعقلون" (حجرات:۴) (جو لوگ آپ کو حجرات کے پیچھے سے نداء دیتے ہیں ان میں سے اکثر صاحب سمجھ نہیں ہیں)۔

ان آیات پاک سے اس بات کا واضح اشارہ ملتا ہے کہ امہات المؤمنین رضی اللہ عنھن کی رہائش الگ الگ مکانات میں تھی۔ بخاری شریف کی روایات سے بھی اس کی تصدیق وتائید ہوتی ہے (بخاری، ج۱، کتاب الجہاد، باب ماجاء فی بیوت ازواج النبی ﷺ ومانسب من البیوت إلیھن)، اس باب کے ابتداء میں امام بخاری رحمہ اللہ نے صدر بالا دونوں آیت پاک کو اس بات میں تائید میں نقل کرنے کے بعد جملہ سات احادیث پاک نقل کی ہیں۔ پہلی حدیث ام المؤمنین سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب آنحضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ بیمار ہوئے تو اپنی دوسری ازواج سے اس بات کی اجازت چاہی کہ وہ ان ایام میں میرے (ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے) گھر رہیں گے۔ "لیس علی الأعمی حرج ......لیس علیکم جناح أن تأکلوا جمیعا أو أشتاتا..... الخ" (نور:۶۱)۔

(نابینا کیلئے کوئی حرج نہیں ہے پاؤں سے معذور کیلئے نہ بیمار کیلئے نہ خود تمہارے لئے کوئی حرج ہے کہ تم اپنے گھروں میں یا اپنے والدین کے گھروں میں اور اپنے نانیوں اور اپنے بھائیوں، بہنوں، چچاؤں، پھوپیوں، ماموں اور خالاؤں کے گھروں میں یا ان گھروں میں جن کی کنجیاں تمہارے قبضہ واختیار میں ہوں یا تمہارے دوستوں کے گھروں میں اس طرح تمہارے لئے کوئی حرج نہیں ہے کہ تم سب ایک ساتھ مل کر کھاؤ یا الگ الگ کھاؤ)۔

مذکورہ آیت شریفہ میں اولاد وماں باپ، بھائیوں بہنوں چچاؤں اور پھوپیوں ماموں اور خالاؤں وغیرہ وغیرہ کی الگ الگ رہائش گاہوں کا ثبوت ملتا ہے۔

حضرت نبی پاک ﷺ نے اپنی چہیتی صاحبزادی بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح اپنے چچازاد بھائی سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ کردیا تو ان کیلئے علاحدہ رہائش کا نظم فرمایا۔ جب کہ آپ ﷺ ہی کی آغوش رحمت میں ان کی پرورش ہوئی تھی، مشترکہ خاندانی نظام بہتر ہوتا تو حضور

Marfat.com

پاک ﷺ ان دونوں کا اپنے ہی دولت کدہ میں رہنے کا انتظام فرماتے (حیاۃ الصحابۃ ۲/ ۲۶۸)۔

حق سبحانہ وتعالی نے جس طرح انسانوں کی ظاہری شکل وشباہت میں فرق رکھا ہے، قد وقامت، رنگ وروپ بھی ہر ایک کو جدا جدا بخشا ہے کہ جس میں ہر فرد جداگانہ ومنفرد حیثیت کا حامل اور اللہ سبحانہ وتعالی کی تخلیقی شان کا مظہر ہے، اسی طرح فکر وخیال میں بھی حق سبحانہ وتعالی نے ہر ایک کو انفرادیت بخشی ہے، ہر ایک کا انداز فکر جدا اور ہر ایک کی سوچ وسمجھ کا زاویہ یکسر مختلف ہوتا ہے۔ اس لئے طویل مدت تک رشتہ داروں کا ایک ساتھ رہنا اختلاف کی راہیں کھولتا ہے، بسا اوقات یہ اختلاف نفرت وعداوت اور دشمنی کی حدوں میں داخل ہوجاتا ہے وہ بھائی جو آپس میں کبھی شیر وشکر بن کر رہے ہوں ان کے درمیان حد فاصل قائم ہوجاتی ہے۔ نزاع واختلاف کی دیواریں کھڑی ہوجاتی ہیں، بعض کتب احادیث میں ہے۔ عن أبی ذر قال: قال رسول الله ﷺ: یا أباذر زر غبا تزدد حبا" (شعب الایمان للبیہقی، ج۶ ص۳۲۶، حدیث نمبر ۸۳۶۲، باب فی حسن الخلق، فصل فی ترک الغضب/ معجم کبیر للطبرانی/ مستدرک علی الصحیحین)۔

بروایت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی یہ الفاظ مروی ہیں: "زر غبا تزدد حبا" اگرچہ کہ شارحین نے اس کے حدیث ہونے میں کلام کیا ہے۔ طبرانی نے اس کو حدیث تسلیم کیا ہے اور اس کی اسانید کو حسن کہا ہے۔ اس کی شرح میں حافظ مناوی لکھتے ہیں: "(زر) أخاک یا أبا هريرة (غبا تزدد حبا) أی زر أخاک وقتا بعد وقت ولا تلازم زیارته كل يوم تزدد عنده حبا وبقدر الزيادة تهون عليه"، یعنی اپنے بھائی سے وقفہ وقفہ سے ملا کرو بلاناغہ ملاقات کو لازم مت کرلو اس طرح کے عمل سے تمہارے درمیان تعلق ومحبت بڑھے گا، جس قدر ملاقات میں کثرت ہوگی اتنی ہی بے وقعتی ہوگی، قدر وقیمت میں کمی آئے گی (التیسیر بشرح الجامع الصغیر ۲/ ۴۳)۔

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مشترکہ خاندانی نظام میں بیواؤں کی مدد مطلقہ عورتوں، یتیم لڑکوں لڑکیوں کی پرورش کا انتظام ہوجاتا ہے، جبکہ اکثر نزاع بھی مشترکہ خاندانی نظام کی وجہ

Marfat.com

سے آپس میں پیدا ہو جاتا ہے، جداگانہ خاندانی نظام کو اختیار کر کے خاندان کو بہت حد تک باہمی نزاع واختلاف، دشمنی وعداوت سے اور آپسی رشتوں کو تقاطع یعنی ٹوٹنے سے بچایا جاسکتا ہے، جہاں تک مطلقہ و بیوہ عورتوں یتیم لڑکوں لڑکیوں کی بہتر پرورش کے منصب سے عہدہ برآں ہونے کی بات ہے تو اسلام نے بطور خاص ان کے حقوق کی ادائیگی ان کے رشتہ داروں پر درجہ بدرجہ عائد کی ہے اس کی پاس داری ہر ایک بندہ مومن کا فریضہ ہے۔ کوئی خاتون بیوہ ہو جائے یا مطلقہ ہو جائے یا کسی فرد کے انتقال کی وجہ اس کی کمسن اولاد ہو اور وہ سب مالدار ہوں تو ان کے اپنے مال سے ان کی تمام ضروریات کی تکمیل ہوگی۔

اسلامی نقطہ نظر سے بیوہ اور مطلقہ کا "وأنكحو الأيامى منكم" (سورہ نور: ۳۲) کے حکم کی تعمیل میں دوسرا نکاح کر کے ان کے مسائل کے حل کی صورت نکالی جاسکتی ہے، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالی کا وعدہ ہے کہ اگر وہ محتاج ہوں تو حق سبحانہ اپنے فضل وکرم سے ان کو غنی کر دیگا، اللہ سبحانہ وتعالی بڑی کشائش و وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے (نور: ۳۲)، نکاح کے اسباب کسی وجہ سے مہیا نہ ہوں اور وہ محتاج بھی ہوں اسی طرح کسی کی وفات کی وجہ سے اس کی یتیم اولاد ہو اور وہ بھی محتاج ہو تو اسلام نے ان کے اخراجات کی ذمہ داری ان بیوہ، مطلقہ، یتامیٰ کے ایسے رشتہ داروں (وارثین) پر درجہ بدرجہ بقدر میراث عائد کی ہے جو ان (بیوہ، مطلقہ، یتامیٰ) کی وفات کی صورت میں ان کے شرعی وارث بن کر حصہ پاتے ہیں۔ بیوہ یا مطلقہ محتاج ہو اور ان کے نکاح کا بھی انتظام نہ ہو تو ان کے والد یا والدہ پھر بھائی، بہن اسی طرح یہ بھی نہ ہوں تو دیگر عصبات پر بقدر میراث ان کا نفقہ واجب ہوگا۔ یتامیٰ اگر محتاج ہوں تو ان کی کفالت بھی ماں پر اگر وہ مالدار ہو تو واجب ہوگی، ورنہ ماں اور دادا پر ان کے اپنے تناسب وراثت کے مطابق والدہ تمام اخراجات کے ثلث کی اور دادا دو ثلث اخراجات کے ذمہ دار ہوں گے۔

اسلام نے یتامیٰ کے حقوق کی نگہداشت کرنے کی سخت تاکید کی ہے، اگر وہ مالدار ہوں تو ان کے مال کی کسی خیانت کے بغیر حفاظت کرنے اور ان پر حسب ضرورت خرچ کرنے پھر

Marfat.com

جب وہ بالغ ہو جائیں تو ان کا مال ان کے حوالے کرنے کی ہدایت کے ساتھ اس بات کی بھی ہدایت کی ہے کہ ان کے اچھے مال کو اپنے برے مال سے تبدیل نہ کریں اور اپنے مال کے ساتھ ان کے اموال کو بلا وجہ ملا کر کھانے یا کسی طرح کا تغلب وتصرف کرنے سے منع کیا ہے، اگر کوئی ایسا کرے تو اس کیلئے اللہ کے ہاں بڑا وبال یعنی سخت پکڑ اور بڑا عذاب ہے (مفہوم وخلاصہ سورہ نساء آیت ۳)، اسی سورہ کی آیت نمبر ۱۵ میں اس وعید کا ذکر ہے جو یتامیٰ کا مال کھانے والوں کیلئے اللہ سبحانہ وتعالی نے بیان فرمائی ہے کہ گویا وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب آگ میں داخل ہوں گے۔ حدیث پاک میں ایسی بیوہ کی فضیلت آئی ہے کہ جس کے رخسار اپنی اولاد کی پرورش، دیکھ بھال کی محنت ومشقت اور ترک زینت کی بنا سیاہ پڑ گئے ہوں اور فرمایا کہ وہ بیوہ اور میں قیامت کے دن انگشت شہادت کی طرح قریب ہوں گے (رواہ ابوداؤد، زجاجۃ المصابیح، باب الشفقہ والرحمۃ علی الخلق، ص ۴۲۳)، اسی طرح کا ارشاد آپ ﷺ نے یتامیٰ کی کفالت کرنے والوں کیلئے بھی فرمایا ہے: "أنا و كافل اليتيم في الجنة هكذا، وقال بأصبعيه السباحة والوسطى" (بخاری ۸۸۸/۲، باب فضل من یعول یتیما)، اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔ بیوہ اور مسکین کی خبر گیری کرنے والا گویا ایسا ہے کہ جو اللہ کی راہ میں چل نکلا ہو، اور یہ بھی فرمایا کہ رات بھر قیام کرنے والے اور ہمیشہ روزہ رکھنے والے کی طرح اللہ کے ہاں ان کیلئے اجر وثواب ہے: "الساعي على الأرملة والمسكين كالمجاهد في سبيل الله أو كالذي يصوم النهار ويقوم الليل" (بخاری ۸۸۸/۲، باب الساعی علی الأرملۃ)۔

(۱) حسب صراحت سطور بالا اسلامی نقطہ نظر سے مشترکہ خاندانی نظام کے بالمقابل جداگانہ نظام خاندان ہی بہتر قرار پاتا ہے، ہمارے معاشرہ میں عام طور پر مشترکہ خاندانی نظام ہی مروج رہے ہیں گوکہ اب اس میں بتدریج تبدیلی آرہی ہے اور جداگانہ زندگی بسر کرنے کا طریقہ عام ہو رہا ہے۔

(۲) بالفرض کہیں مشترکہ خاندانی نظام ہی مروج ہو اور مشترکہ خاندان میں تمام افراد

Marfat.com

خرچ میں معاونت کرتے ہوں تو والدین کیلئے بہتر بات یہی ہوگی کہ اپنی اولاد میں سے ہر لڑکے کی ذمہ داری کی مناسبت سے خرچ مقرر کریں کسی لڑکے کے ہاں بچے زیادہ ہوں تو اسی مناسبت سے اور کسی کے ہاں اگر کم ہوں تو اسی مناسبت سے ان پر مصارف کا بوجھ ڈالیں، تمام اولاد متفق ہو تو سب پر برابر اخراجات عائد کئے جاسکتے ہیں، تاہم اس میں آگے چل کر بھائیوں کے درمیان نزاع پیدا ہو جانے کا امکان رہتا ہے۔ شریعت مطہرہ کی رو سے مفضی الی المنازعہ (وہ امور جو اختلاف ونزاع کی طرف لے جانے والے ہوں) سے اجتناب بہتر ہے۔

(۳) مختلف بھائیوں کی طرف سے گھریلو مصارف کی تکمیل کیلئے اپنے والد یا بھائی کے یہاں آمدنی جمع کی جائے اور اس جمع شدہ پونجی سے گھریلو اخراجات کی تکمیل کے بعد بچی ہوئی رقم سے کوئی چیز خریدی جائے تو اس جیسے مشترکہ نظام میں بخوشی شراکت پر رضامندی کی بناء پر تمام افراد برابر کے حصہ دار رہیں گے۔

(۴) اگر کسی گھر میں تین بھائی ہوں جن میں سے دو بھائی دس دس ہزار روپیہ کماتے ہوں اور پوری پونجی اخراجات کے عنوان سے والد کے حوالے کرتے ہوں اور ایک بھائی ان میں سے جن کی آمدنی بیس ہزار ہو اور دس ہزار گھر میں دیتے ہوں اور بقیہ دس ہزار جمع کر لیتے ہوں تو ایسی صورت میں وہ بچی ہوئی رقم اسی ایک بھائی کی متصور ہوگی۔

(۵) خاندان کے کچھ افراد کماتے ہوں اور کچھ افراد گھر کے کام کاج دیکھتے ہوں، اس طرح اس نظام پر چلنے کیلئے بخوشی کمانے والے افراد رضامند ہوں تو تقاضہ انصاف یہی معلوم ہوتا ہے کہ ساری آمدنی میں تمام اصحاب برابر کے حق دار رہیں گے، کیونکہ کمانے والے افراد جس طرح بیرونی محنت کے ذریعہ خاندانی نظام کے چلانے میں مالی معاونت کیلئے رضامند ہیں، اسی طرح وہ اس بات پر بھی رضامند ہوتے ہیں کہ ہم میں سے کچھ افراد کمانے کی جدوجہد میں مصروف رہنے کے بجائے گھریلو کام کاج کی ذمہ داری نبھائیں، تاہم ان جیسی صورتوں میں عام طور پر ابتدائی احوال میں اتفاق رائے کی صورت بظاہر معلوم ہوتی ہے، لیکن جیسے جیسے زمانہ گذرتا

Marfat.com

ہے احوال بدلتے ہیں، فکر و خیال میں تبدیلی رونما ہوتی رہتی ہے، اور وہ اصحاب جو گھریلو ذمہ داریوں کو پورا کرتے ہوئے زندگی گزارتے ہیں آہستہ آہستہ بوجھ معلوم ہونے لگتے ہیں، ضروریات کی تکمیل کی حد تک تو خواہی نہ خواہی زندگی گزر جاتی ہے، دیگر بنیادی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے بھی ان کو دیگر بھائیوں کے آگے دست سوال دراز کرنے کی نوبت آتی رہتی ہے جو کمانے والے بھائیوں کی طرف سے خوش دلی کے ساتھ پوری نہیں ہوتی، جب وہ کماتے ہی نہیں تو وہ اپنے اچھے برے حالات کیلئے کچھ پس انداز کرنے کے موقف میں بھی نہیں رہتے، اس طرح ان کی زندگی دوسروں کے سہارے بے وقاری کے ساتھ گزرتی ہے، اسی وجہ سے بسا اوقات وہ اپنی قدر و قیمت بھی کھو بیٹھتے ہیں، شخصی طور پر کسب کی صلاحیتیں ان سے معدوم ہو جاتی ہیں اور وہ اس طرح سے معاشرے کے نکمہ افراد میں شمار کئے جاتے ہیں، اس لئے اسلامی نقطہ نظر سے احسن صورت تو یہی ہے کہ تمام افراد محنت و جستجو کر کے کمائیں اور اپنا بوجھ خود اٹھانے کی اپنے اندر صلاحیت پیدا کریں کسی کے محتاج اور دست نگر رہ کر اپنی بے آبروئی کا سامان نہ کرلیں، اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات کیلئے خود کفیل بنیں۔ خاندانی نظام کو مشترکہ رکھنا اگر کہیں ناگزیر ہو تب بھی خاندان کا ہر ہر بالغ فرد محنت کرے اور روزی پیدا کرنے کے ذرائع اختیار کرے اور گھریلو اخراجات میں سب کے برابر حصہ ادا کرے۔ حسب ضرورت گھریلو دیگر ضروری امور اور کام کاج میں بھی بشاشت قلبی کے ساتھ سب کا ہاتھ بٹائے اور ضرورت داعی ہو تو گھریلو نظم و انتظام کیلئے حسب حیثیت خدمتگار رکھ لئے جائیں اور ان کے مصارف کی ذمہ داری تمام افراد مساوی طور پر قبول کریں۔

(۶) اسلام میں والدین کی بڑی عظمت و مرتبت ہے حق سبحانہ وتعالی نے اپنی عبادت کے بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کا ذکر فرمایا ہے اس اعتبار سے وہ بڑے قدر و قیمت کے حامل ہیں، سب جانتے ہیں اس کائنات میں ان کے وجود کا ظاہری وسیلہ ماں باپ ہیں، زندگی بھر چونکہ بچوں کی پرورش و کفالت کرتے ہیں اور جب وہ بوڑھے ہو جاتے ہیں تو وہ اپنی خدمت اور

Marfat.com

کفالت کے ضرورت مند ہو جاتے ہیں۔ والدین تنگدست اور محتاج ہوں تو شریعت نے ان کا نفقہ اولاد پر واجب کیا ہے، اگر چہ کہ وہ کمانے پر قادر ہوں۔ ولد کا اطلاق بیٹے اور بیٹی دونوں پر ہوتا ہے جس طرح بیٹا والدین کے نفقہ کا ذمہ دار ہے اسی طرح بیٹی بھی برابر کی ذمہ دار ہے۔

"فإذا کان للأب ابن وبنت موسرین قسمت نفقة بینهما بالتسویة" (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۴/۵۸۸)۔

صاحب "بدائع الصنائع" نے قرآن پاک کی وہ آیات جن میں والدین کی عظمت و مرتبت اور ان کے ساتھ حسن سلوک اور عمدہ برتاؤ اور ان کو معمولی سے معمولی ایذا پہنچانے کی ممانعت اور ان کی ہر طرح خدمت ودلجوئی اور ان کی شکر گزاری کی تلقین ملتی ہے، کو عمدہ پیرائے بیان میں ایک جگہ جوڑ کر اولاد کو اپنے والدین کی ہر طرح دل وجان سے خدمت کرنے اور اپنی طاقت وبساط سے بڑھ کر ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی اہمیت اور اس کے وجوب کو ثابت کیا ہے: "وأما نفقة الوالدین فلقوله عزوجل: "وقضى ربک أن لا تعبدوا إلا إياه وبالوالدین إحسانا" أی أمر ربک وقضى أن لا تعبدوا إلا إياه، أمر سبحانه وتعالى ووصى بالوالدين إحسانا"، والإنفاق عليهما حال فقرهما من أحسن الإحسان وقوله عزوجل: "ووصينا الإنسان بوالديه حسنا"، وقوله تعالى: "إن اشكر لی ولوالدیک" والشکر للوالدين والمكافأة لهما، أمر سبحانه وتعالى الولد أن يكافئ لهما ويجازی ببعض ما كان منهما إليه من التربية والبر والعطف عليه والوقاية من كل شر ومكروه، وذلک عند عجزهما عن القيام بأمر أنفسهما والحوائج لهما وادرار النفقة عليهما حال عجزهما وحاجتهما من باب شكر النعمة فكان واجبا، وقوله عزوجل: "وصاحبهما فی الدنيا معروفا" وهذا فی الوالدين الكافرين فالمسلمان أولى، والإنفاق عليهما عند الحاجة من اعرف المعروف، وقوله عزوجل: "ولا تقل لهم أف ولا تنهر هما" وإنه كناية

Marfat.com

عن كلام فيه ضرب إيذاء، ومعلوم أن معنى التأذى بترك الإنفاق عليهما عند عجزهما، وقدرة الوالد أكثر فكان النهى عن التأفيف نهيا عن ترك الإنفاق دلالة كما كان نهيا عن الشتم والضرب دلالة" (بدائع الصنائع ۴۳۹/۳ کتاب النفقہ)۔

فقہاء نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر والد محتاج ہوں اوران کی نابالغ اولاد بھی ہو اور وہ بھی محتاج ہو اور بڑا لڑکا ان کا مالدار ہو تو اس بالغ مالدار لڑکے پر اپنے والد اوران کی نابالغ اولاد دونوں کا نفقہ واجب ہے۔ "الأب إذا كان فقيرا معسرا وله أولاد صغار محاويج وابن كبير موسر يجبر الابن على نفقة أبيه ونفقة أولاده الصغار، كذا فى محيط السرخسى" (عالمگیری، الفصل الخامس فی نفقۃ ذوی الارحام ۵۶۵/۲)، ماں باپ اور خاص طور پر ماں بیماری اور ضعیفی کی بناء خدمت وتعاون کی محتاج ہو تو شریعت نے ساس کی خدمت کو بہو پر واجب نہیں کیا، ہاں البتہ حسن اخلاق کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ بخوشی شوہر کے والدین کی خدمت کرے اوراس کو اپنے لئے سعادت سمجھے۔ حدیث پاک ہونے کے حوالے سے یہ بات سنی گئی ہے کہ ایک انسان کے تین باپ ہیں ایک وہ جس کے ہاں انسان پیدا ہوا ہو، دوسرے وہ جس نے اس کو تعلیم وتربیت سے سنوارا ہو، تیسرے وہ جس نے اپنی بیٹی نکاح میں دی ہو۔ گو کہ اس کے حدیث ہونے کی تصدیق نہیں ہو سکی، تاہم اگر کسی شارح کا قول ہو تب بھی اس سے یہ واضح ہے کہ ساس اور سسر بھی والدین کا درجہ رکھتے ہیں، جس طرح ایک مرد کیلئے بیوی کے والدین اس کے والدین کی طرح ہوتے ہیں اوراس کے ماں باپ ہی کی طرح قابل احترام اور بوقت ضرورت خدمت وسلوک کے مستحق ہوتے ہیں، اسی طرح ایک عورت کے حق میں اس کے شوہر کے والدین بھی وہی مرتبہ رکھتے ہیں، اس لئے بہو اپنے خسر اور خوشدامن کو اپنے والدین تسلیم کرلے تو ان کی خدمت ودلجوئی اس کیلئے کوئی بار نہیں ہوگی، اور نہ کوئی معاشرتی دشواری پیدا ہوگی۔ شوہر کے والدین کا بھی فرض ہوگا کہ وہ اپنی بہو کو بیٹی سمجھیں اور اپنے عملی برتاؤ سے اس کا اظہار کریں۔

Marfat.com

کسی وجہ سے بہو اگر ایسی نازک گھڑی میں شوہر کے والدین کی خدمت سے بے رخی برتے تو شرعاً اس پر جبر تو نہیں کیا جاسکتا، ایسی صورت میں اولاد پر یہ فرض عائد ہوگا کہ وہ خود ان کی خدمت کرے، والد کی کوئی خاص خدمت متعلق ہو کہ جس کو مرد ہی انجام دے سکتے ہیں تو بیٹے اس خدمت کو انجام دیں، والدہ کی کوئی ایسی خاص خدمت مطلوب ہو تو بیٹیاں اس فرض کو نبھائیں، صورت حال اگر ایسی ہو کہ بیٹیاں سسرال میں ہونے کی وجہ سے والدہ کی خدمت کرنے سے عاجز ہوں، اسی طرح بیٹے اپنے مشاغل و مصروفیات کی بنا پر والد کی ضروری خدمت انجام نہ دے سکتے ہوں تو ہر دو یعنی بیٹے، بیٹیوں پر فرض ہے کہ وہ اپنے والدین کی خدمت کیلئے حسب حال نوکر (خادم خادمہ) کا انتظام کریں، سب مل کر اس کے مصارف برداشت کریں، اولاد میں اگر کوئی غریب ہو تو مالدار اور خوش حال اولاد کا فرض ہے کہ وہ خوشدلی کے ساتھ اس فرض کو پورا کرے۔ یہ وہ سنہری موقع ہوتا ہے کہ جو آگے بڑھ کر اس فرض کو پورا کرلے دین و دنیا کی سعادتیں اس کا مقدر بن جاتی ہیں، اس سعادت کے حصول سے وہی محروم رہ سکتے ہیں، محرومی جن کا مقدر ہو۔

(۷) شرعی نقاط نظر سے واضح ہے کہ خاندان میاں بیوی اور اس کی نابالغ اولاد پر مبنی ہو، ایک ایسی رہائش جو مشترکہ خاندانی نظام پر مشتمل ہو جس میں شوہر کے علاوہ شوہر کے بھائی وغیرہ رہتے ہوں تو اس طرح کی رہائش میں غیر محرم افراد سے پردہ کا اہتمام ممکن نہیں۔ اسلامی نقطہ نظر سے چونکہ شوہر کے بھائیاں غیر محارم کی تعریف میں آتے ہیں۔ حضرت نبی پاک ﷺ نے مردوں کو اس بات کی ہدایت دی ہے کہ وہ غیر عورتوں کے پاس جانے سے اپنے آپ کو بچائیں۔ حضور پاک ﷺ کے اس ارشاد پر ایک انصاری صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ شوہر کے بھائی وغیرہ کیلئے بھی کیا یہی حکم ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ شوہر کے رشتہ دار تو ہلاکت ہیں، یعنی ان سے بچنا ضروری ہے۔ ''حمو'' سے مراد شوہر کے حقیقی بھائی اور دیگر رشتہ کے تمام بھائی ہیں۔

''إیاکم والدخول علی النساء وقال رجل من الأنصار: یا رسول اللہ ﷺ أرءیت الحمو، الحمو الموت'' (بخاری ۲/۷۸۶، کتاب النکاح، باب لا یخلون رجل بامرأۃ الا ذو محرم

Marfat.com

والدخول علی المغیبۃ)، اس کے حاشیہ نمبر دس (۱۰) میں امام نووی رحمہ اللہ نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ اس طرح کے افراد سے بہ نسبت دوسروں کے زیادہ خطرہ رہتا ہے، برائی کے امکانات اور فتنے کے مواقع بڑھ جاتے ہیں، کیونکہ خاتون تک پہنچنے اور تنہائی کا فائدہ اٹھانے کے مواقع پر ان کو قدرت رہتی ہے۔ مکروہ وناپسندیدہ شئ کو عرب موت سے تعبیر کرتے ہیں۔ "قوله الحمو الموت.....وقال الطبری: المعنى إن خلوة الرجل بامرأة أخيه وابن أخيه ينزل منزلة الموت أى أحذروه كما تحذروا الموت، والعرب تصف المكروه بالموت، فتح، قال الكرمانى: معناه أن الخوف منه أكثر لتمكنه من الخلوة معها من غير أن ينكر عليه، وهو تحذير عما عليه عادة الناس من المساهلة فيه. إن الخوف منه أكثر من غيره والشر يتوقع منه، والفتنة أكثر لتمكنه من الوصول إلى المرأة، والخلوة من غير أن ينكر عليه بخلاف الأجنبي" (فتح الباری ۲۸۹/۹)۔

معاشی یا معاشرتی مجبوری کی بنا پر ایک بڑے مکان میں مشترک خاندان، جیسے چچا زاد بھائی، بہن یا دیگر قریبی رشتہ دار رہتے ہوں، بہتر صورت تو یہی ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے رہائشی گوشے بنیادی سہولتوں کے ساتھ علحدہ علحدہ ہوں، ان کے درمیان ستر وحجاب کے تقاضوں کا پورا پورا اہتمام ہو، بالفرض یہ سارے رشتہ دار ایک ایسے مکان میں رہتے ہوں جس میں ان کے رہائشی گوشے تو علحدہ ہوں، لیکن سب کی بنیادی ضروریات مشترک ہوں، تو ایسی صورت حال میں بھی کوشش اس بات کی ہونی چاہئے کہ غیر محرم رشتہ داروں سے پردہ کیا جائے، پردہ ممکن نہ ہو تو کم از کم درجہ میں یہ احتیاط ضرور رکھی جائے کہ ان غیر محارم رشتہ داروں سے کسی صورت میں بھی تنہائی اختیار نہ کی جائے۔ حدیث پاک کی رو سے جہاں کوئی ایک اجنبی عورت و مرد تنہائی میں جمع ہوتے ہیں تو وہاں شیطان موجود ہوتا ہے۔ "لا يخلون رجل بامرأة إلا كان ثالثهما الشيطان" (رواہ الترمذی، کتاب الرضاع، باب ماجاء فی کراہیۃ الدخول علی المغیبات، ۱۲۰۴، کتاب الفتن، باب ماجاء فی لزوم الجماعۃ، ۲۳۱۸/ مشکوۃ المصابیح، باب النظر الی المخطوبہ ۲۶۹/۲)۔

Marfat.com

دوسری احتیاط ستر سے متعلق کی جائے کہ ایسے ماحول میں خواتین ستر پوش لباس اختیار کریں جو چست اور مہین نہ ہو، بلکہ ڈھیلا ڈھالا ہو کہ جس سے اعضاء جسم نمایاں نہ ہوتے ہوں، خاص طور پر "ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن ولا یبدین زینتھن ...." (سورہ نور:۳۱) (اپنے گریبانوں پر اوڑھنیاں ڈالے رہیں) پر خوب خوب عمل ہو۔ مرد و خواتین دونوں کو غض بصر کا جو حکم دیا گیا ہے اس کی خوب تعمیل ہو، اور خواتین خاص طور پر اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں، یعنی ایسا لباس اور زیور جو حسن و جمال میں نکھار پیدا کرنے والا ہے کھلے عام پہننے سے احتراز کریں اور ایسے مشترکہ مکان میں مرد حضرات خاص طور پر جب باہر سے داخل ہوں تو اجازت لیکر اور سلام کر کے داخل ہوں۔ چونکہ یہ احکام قرآن پاک میں ایمان والوں کو دیئے گئے ہیں، کتب احادیث میں بھی یہ احکام مفصلا بیان کئے گئے ہیں، چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں "کتاب الاستیذان" کے مستقل عنوان کے تحت متعدد احادیث شریفہ ذکر کی ہیں، و نیز دیگر کتب صحاح و سنن، معاجم و جوامع میں روایات موجود ہیں۔

خاندان کے بزرگ مرد و خواتین ان پر کڑی نظر رکھیں، ان کے درمیان بے تکلف ہونے کا ماحول پیدا ہونے نہ دیں، کسی امر میں ان کے درمیان بات چیت ضروری ہو تو ایسے موقع پر خاندان کے بزرگوں میں سے کوئی نہ کوئی ضرور موجود ہوں، بلا ضرورت ان کے درمیان راہ و رسم پیدا ہونے کے مواقع پیدا ہونے نہ دیئے جائیں۔

Marfat.com

مشترکہ خاندانی نظام کے معاشرتی نقصانات

مولانا ولی اللہ مجید قاسمی ☆

کتاب وسنت اور صحابہ کرام کی زندگی کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ "جداگانہ خاندانی نظام" بہتر اور پسندیدہ ہے، مختلف خاندانوں کا ایک نظام اور ایک گھر میں رہنا انسانی فطرت کے برخلاف اور نامناسب ہے، اس کی وجہ سے درج ذیل خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

۱-معاملات کی خرابی:

معاملات کی صفائی اور اسے ہر طرح کے لڑائی جھگڑے سے پاک رکھے، خصوصی طور سے مالیات میں شفافیت کی اہمیت محتاج بیان نہیں ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

"یا أیھا الذین آمنوا لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل إلا أن تکون تجارة عن تراض منکم ولا تقتلوا أنفسکم إن اللہ کان بکم رحیما، ومن یفعل ذلک عدوانا وظلما فسوف نصلیہ ناراً وکان ذلک علی اللہ یسیراً" (النساء:۲۹، ۳۰)۔

(ایمان والو! ایک دوسرے کے مال کو باطل طریقے پر مت کھاؤ، سوائے اس کے کہ باہمی رضامندی اور خوش دلی سے تجارت کے ذریعہ دوسرے کا مال لیا گیا ہو، اور تم اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور جو کوئی سرکشی اور ظلم کی وجہ سے ایسا کرے گا تو اسے ہم جلد ہی جہنم میں داخل کردیں گے اور یہ اللہ کے لئے بہت آسان ہے)۔

اور اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ:

☆ جامعة الفلاح بلریا گنج، اعظم گڑھ۔

Marfat.com

"لا یدخل الجنة جسد غذی بحرام" (رواہ ابویعلی والبزار والطبرانی وحسنہ المنذری اسانیدہ وقال الالبانی صحیح لغیرہ الترغیب ۲؍۱۴۷)۔

(جس کی غذا میں حرام شامل ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا)۔

اپنی کمائی ہو یا وراثت کے ذریعہ حاصل شدہ دولت و جائداد ہو، یا خوش دلی سے تجارت یا تحفہ وغیرہ کے ذریعہ کوئی مال حاصل ہو تو وہ حلال اور جائز ہے، کسی انسان کی رضا اور خوشی کے بغیر اس سے کچھ حاصل کرلینا حرام، باطل اور خودکشی کے مترادف ہے، علامہ ابن کثیر مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"ولا تقتلوا أنفسكم أی بارتكاب محارم الله وتعاطی معاصيه وأكل أموالكم بينكم بالباطل" (تفسیر ابن کثیر ۱؍۵۸۲، اسماعیل ابن کثیر الدمشقی (۷۷۴) ط دار عالم الکتب الریاض ۱۹۹۷)۔

(اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو کا مفہوم یہ ہے کہ حرام اور معصیت کا ارتکاب کرکے، اور ایک دوسرے کے مال کو باطل طریقے پر کھا کر اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو)۔

کسی دوسرے کے مال کو صرف اسی وقت لینا حلال ہے، جبکہ وہ خوش دلی سے دیدے، اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں۔

"ألا لا يحل مال امرأ إلا بطيب نفسه" (مشکاۃ المصابیح/کتاب البیوع، باب الغصب والعاریۃ)۔

(سن لو کسی دوسرے کے مال کو اس کی رضامندی کے بغیر لینا حلال نہیں ہے)۔

مشترکہ خاندانی نظام میں مالیاتی پہلو سے بے ضابطگی ایک امر واقعہ ہے، ہر شخص کو ایک متعین رقم یا پوری کمائی جھونک دینے کا پابند بنانے میں خوش دلی کا حصہ کم اور معاشرتی جبر اور دباؤ کا دخل زیادہ ہوتا ہے۔

نیز ہر شخص کے لئے کھانے پینے میں ایک متعین نظام کی پابندی ایک مشکل اور دشوار معاملہ ہے، اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ چوری، چھپے اپنے من پسند کھانوں، پھلوں اور لباس وغیرہ کا

Marfat.com

انتظام کیا جاتا ہے، اس ماحول میں چوری، چکاری، جھوٹ، فریب اور دھوکہ دہی کی خصلت کو پروان چڑھنے کا موقع ملتا ہے، اور ایک طرح سے ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔

۲-فضول خرچی اور لاپرواہی:

کہا جاتا ہے کہ مشترکہ خاندانی نظام کی وجہ سے سرمایہ کی بچت ہوتی ہے اور کفایت شعاری کو فروغ ملتا ہے، اس لئے کہ اگر دس لوگوں کے لئے الگ الگ کھانا پکایا جائے تو خرچہ زیادہ آئے گا اور اگر دس لوگوں کا کھانا ایک جگہ بنایا تو اس کے بالمقابل کم خرچہ ہوگا، لیکن یہ صرف تصویر کا ایک پہلو ہے، تصویر کا دوسرا رخ بہت بھیانک ہے کہ مالی معاملہ مشترک ہونے کی وجہ سے ہر شخص اسے مال مفت سمجھ کر کے دل بے رحم کا سلوک کرتا ہے، اور گھر کے ساز و سامان کو پرایا مال سمجھ کر نہایت ہی بے احتیاطی اور بے دردی کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے، اور کھانے پینے کی چیزوں میں فضول خرچی اور لاپرواہی عام بات ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ازواج مطہرات کے کھانے پینے کا مشترکہ نظام نہیں رکھا، حالانکہ رہائش الگ ہونے کے باوجود اگر کھانے کا نظام مشترک کر دیا جاتا تو قدرے بچت ہو جاتی، لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے مالی معاملات کو بھی ایک دوسرے سے بالکل الگ اور جداگانہ رکھا، یہاں تک کہ اگر ایک کے یہاں دوسرے کا کوئی سامان ضائع ہو جاتا تو اس کا تاوان ادا کرتے، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ:

"عن أنس أن النبی ﷺ كان عند بعض نساءه فأرسلت إحدى أمهات المؤمنين مع خادم بقصعة فيها طعام، فضربت بيدها، فكسرت القصعة، فضمها وجعل فيها الطعام، وقال: كلوا وحبس الرسول والقصعة حتى فوغوا، فدفع القصعة الصحيحة وحبس المكسورة" (صحیح بخاری ۲/ ۹۳۴، ابوعبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری ط دار السلام الریاض ۱۹۹۷ء)۔

Marfat.com

۳- بے پردگی:

پردے کی مشروعیت کا بنیادی مقصد ہے عصمت وعفت کی حفاظت، اور جنسی تعلقات کی پردہ پوشی اسی مقصد کے حصول کے لئے بعض اوقات میں محرم مردوں کو بھی گھر کے اندر داخل ہوتے وقت اجازت لینے کا حکم دیا گیا ہے (النور/ ۵۸)۔ اور ایسے لوگوں کے دائرے کو محدود سے محدود تر کیا گیا ہے جن کے سامنے عورت کو بے حجاب آنے کی اجازت دی گئی ہے (النور/ ۳۱)۔ اور وہ ایسے لوگ ہیں جن سے عورت کے لئے رشتہ نکاح قائم کرنا ہمیشہ کے لئے حرام ہے یا انہیں جنسی تعلقات سے آگاہی یا کوئی مطلب نہیں ہے، شوہر کا بھائی، بھتیجا، بھانجا، اس فہرست میں شامل نہیں ہیں- اور مشترکہ خاندان میں ان لوگوں سے زینت کی جگہوں اور ستر کے حصول کو چھپانا اگر ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے- اور یہ وہ رشتہ دار ہیں جن سے پردہ کے سلسلہ میں عام طور پر غفلت برتی جاتی ہے، حالانکہ غیر کی بہ نسبت ان اپنوں سے زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"إياكم والدخول على النساء، فقال رجل من الأنصار: يا رسول الله! أفرأيت الحمو؟ قال الحمو الموت" (صحیح بخاری ۵/ ۱۳۰، رقم الحدیث ۵۲۳۲، صحیح مسلم/ ۱۳۶۰ کتاب السلام، سے المنہاج للنووی ط بیت الافکار الدولیۃ)۔

علامہ نووی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

إن الخوف منه أكثر من غيره، والشر يتوقع منه، والفتنة أكثر لتمكنه من الوصول إلى المرأة والخلوة من غير أن ينكر عليه بخلاف الأجنبي" (المنہاج فی شرح صحیح مسلم بن حجاج/ ۱۳۶۰، عربی زکریا یحیی بن شرف النوری ت ۶۷۶ھ، ط: بیت الافکار الدولیۃ)۔

دوسروں کے بالمقابل شوہر کے رشتہ داروں سے اندیشہ زیادہ ہوتا ہے، اس سے برائی کے امکانات اور فتنہ میں پڑ جانے کا خوف زیادہ ہوتا ہے، اس لئے کہ اسے عورت تک رسائی اور اس کے ساتھ تنہائی میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے، اور اسے برا بھی نہیں سمجھا جاتا، اس کے برخلاف

Marfat.com

دوسرے لوگوں کے معاملہ میں ایسا نہیں ہوتا ہے)۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ:

"لا تلجوا علی المغیبات، فإن الشیطان یجری من أحدکم مجری الدم (السنن للترمذی مع التحفہ ۱/ ۱۸۸ ۱۱، بیت الافکار الدولیۃ)۔

(جن عورتوں کے شوہر سفر میں ہوں ان کے یہاں مت جاؤ، کیونکہ شیطان تمہارے اندر خون کی طرح رواں ہوتا ہے)۔

مشترکہ خاندانی نظام میں بعض افراد تلاش رزق میں ایک عرصے کے لئے گھر سے باہر رہتے ہیں، اور کچھ لوگ گھر کا کام دیکھتے ہیں اور بھائیوں کی عورتوں کے ساتھ تنہائی کے پورے مواقع حاصل ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے برائی کے نہ صرف امکانات ہوتے ہیں، بلکہ واقعات کی دنیا میں آئے دن اس سے متعلق چیزیں دیکھنے اور سننے کو ملتی ہیں۔

۴۔جنسی ناآسودگی:

مشترکہ خاندانی نظام میں انسان کی رازداری اور پرائیوسی متاثر ہوتی ہے، کسی بات کو اپنی بیوی بچوں تک محدود رکھنا چاہئے تو نہیں رکھ سکتا ہے، اور بے تکلف اور خوشگوار ازدواجی زندگی گزارنا بھی دشوار ہے، متعدد روایتوں میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ گھریلو کاموں میں ازواج مطہرات کے ساتھ تعاون کیا کرتے تھے (صحیح بخاری/ ۱۱۶۳ رقم ۵۳۶۳ کتاب النفقات باب خدم الرجل فی)۔ایک ساتھ ایک ہی برتن سے غسل کرلیا کرتے (صحیح بخاری/ ۵۶، کتاب الغسل)۔ازواج مطہرات پانی پی دیتیں تو برتن میں اسی جگہ منہ لگا کر پیتے جہاں سے وہ پی چکی ہوتیں، اسی طرح سے وہ گوشت کھا کر آپ کے حوالے کرتیں تو آپ اسی جگہ سے کھاتے جہاں سے وہ کھا چکی ہوتیں (صحیح مسلم سے المنہاج/ ۲۹۵، رقم ۳۰۰ کتاب الحیض)۔

ظاہر ہے کہ ایک بڑے اور بھرے گھر میں اس طرح سے خوشگوار ازدواجی زندگی جو کہ مطلوب شریعت ہے گزارنا مشکل ہے:

Marfat.com

اسی طرح سے نگاہ کی حفاظت اور عصمت وعفت کے لئے ضروری ہے کہ مرد اپنی خواہش کے مطابق دن ورات کے جس حصے میں چاہے اپنی ضرورت پوری کرلے، اسے اس کے لئے آسانی اور اس کے مواقع میسر ہونے چاہئیں، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

"إذا دعا الرجل زوجته لحاجته فلتأته، وإن كانت على التنور" (السنن للترمذی مع التحفہ/ ۱۱۸۲، وقال الترمذی حسن غریب وصححہ الالبانی)۔

جب کوئی اپنی عورت کو اپنی ضرورت کے لئے بلائے تو وہ فوراً آجائے اگر چہ روٹی جل ہی کیوں نہ جائے۔

اور علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

"لأنه يحتاج إلى جماعها ومعاشرتها في أي وقت يتفق ولا يمكن ذلك مع ثالث" (ردالمحتار ۵/ ۳۲۱، ط: مکتبہ زکریا دیوبند)۔

شوہر کو کسی بھی وقت عورت کے ساتھ رہنے اور ہم بستری کرنے کی ضرورت پیش آسکتی ہے اور کسی تیسرے کی موجودگی میں یہ ممکن نہیں ہے۔

مشترکہ خاندانی نظام میں اس پر عمل پیرا ہونا دشوار تر ہے، جس کی وجہ سے ناآسودگی پیدا ہوگی اور غلط راستے پر قدم پڑیں گے، اور شادی کا جو اہم ترین مقصد ہے وہ باقی نہیں رہے گا۔

مطلوبہ نظام زندگی:

یہ اور اس کے علاوہ بعض دوسرے وجوہات ہیں جن کی بنیاد پر اسلام میں مشترکہ خاندانی نظام کی حوصلہ شکنی اور جداگانہ خاندانی نظام کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے، قرآن کی ان آیات کی تلاوت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام عام طور پر جداگانہ خاندانی نظام پر عمل پیرا تھے۔

"ليس على الأعمى حرج ولا على الأعرج حرج ولا على المريض حرج ولا على أنفسكم أن تأكلوا من بيوتكم أو بيوت آبائكم أو بيوت أمهاتكم أو بيوت إخوانكم أو بيوت أخواتكم أو بيوت أعمامكم أو بيوت عماتكم أو

Marfat.com

بیوت خالاتکم ......" (النور/۶۱)۔

احادیث اور صحابہ کرام کی سیرت سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ شادیوں کے بعد الگ گھر بسا لیتے تھے، حضرت عبد الرحمان بن ابی بکر کہتے ہیں کہ ایک موقع پر نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس کے گھر دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ اپنے ساتھ ایک مہمان لیتا جائے ...... حضرت ابو بکر اپنے ساتھ تین آدمیوں کو لیکر آئے، عبد الرحمٰن کہتے ہیں کہ اس وقت میرے والدین، میں اور میری بیوی اور ایک خادم جو میرے اور میرے والد کے گھر مشترکہ طور پر کام کرتا تھا یہ کل پانچ لوگ تھے (دیکھئے صحیح بخاری مع فتح الباری ۲؍۲۶۱۴ کتاب المناقب، باب علامۃ النبوۃ، ط: بیت الافکار الدولیۃ)۔

غور کا مقام ہے کہ حضرت عبد الرحمٰن کی ابھی شادی ہوئی ہے، ساتھ میں بچے نہیں ہیں، اور اس کے باوجود ان کا گھر الگ ہے، اور اسی کے ساتھ ہی وہ اپنے والد کے گھر کے کاموں میں تعاون بھی کرتے ہیں۔

حضرت علیؓ آپ کے چچیرے بھائی تھے اور آپ کی کفالت میں رہے، اپنی چہیتی بیٹی سے ان کا رشتہ کیا، انہیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ نہیں رکھا، حالانکہ آپ کی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی، اور حضرت علی کو اپنے بیٹے کی طرح عزیز رکھتے تھے۔

علیحدہ گھر عورت کا حق:

علیحدہ گھر عورت کا حق ہے، اگر وہ اس کا مطالبہ کرتی ہے تو اسے علیحدہ گھر دینا ضروری ہے، چاروں اماموں کا اس پر اتفاق ہے، چنانچہ صاحب "ہدایہ" لکھتے ہیں:

"وعلى الزوج أن يسكنها في دار مفردة ليس فيها أحد من أهله، إلا أن تختار ذلك ...... وإذا وجب حقا لها ليس له أن يشرك غيرها فيه، لأنها تتضرر به، فإنها لا تأمن على متاعها ويمنعها عن المعاشرة مع زوجها ومن الاستمتاع" (الہدایہ ۲؍۴۴۱ علی بن ابی بکر الفرغانی ۵۹۳، ط: مکتبہ اشرفیہ دیوبند)۔

شوہر کی ذمہ داری ہے کہ عورت کو الگ گھر میں رکھے جس میں اس کے گھر کے لوگوں

Marfat.com

میں سے کوئی نہ ہو، مگر یہ کہ عورت ہی ان کو رکھنا چاہئے ...... اور یہ جب عورت کے حق کے طور پر واجب ہے تو شوہر کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ اس میں دوسرے کو شریک کرے، اس لئے کہ اس کی وجہ سے عورت کو پریشانی ہوگی، اس کے سامان کی حفاظت نہ ہو سکے گی اور نہ ہی وہ اپنے شوہر کے ساتھ بے تکلف رہ سکتی ہے اور نہ اس سے لطف اندوز ہو سکتی ہے۔

اور علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

"ویجب لها سكن بدليل قوله تعالىٰ: "أسكنوهن من حيث سكنتم من وجدكم"، فإذا وجبت السكنى للمطلقة فللتي فى صلب النكاح أولى، قال الله تعالىٰ: "وعاشروهن بالمعروف" ومن المعروف أن يسكنها فى سكن، ولأنها لا تستغنى عن المسكن للاستتار عن العيون، وفى التصرف والاستمتاع وحفظ المتاع" (المغنی ۱/ ۳۵۵ ط: دار عالم الکتب الریاض ۱۹۸۶ء)۔

(عورت کے لئے گھر ضروری ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اپنی وسعت کے مطابق جہاں تم رہتے ہو وہاں ان کو بھی رکھو، اور جب طلاق یافتہ عورت کے لئے گھر ضروری ہے تو جو عورت نکاح میں ہے اس کے لئے بدرجہ اولیٰ گھر واجب ہے، اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ عورتوں کے ساتھ "معروف" کے مطابق زندگی گزارو، اور معروف کا تقاضا ہے کہ عورت کو ایک گھر مہیا کرے، اور اس لئے بھی کہ لوگوں کی نگاہوں سے بچنے، اور شوہر کے ساتھ رہنے اور سامان کی حفاظت کے لئے ایک عورت گھر سے بے نیاز نہیں ہو سکتی ہے)۔

گھر کا ایک علیحدہ کمرہ کافی ہے یا مستقل ایک گھر کی ضرورت ہے جہاں باورچی خانہ، غسل خانہ اور بیت الخلاء کا الگ سے نظم ہو، یہ مرد و عورت کے حالات اور عرف و عادت پر محمول ہے (دیکھئے رد المحتار ۵/ ۳۲۲)، گھر کی ضروریات مشترک ہونے کی صورت میں اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ شوہر کے رشتہ داروں میں سے کوئی عورت کے لئے باعث ایذا نہ ہو، چنانچہ قاضی خاں لکھتے ہیں:

Marfat.com

"فإن كانت دار فيها بيوت، وأعطى لها بيتا يغلق ويفتح لم يكن لها أن تطلب بيتا آخر إذا لم يكن ثمة أحد من أحماء الزوج يؤذيها" (حوالہ مذکورہ/۳۲۱)۔

حاصل یہ ہے کہ مشترکہ خاندانی نظام کی جگہ جداگانہ خاندانی نظام کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہئے، اور مالی معاملات بھی جداگانہ ہوں، البتہ الگ گھر کے بجائے اس انداز سے ایک گھر کی تعمیر کی جائے کہ اس میں ایک دو کمروں پر مشتمل مختلف یونٹس ہوں، ہر یونٹ ایک مستقل گھر کی حیثیت رکھتی ہو، اس طور پر کہ اس کے ساتھ گھر کی دیگر سہولیات بھی ہوں، بیوی، شوہر اور اس کی نابالغ اولاد کے لئے ایک یونٹ اور والدین، بالغ اولاد اور زیر کفالت دیگر رشتہ داروں کے لئے دوسری یونٹ، اس طرح سے والدین کی دیکھ ریکھ بھی ہو سکے گی اور دیگر رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی بھی ممکن ہوگی، اور آج کے دور میں یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے، علامہ حصکفی لکھتے ہیں:

"وبيت منفرد من دار له غلق ومرافق مفاده لزوم كنيف ومطبخ" (الدر المختار مع الرد ۵/۳۲۱)۔ بڑے گھر کا ایک کمرہ اس طور پر کہ اس کو بند کیا جا سکتا ہو اور اس میں دوسری سہولیات ہوں، اس کا تقاضا ہے کہ باورچی خانہ اور بیت الخلاء اس سے ملحق ہو۔

جواب ۲:

مالی معاملات ایک دوسرے سے بالکل الگ ہونے چاہئے، اور اگر مشترک بھی ہو تو ہر چیز معلوم اور متعین ہو کوئی چیز پوشیدہ اور سربستہ نہ ہو، اور زیر کفالت لوگوں کے خرچہ کے لئے فقہی کتابوں میں جو اصول بیان کئے گئے ہیں ان کی رعایت ہونی چاہئے، جس کے مطابق بیوی اور بچوں کا نفقہ باپ پھر واجب ہے، اور اس میں کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں ہوگا (الہندیہ ۱/۵۶۰)۔ اور غیر مالدار والدین کا نفقہ اس کی اولاد پر ہے جس میں بیٹا اور بیٹی دونوں برابر برابر حصہ لیں گے (الموسوعہ الفقہیہ ۴۱/۷۶) والدین کے علاوہ دیگر ذی رحم محرم رشتہ داروں کا نفقہ دینے میں وراثت کا لحاظ رکھا جائے گا، یعنی جس اعتبار سے انہیں اس زیر کفالت شخص کی میراث سے حصہ متعین ہے، اسی اعتبار سے نفقہ واجب ہوگا (ویجب ذالک علی قدر المیراث الہندیہ ۱/۵۶۶)۔

Marfat.com

اگر اولاد میں سے ایک بہت مالدار ہو اور دوسرا نصاب زکات کے بقدر مال کا مالک ہو تو ایسی صورت میں دونوں کو برابر برابر نفقہ دینا ہوگا، جیسا کہ قاضی خاں کی رائے ہے، لیکن شمس الائمہ کہتے ہیں کہ اس فرق کو اس وقت نظر انداز کیا جائے گا، جبکہ دونوں کے معیار میں ہلکا سا فرق ہو، اور اگر بہت زیادہ فرق ہو تو نفقہ دینے میں اس تفاوت کا لحاظ رکھا جائے گا (الہندیہ ۱؍۵۶۵)۔

میرے خیال میں قاضی خاں کی رائے زیادہ مناسب ہے اور اس فرق کا لحاظ نہیں رکھنا چاہئے، اس لئے کہ فرق کا لحاظ رکھنا مشہور ضابطہ: "**الغرم بالغنم**" کے برخلاف ہے، نیز اس کے لئے معیار متعین کرنا بھی بہت دشوار ہے جس کی وجہ سے باہم کشمکش کا اندیشہ ہے۔

زیر کفالت افراد کی تعداد کو نظر انداز کر کے معاہدہ کے ذریعہ اگر ہر شخص پر اس کی وسعت کے مطابق یا برابر اخراجات عائد کردیئے جائیں تو یہ بھی درست ہے، بشرطیکہ ہر شخص خوشدلی سے اس معاہدہ میں شریک ہو، اشعری قبیلہ کی ایک نمایاں خوبی کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إن الأشعريين إذا أرملوا في الغزو أو قل طعام عيالهم بالمدينة جمعوا ما كان عندهم في ثوب واحد، ثم اقتسموه بينهم في إناء واحد بالسوية فهم مني وأنا منهم"۔

(اشعری لوگوں کا جب حالت سفر میں توشہ ختم ہو جاتا ہے یا شہر میں رہتے ہوئے کچھ گھروں میں غلہ کم ہو جاتا ہے تو ان کے پاس جو کچھ ہوتا ہے اسے ایک کپڑے میں جمع کرتے ہیں اور پھر باہم برابر تقسیم کر لیتے ہیں، وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں)۔

مشترکہ خاندانی نظام میں عام طور پر خوش دلی کا جذبہ مفقود ہوتا ہے، معاشرتی دباؤ اور شرما حضوری میں لوگ اس نظام سے بندھے رہتے ہیں، اس لئے اسے ختم ہی کردینا چاہئے۔

جواب (۳) رقم کے تناسب کا اعتبار کیا جائے گا اور اگر کوئی معاہدہ ہے تو اس کی پابندی ضروری ہے۔

Marfat.com

جواب (۴) عہد و پیمان کے مطابق اگر پوری آمدنی حوالے کرنا ہے تو چوری چھپے کچھ پس انداز کرنا جائز نہیں ہے، اور اگر پوری آمدنی دینے کا معاہدہ نہیں ہے تو معاہدہ کے مطابق دینے کے بعد بچی ہوئی رقم کمانے والے کی ملکیت ہوگی۔

جواب (۵) اس سلسلہ میں بھی عہد و پیمان یا عرف ورواج کا اعتبار کیا جائے گا، اور اگر ایسی کوئی صورت نہ ہو تو اس کے حقدار صرف کمانے والے ہوں گے۔

جواب (۷) چہرہ کا پردہ ایک اختلافی مسئلہ ہے، اس لئے بربناء ضرورت قریبی غیر محرم رشتہ داروں سے چہرہ کے پردہ کو مستثنیٰ کیا جاسکتا ہے، اس کے علاوہ پردہ کے دیگر جو حدود ہیں اس کی رعایت ان قریبی رشتہ داروں کے سامنے بھی ضروری ہے۔

جواب (٦) امور خانہ داری اور اس سے متعلق چیزیں عورت کی ذمہ داری میں شامل ہے یا نہیں، یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے، سلف وخلف میں سے ایک جماعت کی رائے ہے کہ گھر سے متعلق امور کی انجام دہی بیوی پر واجب ہے، چنانچہ ابوثور کہتے ہیں کہ عورت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر چیز میں اپنے شوہر کی خدمت کرے "علیها أن تخدم زوجها فی کل شئ" (زاد المعاد ۱۸۷/۵)۔ اسی طرح سے امام مالک سے منقول ہے کہ اگر شوہر تنگ دست ہو تو امور خانہ کی انجام دہی بیوی پر واجب ہے، گرچہ اس کا تعلق امیر، کبیر اور شریف گھرانے سے ہو (فتح الباری ۳۸۴۵/۴)۔ حنفیہ میں سے ابن ہمام نے لکھا ہے کہ اخلاقی طور پر یہ چیزیں عورت پر واجب ہیں قانونی طور پر واجب نہیں ہیں: "إن هذه الأعمال واجبة علیها دیانة ولا یجبرها القاضی" (فتح القدیر ۲۰۱/۴)۔

امام شافعی، امام ابوحنیفہ، اور بعض دوسرے حضرات کی رائے ہے کہ یہ چیزیں عورت پر واجب نہیں ہیں، علامہ ابن قیم نے دونوں طرح کی آراء سے متعلق دلائل کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ:

جس ماحول اور معاشرہ میں قرآن نازل ہوا وہاں کا عرف ورواج یہی تھا کہ عورتیں گھر

Marfat.com

کا کام کیا کرتی تھیں، شوہر بیوی کی خدمت کرے، جھاڑو لگائے، آٹا گوندھے، روٹی پکائے، کپڑا دھلے، اوراس کے علاوہ دیگر گھریلو کام کرے، یہ چیزیں اس معاشرہ میں ''منکر'' کے زمرے میں آتی تھیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف'' (البقرة:۲۲۸)۔

نیز ارشاد باری ہے:

''الرجال قوامون علی النساء''(سورہ نساء:۳۴)۔

اگر عورت کی جگہ مرد کام کرنے لگے تو عورت قوالہ ( ) ہوگی نہ کہ مرد، حالانکہ مذکورہ آیت میں مرد کو قوام بنایا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عورت کا خرچہ، کپڑا، رہائش مرد پر واجب قرار دیا ہے، کس لئے یہ چیزیں مرد پر واجب ہیں، کیا صرف اس لئے کہ مرد اس سے اپنی ضرورت اور خواہش پوری کرتا ہے، لیکن اس چیز میں تو عورت بھی مرد کے ساتھ شریک ہے، دونوں ہر ایک سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور اپنی ضرورت پوری کرتے ہیں، مرد پر یہ ذمہ داری اس لئے ڈالی گئی ہے کہ عورت پر گھر کی ذمہ داری عائد کی گئی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ حدیث میں عورت کو ''قیدی'' کہا گیا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''اتقوا الله فی النساء فإنهن عوان عندکم'' ۔

عورتوں کے سلسلہ میں اللہ سے ڈرو اس لئے کہ وہ تمہارے پاس قیدی کی طرح ہیں۔

اور حضرت اسماء بنت ابی بکر کے متعلق صحیح روایتوں میں ہے کہ وہ اپنے شوہر حضرت زبیر کے گھر کا تمام کام کیا کرتی تھیں، اور اس سے فارغ ہوکر ان کے گھوڑے کی دیکھ ریکھ کرتیں، پانی ڈھو کر لاتیں، اور گھر سے کافی فاصلہ پر جا کر گھوڑے اور اونٹ کے چارے کا نظم کرتیں۔

اسی طرح سے حضرت فاطمہ کے گھریلو کام اور پانی لانے کا واقعہ بہت مشہور ہے، یہاں تک کہ جب کام کا بوجھ بہت بڑھ گیا تو اللہ کے رسول ﷺ کے پاس ایک غلام کی

Marfat.com

ضرورت لیکر آئیں، لیکن اس موقع پر اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت علی سے یہ نہیں کہا کہ یہ سب چیزیں تمہارے ذمہ ہیں، فاطمہ کو پریشان کرنے کی ضرورت نہیں ہے- اسی طرح سے حضرت اسماء کے سر پر چارے اور گھاس کا ٹوکرا دیکھ کر آپ نے حضرت زبیر سے یہ نہیں کہا کہ ان کے ذمہ یہ کام نہیں ہے، یہ ان کے اوپر ظلم ہے، یہ تمہارا کام ہے، تم اسے انجام دو، یا اس کا کوئی انتظام کرو، اسی طرح سے دیگر صحابہ کرام کی بیویاں بھی ان کی خدمت اور گھریلو کام کرتی تھیں، لیکن آپ نے کبھی اسے ناپسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا، بلکہ اس عرف ورواج کو باقی رکھا، حالانکہ یہ بات معلوم ومشہور ہے کہ تمام عورتیں خوش دلی سے یہ کام نہیں کرتی تھیں، بلکہ ان میں بعض ایسی بھی یقینی طور پر ہوں گی جنہیں یہ ناپسند رہا ہوگا۔

جو لوگ اسے واجب نہیں کہتے ان کی دلیل یہ ہے کہ عقد نکاح کا تقاضا صرف یہ ہے کہ مرد عورت سے جنسی فائدہ اٹھائے، خدمت لینا یہ تقاضائے عقد کے برخلاف ہے، اور صحابیات کا امور خانہ داری کو انجام دینا ان کی طرف سے جنسی تعلق رضا کارانہ تعاون ہے، اس طرح کے واقعات کو وجوب کے لئے دلیل بنانا صحیح نہیں ہے (دیکھئے زاد المعاد ۵ / ۱۸۷، ۱۸۸، ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر، ابن القیم الجوزیہ، ط: موسہ الرسالہ، بیروت ۱۹۸۵)۔

علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

علماء کے درمیان یہ اختلافی مسئلہ ہے کہ شوہر کی خدمت عورت پر ضروری ہے یا نہیں، جیسے گھر کی صفائی، ستھرائی شوہر کے لئے کھانے، پینے کا نظم، اس کے غلاموں کے کھانے کا انتظام، اور اس کے جانوروں کے لئے چارہ مہیا کرنا وغیرہ، بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ عورت پر واجب نہیں ہے، یہ ایک کمزور رائے ہے، جیسے کہ ان لوگوں کا قول ضعیف ہے جو کہتے ہیں کہ شوہر پر عورت کے ساتھ رہنا اور صحبت کرنا واجب نہیں ہے، اس لئے کہ یہ معروف معاشرت کے خلاف ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ چیزیں عورت پر واجب ہیں اور یہی صحیح ہے، اس لئے کہ اللہ کی کتاب کے مطابق شوہر عورت کا "سید" ہے اور سنت رسول کے مطابق عورت اس کے پاس قیدی ہے، اور

Marfat.com

غلام اور قیدی پر اپنے مالک کی خدمت واجب ہے، اور اس لئے کہ یہی معروف ہے (دیکھئے فتاوی ابن تیمیہ ۲/ ۲۳۴، ۲۳۵)۔

خلاصہ یہ ہے کہ شوہر کے والدین کی خدمت اصلاً شوہر پر واجب ہے، اسی طرح سے بیٹیوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے والدین کی خدمت کریں، اور بقول علامہ ابن حزم والدین کی خدمت کی ذمہ داری شوہر کے حق سے مقدم ہے (المحلی ۱۱/ ۳۵۹)۔ لیکن اگر شوہر گھر کے باہر کی ذمہ داریوں میں مصروف ہے، تو ایسی صورت میں انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ شوہر سے متعلق چیزوں کی نگہہ داشت عورت کرے، یہ بڑی عجیب بات ہوگی کہ شوہر دن بھر رزق کی تلاش میں سرگرداں رہے اور شام میں آکر اپنے والدین کے لئے کھانا پکائے، اور عورت گھر میں بیکار بیٹھی رہے، اللہ کی کتاب میں ہے کہ عورت کے ساتھ معروف کے مطابق معاشرت اختیار کرو، "وعاشروھن بالمعروف" اور رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے کہ عورت پر شوہر کی اطاعت فرض ہے، اور عام طور پر معروف طریقہ یہی ہے کہ شوہر سے متعلق چیزوں کی دیکھ ریکھ عورت کرتی ہے، چنانچہ حضرت جابرؓ صرف اس مقصد سے ایک شوہر دیدہ عورت سے نکاح کرتے ہیں کہ وہ ان کی کم عمر بہنوں کی تربیت کرے گی "فتزوجت امرأۃ تقوم علیھن وتصلحھن، فقال ﷺ: بارک اللہ لک" (صحیح بخاری/ ۱۱۶۴)۔

Marfat.com

مشترکہ رہائشی خاندانی نظام میں احتیاط وتدبیر کا مسئلہ

مفتی انور علی اعظمی ☆

سوال ۱: اسلام کی نظر میں مشترکہ خاندانی نظام بہتر ہے یا جداگانہ زندگی بسر کرنے کا طریقہ؟

جواب: زندگی گزارنے کے دونوں طریقے اپنے اندر کچھ اچھائیاں رکھتے ہیں اور کچھ خرابیاں، مشترکہ نظام میں بیٹوں یا بھائیوں کی یکجائی محنت اور مشترکہ جدوجہد خاندان کو معاشی استحکام عطا کرتی ہے۔ ایک باپ کے چند بیٹے ہیں اور چند بیٹیاں بھی۔ ایک لڑکا باپ کا سہارا بننے کے قابل ہوا، باقی دوسرے چھوٹے ہیں، باپ نے اس کی شادی کردی، اب اگر وہ جداگانہ خاندانی نظام بنانے میں بہت عجلت کرتا ہے تو ماں باپ کو بہت تکلیف ہوتی ہے اور ایسا کرنا مروت کے خلاف بھی معلوم ہوتا ہے، ایسی صورت حال میں بڑا لڑکا ذرا صبر سے کام لے چھوٹے بھائی بہن اپنا بار برداشت کرنے کے قابل ہوجائیں یا ماں باپ اس پوزیشن میں ہوں کہ ان کی تعلیم اور شادی بیاہ کی ذمہ داریاں آسانی سے سنبھال سکیں تو پھر لڑکے کے لئے اپنا الگ بندوبست کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

علیحدہ خاندانی نظام کی وکالت کرنے والے حضرات یہ کہہ سکتے ہیں کہ لڑکا الگ رہ کر بھی ماں باپ بھائی بہن کی خدمت کرسکتا ہے، لیکن الگ رہ کر خدمت کرنے میں اور ساتھ رہ کر ذمہ داری سنبھالنے میں بین فرق ہے۔ الگ رہنے کی صورت میں عام طور پر بیویاں اہل خاندان

Marfat.com

کی مدد کرنے میں حارج بنتی ہیں اور ساتھ رہنے کی صورت میں بڑا لڑکا اپنے باپ کا دست راست ہوتا ہے اور باپ کے بوجھ کو بانٹنے میں برابر کا شریک ہوتا ہے۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی نے اپنی کتاب ''مشترکہ خاندانی نظام اور اسلام'' میں جداگانہ نظام زندگی کی وکالت میں بہت زور لگایا ہے اور مشترکہ نظام کے معائب ونقائص کی ایک طویل فہرست بیان کردی ہے۔ نفسیاتی، دینی، معاشرتی، مالیاتی، معاشی تمام پہلوؤں سے اسے ناپسندیدہ بتایا ہے، بلکہ مشترکہ خاندانی نظام کو جنسی عدم تسکین کا سبب بھی قرار دیا ہے۔

وہ لکھتے ہیں: '' پھیلے ہوئے گھر اس کی تشنگی اظہر من الشمس ہے۔ جہاں مرد اپنی بیوی سے بچ بچا کر اور دب دبا کر جنسی تسکین کا سامان کرسکتا ہے، جبکہ جنس (Sex) کے سلسلہ میں اسلام کی حساسیت معلوم ہے کہ وہ رشتۂ ازدواج سے باہر جنسی تسکین کو انتہائی سنگین جرم قرار دیتا ہے اور اس کے مرتکب کو سخت ترین سزا کا مستوجب ٹھہراتا ہے''۔ ہوسکتا ہے کہ مولانا اصلاحی صاحب کو مشترکہ خاندان میں کچھ زیادہ تلخیوں سے سابقہ پڑا ہو جس کی وجہ سے تحریر میں کچھ شدت پیدا ہوگئی ہے، لیکن جنسی تشنگی کی شکایت سمجھ میں نہیں آئی یہ تو میاں بیوی کا تنہائی کا معاملہ ہے، اس میں بچنے بچانے اور دبنے دبانے کی کیا ضرورت ہے۔

مشترکہ خاندانی نظام برصغیر میں ایک معہود اور معروف چیز ہے، اسے بالکل غیر شرعی نامعقول اور ناقابل قبول نہیں کہا جاسکتا اور ایک غریب باپ کو اس امر کا مکلف نہیں بنایا جاسکتا کہ وہ ہر لڑکے کی شادی سے پہلے الگ مکان مہیا کرے اور شادی کرکے اسے الگ کردے، ابھی تو جہیز نے لڑکیوں کی شادی میں جو رکاوٹ پیدا کی ہے وہ کچھ کم نہیں، اگر مکان کا مسئلہ کھڑا کردیا گیا تو یہ رہی سہی کسر پوری کردے گا۔

اس لئے چند بھائی خوش اسلوبی کے ساتھ جب تک گزارہ کرسکتے ہوں مشترکہ خاندانی نظام میں کوئی حرج نہیں اور جب خاندان بڑا ہوجائے اور دوریاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو اپنے معاملات صفائی کے ساتھ حل کرکے الگ الگ ہوجائیں۔

Marfat.com

اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ اگر چند بھائیوں کا کاروبار مشترک ہے اور کھانا پینا الگ الگ ہے تو یہ اشتراک زیادہ دنوں تک باقی رہتا ہے۔ اس صورت میں کاروبار سے حاصل شدہ آمدنی سالانہ حساب کر کے ہر بھائی کے نام برابر برابر ڈال دی جائے اور اپنی اپنی ضرورت کے مطابق اس میں سے لیتے رہیں۔ یہ مشترکہ نظام زیادہ دنوں تک چل سکتا ہے۔

سوال نمبر ۲: اگر مشترکہ خاندان ہو اور افراد خاندان کی ضروریات کے لئے سب مل کر خرچ دیں، کسی کے بچے زیادہ ہوں اور کسی کے کم ہوں، تو کیا ان سب پر برابر اخراجات عائد کئے جائیں گے یا ان کے بچوں کی تعداد کے لحاظ سے؟

جواب: مسئلہ کی مختلف صورتیں ہیں ایک صورت تو یہ ہے کہ خاندان کے اشتراک کے ساتھ آمدنی کے ذرائع بھی مشترک ہوں اور سب کا کاروبار یکجا ہو، جیسے کہ عام طور پر باپ کی زندگی میں چند بیٹے ایک ساتھ رہتے ہیں اور ایک ساتھ کاروبار کرتے ہیں، باپ کے انتقال کے بعد بھی یہ صورت حال کچھ دنوں تک باقی رہتی ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ چند بھائیوں کے آمدنی کے ذرائع الگ الگ ہوں کوئی ملازمت کرتا ہو، کوئی کاروبار کرتا ہو، کوئی کھیتی کرتا ہو، پہلی صورت میں جب تک بھائیوں کے درمیان مشترک کاروبار باہمی رضامندی کے ساتھ چلتا ہے اس سے افراد خاندان کی ضروریات پوری ہوتی ہیں اور کم اولاد والا اپنے دل میں زیادہ بچوں والے بھائی کے لئے گنجائش رکھتا ہے اور جب تک یہ گنجائش باقی رہتی ہے اشتراک باقی رہتا ہے، اس صورت میں اگرچہ کاروبار میں سب برابر کے حقدار ہیں، لیکن کم وبیش خرچ پر کسی کو اعتراض نہیں ہوتا، اس لئے اسے تبرع اور احسان پر محمول کیا جائے گا، دوسری صورت میں، جبکہ آمدنی کے ذرائع الگ الگ ہوں اس کے باوجود بھی چند بھائی ایک ساتھ رہتے ہیں اور ان کے بچوں کی تعداد بھی کم وبیش ہے تو اخلاقی طور پر جس کے بچوں کا خرچ زیادہ ہے اسے زیادہ دینا چاہئے اور جس کا خرچ کم ہو اسے کم دینا چاہئے، لیکن اس صورت میں بچوں کی تعداد کے حساب سے جوڑ کر ہر ایک سے خرچ وصول کرنا مشترکہ خاندانی روایات کے خلاف ہے۔ عام طور پر زیادہ آمدنی والا

Marfat.com

زیادہ دیتا ہے، کم آمدنی والا کم دیتا ہے، کھیتی کرنے والا افراد خانہ کے لئے غلہ مہیا کرتا ہے، کاروبار اور ملازمت کرنے والا بھائی اپنے پیسے سے گھر کی دوسری ضروریات پوری کرتا ہے اور یہ معاملہ بھی آپس کی بھائی چارگی ایک دوسرے کی ہمدردی کے انداز پر چلتا رہتا ہے، اس صورت میں بھی نہ تو بچوں کی تعداد کے لحاظ سے جوڑ کر پیسے لئے جاتے ہیں اور نہ سب کو مشترکہ خرچ میں برابر برابر کا ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے، خاندانی اشتراک کی یہ صورت آپسی رضامندی کے ساتھ چلتی رہتی ہے، اس لئے اس کو بھی زیادہ کمانے والے بھائی کا کم کمانے والے بھائی پر تبرع اور احسان ہی کہا جاسکتا ہے۔

سوال ۳: ایسی صورت میں اگر مختلف بھائیوں نے مل کر اپنے والد یا کسی بھائی کے پاس آمدنی جمع کی ہو اور گھر کے اخراجات سے بچی ہوئی رقم سے کوئی چیز خریدی ہو تو اس میں سبھوں کا حصہ برابر ہوگا یا ہر ایک کی آمدنی کے لحاظ سے ہوگا۔

جواب: اس صورت میں بچی ہوئی آمدنی سے جو چیز خریدی جائے گی اس میں سب کا حصہ برابر ہوگا اور آمدنی کی کمی زیادتی کا اعتبار نہیں ہوگا، چنانچہ شرکت فاسدہ کے بیان میں شامی میں مذکور ہے: "وكذا لو اجتمع إخوة يعملون فى تركة أبيهم، ونمى المال فهو بينهم سوية، ولو اختلفوا فى العمل والرأى" (ردالمحتار ۶/۳۹۲، مطبع دارالکتاب دیوبند)۔

سوال ۳: ایسی صورت میں اگر مختلف بھائیوں نے مل کر اپنے والد یا کسی بھائی کے پاس آمدنی جمع کی ہو اور گھر کے اخراجات سے بچی ہوئی رقم سے کوئی چیز خریدی ہو تو اس میں سبھوں کا حصہ برابر ہوگا، یا ہر ایک کی آمدنی کے لحاظ سے ہوگا۔

جواب: اس صورت میں بچی ہوئی آمدنی سے جو چیز خریدی جائے گی اس میں سب کا حصہ برابر ہوگا اور آمدنی کی کمی زیادتی کا اعتبار نہیں ہوگا، چنانچہ شرکت فاسدہ کے بیان میں شامی میں مذکور ہے: "وكذا لو اجتمع اخوة يعملون فى تركة أبيهم ونمى المال فهو بينهم سوية، ولو اختلفوا فى العمل والراى" (ردالمحتار ۶/۳۹۲، مطبع دارالکتاب دیوبند)۔

Marfat.com

اسی طرح کی ایک صورت حال کا جواب قاضی مجاہدالاسلام مرحوم نے دیا ہے، ہمارے سماج میں عام طور پر یہ بات معروف ہے، چند بھائی اجمالی خاندان کی طرح رہتے ہیں، ان میں کوئی زیادہ کماتا ہے کوئی کم، کوئی کماتا ہی نہیں۔ کوئی پڑھنے لکھنے میں مشغول ہے، کوئی کھیتی باڑی دیکھتا ہے، کوئی نوکری کرتا ہے۔ مشترک جائداد ہے اس کی آمدنی بھی گھر پر صرف ہوتی ہے، کمانے والے کو نوکری یا تجارت سے جو آمدنی حاصل ہوتی ہے وہ بھی گھر پر خرچ ہوتی ہے، کچھ عرصہ تک تو گھر بغیر حساب کتاب بہت اچھی طرح چلتا ہے، لیکن پھر میں اور تو، میرے اور تیرے کا جھگڑا شروع ہو جاتا ہے، معاملات واضح نہیں رہتے کوئی شخص اپنی آمدنی سے حاصل جائداد کو اپنی ذاتی قرار دیتا ہے، دوسرے اسے مشترک قرار دے کر اس میں حصہ کے طالب ہوتے ہیں۔ ان حالات میں سخت بگاڑ پیدا ہوتا ہے، اس لئے آپ کے لئے مندرجہ بالا حالات میں مشورہ یہ ہے کہ آپ دیگر بھائیوں کو بٹھا کر پورے معاملات صاف کر لیجئے اور پھر اپنی ذاتی آمدنی سے جو کچھ خریدنا ہو خرید لئے، اب تک جو کچھ حاصل ہوا ہے اسے مشترک مانئے، کس پر کم خرچ ہوا کس پر زیادہ خرچ ہوا یہ ہرگز نہ جوڑیئے (فتاوی قاضی: ۲۳۶)۔

سوال ۴ (الف): اگر تین بھائی ہوں دو بھائی اپنی پوری تنخواہ مثلاً دس دس ہزار روپئے گھر میں دیتے ہیں اور ایک بھائی بیس ہزار کماتا ہے وہ بھی دس ہزار گھر میں دیتا ہے اور دس ہزار الگ بچا کر رکھتا ہے تو وہ بچی رقم صرف اس کی ملکیت ہوگی یا تمام بھائیوں کی۔

جواب: آمدنی کم وبیش ہونے کی صورت میں اشتراک کے وقت معاملہ واضح اور صاف ہونا چاہئے، مذکورہ بالا مسئلہ کی دو صورت ہے ایک یہ کہ بھائیوں میں صراحتاً یہ طے ہوا کہ ہر ایک اپنی پوری کمائی مشترکہ نظام کے حوالے کرے گا، اس صورت میں بغیر بتائے بچا کر رکھنا خیانت ہے اور اس بچی ہوئی رقم میں سب حصہ دار ہیں، دوسری صورت یہ ہے کہ ساتھ رہنے والے تینوں بھائی آپس میں یہ طے کر لیں کہ ہم سب گھریلو خرچ کے لئے دس دس ہزار روپیہ دیں گے اور ہر ایک اس پر راضی ہے، دونوں بھائی یہ جانتے ہیں کہ تیسرے کی کمائی بیس ہزار روپیہ ہے،

Marfat.com

دس ہزار دینے کے بعد بقیہ دس ہزار وہ بچا کر رکھتا ہے اس صورت میں وہ بچی ہوئی رقم تنہا ایک بھائی کی ہوگی، کیونکہ اس تیسرے نے اپنی کمائی کا روپیہ دونوں بھائیوں کی مرضی سے بچایا ہے، ان کے درمیان ایسا کوئی معاہدہ نہیں تھا کہ ہر ایک اپنی پوری کمائی مشترکہ نظام کے حوالے کرے گا، بلکہ پہلے سے ایک دوسرے کی آمدنی کی مقدار جاننے کے باوجود یہ طے کیا گیا کہ ہر ایک دس دس ہزار روپیہ دے گا، مسئلہ کی ایک تیسری صورت بھی ہے کہ تین بھائی ایک ساتھ رہتے ہوں اور صراحتاً کچھ طے نہ ہو تو اس صورت میں ایک بھائی کی بچی ہوئی رقم مشترک مانی جائے گی اور اس میں سب حصہ دار ہوں گے۔

سوال ۴: اگر خاندان کے کچھ افراد کماتے ہیں اور کچھ گھر کے کام دیکھتے ہیں اور اس طرح گھر کا کام چلتا ہے تو کیا کمانے والے حضرات کی آمدنی میں کام کرنے والے حضرات بھی برابر کے حقدار ہوں گے۔

جواب: چند بھائی اگر ایک ساتھ رہتے ہیں تو فطری طور پر سب ایک جیسے نہیں ہو سکتے اور سب ایک برابر کام نہیں کر سکتے، بڑے کاروبار کو سنبھالنے کے لئے چند بھائیوں کے درمیان تقسیم کار بھی ضروری ہے، مثلاً کوئی بھائی دکان پر بیٹھ کر لین دین کی ذمہ داری سنبھالتا ہے، کوئی مال کی سپلائی اور پیسے کی وصولی کے لئے بھاگ دوڑ کرتا ہے، کوئی فیکٹری میں مزدوروں کی نگرانی کرتا ہے، کوئی گھر کے کام کاج دیکھتا ہے۔ اس صورت میں کمائی سب کے درمیان مشترک ہوگی اور سب برابر کے حقدار ہوں گے، اس لئے کہ گھر کا کام دیکھنے والا ایک ذمہ داری سنبھال کر دوسروں کو کمانے کے لئے فارغ کرتا ہے اور اگر وہ ایسا نہ کرتا تو انہیں کمانے کے لئے یکسوئی حاصل نہیں ہو پاتی۔ اس لئے وہ کمانے والے بھائیوں کی آمدنی میں برابر شریک ہوگا۔

سوال نمبر ۵: جب بیٹیاں اپنے سسرال چلی جائیں اور ماں کو اپنی ضروریات کے لئے تعاون کی ضرورت ہو اور وہ تعاون ایسا ہو جس کو بیٹا خود انجام نہ دے سکتا ہو، تو بہو پر اس خدمت کو بجالانا واجب ہوگا یا نہیں؟

Marfat.com

جواب ۵۔ شیخ وہبہ زحیلی اپنی کتاب ''الفقہ الاسلامی وادلتہ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

تجب نفقة الوالدين وإن علوا عند الجمهور لقوله تعالىٰ: "وقضى ربك ألا تعبدوا إلا إياه وبالوالدين إحسانا" ومن الإحسان أن ينفق عليها عند الحاجة، وقوله عزوجل: "وصاحبهما في الدنيا معروفاً" ومن المعروف الإنفاق عليهما لو كانا مخالفين فى الدين، فإنها نزلت فى الأبوين الكافرين، وليس من المعروف أن يعش إنسان فى نعم الله تعالىٰ ويترك أبويه يموتان جوعاً (الرقم ۸۳۰/۷)۔

شیخ وہبہ زحیلی نے ''فتح القدیر، البدائع، الشرح الصغیر، المغنی'' متعدد کتابوں کے حوالے سے یہ بات لکھی ہے کہ والدین کا نفقہ اولاد پر واجب ہے، چاہے وہ ماں باپ ہوں یا دادا دادی، اور جمہور کا مسلک یہی ہے، والدین کی تشریح میں جمہور کے نزدیک آباء، اجداد، امہات، جدات یہ سب شامل ہیں، اس لئے کہ لفظ ''اب'' کا اطلاق جد پر بھی ہوتا ہے اور ام کا اطلاق جدہ پر بھی، البتہ امام مالک کے نزدیک جن اصول کا نفقہ اولاد پر واجب ہے وہ اصل باپ اور ماں ہیں۔ اجداد اور جدات اس میں شامل نہیں، لیکن صحیح جمہور کا قول ہے، چنانچہ تفصیل کے بعد اس کی وضاحت کیا ہے کہ: "والصحیح هو قول الجمهور"۔

اصول پر انفاق کے واجب ہونے کے لئے چند شرطیں ہیں:

۱- اصول، یعنی ماں باپ وغیرہ فقیر ہوں یا کمانے سے عاجز ہوں پھر اگر وہ کمانے پر قادر ہوں، لیکن کماتے نہیں جب بھی حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک ان کا نفقہ اولاد پر واجب ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ احسان کا حکم دیا ہے اور لڑکے کے غنی ہونے کی صورت میں باپ کو کمانے پر مجبور کرنا احسان کے خلاف بھی ہے اور ان کی ایذاء رسانی بھی۔ البتہ مالکیہ اور حنابلہ کے یہاں اگر باپ کمانے پر قادر ہے تو اسے کمانے پر مجبور کیا جائے گا اور اس کے نفقہ کی ذمہ داری اولاد پر نہیں ڈالی جائے گی (حوالہ سابق ۸۳۱)۔

Marfat.com

۲- اصول کے نفقہ کے واجب ہونے کے لئے دوسری شرط ہے کہ اولاد مالدار ہو یا کمانے پر قادر ہو جمہور کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ اولاد کا مال یا اس کی کمائی اس کی اپنی ضروریات سے فاضل ہو اور جس کے پاس اپنی ضروریات سے فاضل مال نہ ہو اس پر کچھ واجب نہیں۔

۳- حنابلہ کی رائے میں نفقہ کے واجب ہونے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ منفق منفق علیہ کا وارث ہو، اس لئے ان کے نزدیک اختلاف دین کی صورت میں نفقہ واجب نہیں ہوگا۔ لیکن حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ ایجاب نفقہ کے لئے اتحاد دین کی شرط نہیں لگاتے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وإن جاهداک علی أن تشرک بی مالیس لک به علم فلا تطعهما وصاحبهما فی الدنیا معروفا" (سورہ لقمان:۱۵)، یہ آیت مشرک ماں باپ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے، قدرت کے ہوتے ہوئے ان کو کھانے پینے سے محروم رکھنا معروف کے خلاف ہے (حوالہ سابق ۸۳۲)۔

والدین کا نفقہ بیٹوں کے ساتھ بیٹیوں پر بھی واجب ہے:

اصول کا نفقہ ولد پر واجب ہے اور عربی زبان میں لفظ ولد کا اطلاق مذکر مونث دونوں پر ہوتا ہے۔ اس لئے حنفیہ کے نزدیک بیٹے اور بیٹیاں اپنے ماں باپ کے خرچ میں برابر کے ذمہ دار ہیں۔

"تجب نفقة الأصول علی الولد لا یشارکه فی نفقة أبویه أحد؛ لأنه أقرب الناس إلیهما، فکان أولی باستحقاق نفقتهما علیه، وهی عند الحنفیة علی الذکور والإناث بالسویة؛ لأن المعنی یشتملهما" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/۸۳۲- عالمگیری ۲/۱۵۱)۔

"بڑھاپے میں ساس کی خدمت بہو کی اخلاقی ذمہ داری ہے"۔

جب تک لڑکیاں گھر پر رہتی ہیں ماں کی خدمت کی سب سے زیادہ ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے۔ خاص طور پر زندگی کے اخیر ایام میں جب وہ اپنی ضروریات کے لئے خود کفیل نہ

Marfat.com

ہوں پیشاب، پاخانہ کے لئے نہ جاسکتی ہوں تو وہ ایک نازک ترین مرحلہ ہوتا ہے، اس وقت بیٹیاں سب سے زیادہ ماں کی خدمت کے لئے مناسب ہیں۔ اگر بیٹیاں اپنے سسرال جاچکیں ہوں اور پوتیاں اس لائق ہوں تو وہ بھی بیٹیوں ہی کے حکم میں ہیں، لیکن اگر کہیں ایسی صورت حال ہو کہ گھر میں بیٹیاں ہوں نہ پوتیاں تو اخلاقی طور پر بہو اسکی ذمہ دار ہے، البتہ فقہاء کی باتوں سے اس مسئلہ کا ایک اور حل بھی سمجھ میں آتا ہے کہ اگر بیٹیاں خوشحال ہیں اور باپ کو کوئی ایسی بیماری ہے کہ وہ اپنی ضروریات خود پوری نہیں کرسکتا اور اس کے لئے اسے خادم کی ضرورت ہے تو بیٹے کو باپ کے خادم کے خرچ پر بھی مجبور کیا جائے گا۔ اس سے یہ مفہوم حاصل ہورہا ہے کہ بیٹے یا تو اپنی بیویوں کو ماں کی خدمت میں لگائیں اور اگر بہوویں اس کام کو انجام دینے سے گریز کرتی ہیں تو بیٹے ماں کے لئے کسی خادمہ کا بندوبست کریں (عالمگیری ۱۵۱/۲) پر مذکور ہے: "إلا أن يكون بالأب علة لا يقدر على خدمة نفسه ويحتاج إلى خادم يقوم بشانه يخدمه، فحينئذ يجبر الابن على نفقة خادم الأب منكوحة أو أمة، كذا في المحيط"۔

سوال ۶: مشترک خاندان میں چچازاد بھائی بہن یا اس طرح کے دوسرے قریبی رشتہ داروں کے درمیان پردہ کے کیا احکام ہوں گے؟

جواب: مولانا یوسف لدھیانوی مرحوم نے اسی طرح کے ایک سوال کا یہ جواب دیا۔

اجنبی نامحرموں سے چاردیواری کا پردہ ہے اور جو نامحرم رشتہ دار ہوں عورت ان کے سامنے جانے پر مجبور ہو ان سے چادر کا پردہ لازم ہے، اس کی تفصیل حضرت تھانوی کی "تعلیم الطالب" سے نقل کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ "جو رشتہ دار شرعاً محرم نہیں، مثلاً خالہ زاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد، بھائی یا بہن یا دیور وغیرہ، جوان عورت کو ان کے روبرو آنا اور بے تکلف باتیں کرنا ہرگز نہ چاہئے، جو مکان کی تنگی یا ہر وقت کی آمد و رفت کی وجہ سے گہرا پردہ نہ ہوسکے، تو سر سے پاؤں تک تمام بدن کسی میلی چادر سے ڈھانک کر شرم و لحاظ سے بضرورت روبرو آجائے اور کلائی، بازو اور سر کے بال اور پنڈلی ان سب کا ظاہر کرنا حرام ہے، اسی طرح ان لوگوں کے روبرو عطر لگا کر

Marfat.com

آنا عورت کو جائز نہیں اور نہ بجتا ہوا زیور پہنے (تعلیم الطالب۔آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳۶/۸)۔

حضرت تھانویؒ کی بات بہت اونچی ہے، لیکن اس پر عمل دشوار ہے۔

ایک گھر میں رہتے ہوئے مکمل پردہ بہت مشکل ہے وہ بھی ایسی صورت میں جبکہ بچپن سے ایک ساتھ رہے ہوں کھلے ہوں اور آج بھی ایک چار دیواری میں گزارا ہو رہا ہو تو محض اس تصور سے کہ چچازاد بھائی گھر میں آرہا ہے فوراً چادر اوڑھ لینا بہت ہی اونچے تقوی کے ساتھ ممکن ہوسکتا ہے، شریعت میں عموم بلوی کی بناء پر حکم میں کچھ سہولت دی جاتی ہے، یہاں بھی اسی طرح کی مجبوری ہے گھر کا کام کاج بھی کرنا ہے، چچازاد بھائیوں کا ہر وقت آنا جانا ہے اس لئے آمنا سامنا ہوسکتا ہے اجنبی لڑکے اور لڑکی کا جب آمنا سامنا ہوتا ہے اس وقت کیفیت دوسری ہوتی ہے اور ایک گھر کے لڑکے ولڑکی کا معاملہ اس سے کچھ مختلف ہوتا ہے۔

البتہ ضروری ہے کہ ایک کمرہ میں تنہا نہ رہیں، جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے (لایخلون رجل بامرأة لیس منها بسبیل فان ثالثهما الشیطان، رواہ الترمذی بحوالہ ہدایہ ۴۴۶/۴) کی ہدایت کی ہے، آپس میں بہت بے تکلفی نہ ہو، اور گھر کے بڑے لوگ جوان لڑکے لڑکیوں پر نظر بھی رکھیں، گھر کے ذمہ داروں کی نگرانی اور گھر کی تربیت برائیوں سے دور رکھنے میں بہت مؤثر رول ادا کرسکتی ہے، اس دور میں ہزاروں دوریوں کے باوجود موبائل ایک دوسرے سے قریب کر دیتا ہے۔

بہت دور رہنے والوں کے لئے بھی ملنا کچھ مشکل نہیں اور چہار دیواری میں رہنے والے بھی بچنا چاہیں تو بچ سکتے ہیں، حقیقت میں برائی کا احساس اور اللہ کا ڈر آدمی کو برائی سے بچاتا ہے۔

Marfat.com

مشترکہ خاندانی نظام-شرعی نقطۂ نظر سے

مولانا اختر امام عادل قاسمی ☆

اللہ پاک نے اس روئے زمین کو انسانوں سے آباد کیا، ان کے آپس میں رشتے ناطے قائم کئے، ایک دوسرے کے ساتھ ضرورتیں وابستہ کیں، باہم تعارف کے لئے خاندانوں اور معاشروں کا سلسلہ جاری کیا، اور حقوق وفرائض کا ایک کامل نظام عطا فرمایا، یہ سب چیزیں ظاہر کرتی ہیں کہ انسان باہم مربوط بھی ہے اور ان کے درمیان کچھ فاصلے بھی ہیں، انسان بہت سے سماجی اقدار وروایات کا پابند بھی ہے اور اپنی پرائیوٹ زندگی میں بہت حد تک آزاد بھی، یہ دونوں چیزیں توازن کے ساتھ ہوں تو گھر اور معاشرہ جنت نظیر بن جاتا ہے اور توازن بگڑ جائے تو وہی گھر اور سماج جہنم کا نمونہ بن جاتا ہے۔

انسانی فطرت:

انسان فطری طور پر حریت پسند واقع ہوا ہے، وہ سخت اجتماعیت میں بھی انفرادیت کا خواہاں ہوتا ہے اور بے پناہ مشغولیت میں بھی تنہائی کا متمنی ہوتا ہے، اللہ پاک نے انسان کی عجیب خلقت بنائی ہے وہ سب کے ساتھ رہتے ہوئے بھی اکیلا رہنا چاہتا ہے اور تنہائی میں بھی وہ اکیلا نہیں ہوتا، ہر شخص کی اپنی شناخت ہے، اپنا ذوق اور مزاج ہے، اپنے مسائل اور ضروریات ہیں اور کوئی شخص زندگی کے کسی بھی مرحلے پر اس کے لئے ہرگز رضامند نہیں ہے کہ اس کی شناخت گم ہو جائے اور اس کے ذوق ومزاج اور شخصی مسائل کو دوسروں کی خاطر نظر انداز کیا جائے،

☆ مہتمم جامعہ ربانی منورواشریف، سمستی پور بہار۔

Marfat.com

ہر اعتدال پسند انسان چاہتا ہے کہ وہ دوسروں کے کام آئے، مگر دوسروں کے لئے خود اس کی شخصیت فنا نہ ہو جائے، عام انسانی اقدار کا لحاظ واحترام ضروری ہے، مگر اس کی اپنی پرائیویسی بھی ختم نہ ہو، وہ دنیا کے ہر رنگ ونوع کو قبول کرنے کو آمادہ ہے، مگر اس کا اپنا امتیاز بھی برقرار رہنا چاہئے، انسان کے اسی مزاج اور طبقاتی اور خاندانی رنگارنگی کے اسی راز کو قرآن کریم نے مختصر اور بلیغ انداز میں اس طرح بیان کیا ہے:

"وجعلناکم شعوباً وقبائل لتعارفوا" (الحجرات: ۱۳)۔

(اور ہم نے تمہارے اندر مختلف جماعتیں اور خاندان بنائے، تاکہ تم باہم پہچانے جاؤ)۔

خاندان کی اہمیت:

☆ خاندان اللہ کی بڑی نعمت ہے، اس میں انسان کے لئے سامان مؤدت بھی ہے اور اس کی پشت پر بہت بڑی قوت بھی، اس سے انسان کی شناخت بھی وابستہ ہے اور جاری اقدار وروایات کا تسلسل بھی، خاندانی پس منظر انسان کے لئے ڈھال کی حیثیت رکھتا ہے، اس کے بغیر انسان کٹی پتنگ کے مانند ہے اور زندگی کے منجھدار میں گویا وہ ایک بے پتوار کی کشتی پہ سوار ہو، حضرت شعیبؑ کے قصہ میں یہی خاندانی قوت کافروں کے پاؤں کی زنجیر بن گئی تھی، ان کی زبان سے نکلا ہوا یہ جملہ ان کی اسی بے بسی کا غماز ہے:

"ولو لا رھطک لرجمنک وما أنت علینا بعزیز قال أرھطی أعز علیکم من اللہ الآیة" (ہود: ۹۱-۹۲)۔

(اگر تمہارے کنبہ کے لوگ نہ ہوتے تو ہم تم کو سنگسار کردیتے، ہمارے نزدیک تمہاری کوئی عزت نہیں ہے، حضرت شعیبؑ نے فرمایا کیا اللہ کے مقابلہ میں میرا کنبہ تمہارے نزدیک زیادہ باعزت ہے؟)۔

حضور اکرم ﷺ کی مکی زندگی میں شعب ابی طالب کا واقعہ خاندانی وحدت کی

Marfat.com

بہترین مثال ہے، جس میں مذہب کی قید کے بغیر خاندان بنو ہاشم کے ہر فرد نے شرکت کی (طبقات ابن سعد ۱/۱۳۹، سیرت ابن ہشام ۱/۱۲۲)۔

اسی طرح دار الندوہ میں حضور ﷺ کے (معاذ اللہ) منصوبۂ قتل پر قریش کو دس بار سوچنا پڑا تھا کہ کہیں پورا بنی عبد مناف مقابلہ پر نہ آجائے اور پھر یہ تجویز پاس ہوئی کہ تمام قبائل کے لوگ اس میں شریک ہوں اور ہر قبیلہ سے ایک شخص اس کام میں نمائندگی کرے (طبقات ابن سعد ۱/۱۵۲)۔

حضور ﷺ کے مقاطعہ کے پیچھے بھی جو اصل محرک کارفرما تھا وہ بنو ہاشم کی خاندانی قوت کو کمزور کرنا اور بالآخر حضور ﷺ کی آواز کو بے اثر کرنا،......

اس سے خاندان کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے، اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح انسان کی ذاتی زندگی کے لئے خاندان کی ضرورت ہے اسی طرح دینی مقاصد میں بھی اس کی بڑی اہمیت ہے۔

قربت میں اعتدال کی ضرورت:

مگر اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ باہم معاملات میں جس قدر صفائی اور قربت میں جتنا اعتدال ہوگا یہ رشتہ اتنا ہی زیادہ مستحکم اور دیرپا رہے گا، یعنی قربت اور قرابت میں بھی فاصلہ برقرار رہنا چاہئے، بہت زیادہ نزدیکی رشتوں کو کاٹتی ہے، حد سے زیادہ قربت دلوں میں دوریاں پیدا کردیتی ہے، اور اندھا اعتماد جلد ٹوٹ جاتا ہے، اسی اعتدال کا سبق ہمیں ایک حدیث پاک میں ملتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"تعاملوا کالأجانب وتعاشروا کالإخوان" (الحدیث)۔

(آپس میں معاملات اجنبیوں کی طرح کرو اور رہن سہن بھائیوں کی طرح رکھو)۔

مشترکہ خاندانی نظام بہتر نہیں ہے:

اس تناظر میں میری حقیر رائے یہ ہے کہ عام لوگوں کے لئے مشترکہ خاندانی نظام کے

Marfat.com

بالمقابل جداگانہ خاندانی نظام بہتر ہے، مسئلہ جواز وعدم جواز کا نہیں ہے، بلکہ اس کا ہے کہ ایک عام انسان کے لئے کون سا طرز زندگی بہتر ہے، وہ۔ جس میں خاندان کے تمام افراد ایک ساتھ رہیں، ایک ساتھ کاروبار کریں اور ایک دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھائیں، یا وہ نظام جس میں خاندان کے تمام لوگ اپنی رہائش، کھانے پینے اور کاروبار میں آزاد ہوں، لیکن اس کے باوجود وہ باہم مربوط بھی ہوں اور ہر رنج وغم میں ایک دوسرے کے شریک ہوں......؟ میری رائے میں عام حالات میں مشترکہ خاندانی نظام بہتر نہیں ہے، اس میں متعدد ایسی قباحتیں ہیں جن سے جداگانہ نظام محفوظ ہے، اسباب کی تفصیل درج ذیل ہے:

اسباب ووجوہات:

(۱) شرعی حدود کی جتنی رعایت جداگانہ نظام میں ممکن ہے، مشترکہ خاندانی نظام میں نہیں، کئی ایسے مراحل ہیں جن میں مشترکہ نظام شرعی حدود کو قائم رکھنے میں ناکام ثابت ہوتا ہے، مثلاً:

☆ کاروبار، اس میں شراکت اگر پوری امانت ودیانت کے ساتھ ہو تو بڑی باعث برکت ہے، احادیث میں اس کی ترغیب آئی ہے، ابوداؤد کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ید اللہ مع الشریکین مالم یتخاونا، فإذا تخاونا محقت تجارتهما، فرفعت البركة منها" (رواہ ابوداؤد؛ مشکوۃ ص ....)۔

(شرکاء کے ساتھ اللہ کی مدد ہوتی ہے جب تک کہ خیانت نہ کریں خیانت کریں گے تو ان کی تجارت ختم کردی جائے گی اور برکت اٹھالی جائے گی)۔

"عن أبی هريرةؓ رفعهٗ قال: إن الله عز وجل يقول: أنا ثالث الشريكين ما لم يخن أحدهما صاحبهٗ فإذا خانهٗ خرجت من بينهما" (رواہ ابوداؤد؛ مشکوۃ باب الشرکۃ ۲۵۴)۔

(حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوع طور پر منقول ہے کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ میں دو شرکاء

Marfat.com

کے درمیان تیسرا ہوتا ہوں بشرطیکہ ان میں سے کوئی خیانت نہ کرے اگر کوئی خیانت کرتا ہے تو میں بیچ سے نکل جاتا ہوں)۔

اس کی اہمیت اس لئے بھی زیادہ ہے کہ شراکت کے کاروبار میں افرادی قوت کے ساتھ دماغی قوت بھی دوچند ہو جاتی ہے، جس سے کاروبار کی ترقی کے امکانات بڑھ جاتے ہیں، ...... مگر شرکت کے ساتھ امانت و دیانت کو قائم رکھنا آسان بات نہیں ہے، ایک تو خود تجارت ہی پوری دیانت داری اور سچائی کے ساتھ بہت مشکل ہے اس میں بھی شراکت کی تجارت، بہت کم ایسی مثالیں ہیں جن میں پوری دیانت اور امانت کے ساتھ شراکت کا کاروبار بحسن وخوبی تادیر جاری رہا ہو، بالخصوص اس دور میں جب کہ مسلمانوں کے اکثر طبقات میں دیانت وامانت کا بحران پایا جاتا ہے...... یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ شراکت کے کسی معاملے میں خواہ وہ قریب ترین رشتہ داروں ہی کے درمیان ہو ہر فریق تمام شرعی حدود کا لحاظ رکھ سکے گا، اور کسی طرف سے کوئی خیانت پیش نہیں آئے گی، کسی کی کوئی حق تلفی نہیں ہوگی، کسی کو کسی سے کوئی آزار نہیں پہنچے گا، اس لئے حق تلفی، ایذا رسانی اور خیانت کے ان مضبوط اندیشوں سے بچنے کا محفوظ راستہ یہی ہے کہ انسان جہاں تک ممکن ہو کوئی بھی کاروبار انفرادی سطح پر کرے یا کم سے کم لوگ اس میں شریک ہوں، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

"المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ" (رواہ الترمذی والنسائی؛ مشکوۃ ر ۱۵)۔

(مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں)۔

علاوہ ازیں شرکت کی تمام تر فضیلت وبرکت، دیانت کی بنیاد پر ہے اگر دیانت وامانت ہی مفقود یا مشتبہ ہو جائے تو کس بنیاد پر فضیلت ہوگی؟ اور اگر دیانت وامانت موجود ہو تو تنہا تجارت بھی فضیلت سے خالی نہیں، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"التاجر الصدوق الأمین مع النبیین والصدیقین والشھداء" (رواہ الترمذی والدارمی؛ مشکوۃ باب المساہلۃ فی المعاملۃ ر ۲۴۳))۔

Marfat.com

(سچا اور ایمان دار تاجر انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا)۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ مشترک طور پر رہنے میں بالعموم غیر محرموں سے مکمل شرعی پردہ کا اہتمام نہیں ہو پاتا، بلکہ بسا اوقات اس کا تصور بھی ختم ہو جاتا ہے جو ایک بڑی شرعی قباحت ہے ،جس کو مشترکہ طرز رہائش سے ختم کرنا بہت مشکل ہے، انفرادی طرز رہائش میں جس میں زیادہ سے زیادہ والدین شامل ہوں اس قباحت سے آدمی محفوظ رہ جاتا ہے، اور انسان چاہے تو پوری طرح شرعی پردہ کا اہتمام کرسکتا ہے۔

حضور ﷺ کا گھریلو نظام:

(۳) جداگانہ خاندانی نظام نبی کریم ﷺ کی خانگی زندگی سے زیادہ قریب ہے، اس لئے کہ سرکار دو عالم ﷺ کے پاس بیک وقت نو (۹) بیویاں تھیں، (مشکوٰۃ ۲۷۷) اور ان سب کی رہائش اور خورد ونوش کا انتظام جداگانہ تھا، تمام کے حجرے الگ تھے، جبکہ حضور ﷺ کی ازواج مطہرات سے زیادہ پاک دل اور صاف باطن دنیا میں کون ہوسکتا ہے؟ اور ان سے بڑھ کر دوسروں کے حقوق کی نگہہ داشت کا خیال کس کو ہوسکتا ہے؟ اگر ان کا مشترکہ نظام بنتا تو بھی ہر طرح کی قباحت سے ان کا بچنا دوسروں کے مقابلہ میں بہت آسان تھا، کہ یہ سید الکونین ﷺ کا گھرانہ تھا، یہاں کے افراد دنیا کے سب سے چنے ہوئے لوگ تھے، یہ دنیا کے انسانوں کے لئے سب سے بہترین نمونہ تھے اور جن کو دیکھ کر تقویٰ وطہارت کے سانچے مقرر کئے جاتے تھے ......خود قرآن کریم نے ان کے امتیاز وانفرادیت کی ضمانت دی ہے:

"یا نساء النبی لستن کأحد من النساء إن اتقیتن، الآیة" (احزاب:۳۲)۔

(اے نبی کی عورتو! تم دنیا کی عام عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم تقویٰ اختیا کرو......)۔

لیکن ان سب کے باوجود حضور ﷺ نے مشترکہ نظام اختیار نہیں فرمایا اور تمام ازواج کے لئے قیام وطعام کا جداگانہ نظام قائم فرمایا۔

روایات میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ صبح کو ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے

Marfat.com

جاتے اور پوچھتے کہ آج گھر میں کچھ ہے؟، اگر ہر گھر سے جواب ملتا نہیں ،تو آپ فرماتے کہ اچھا میں نے روزہ رکھ لیا (مسند احمد بن حنبل ۴۹/۲)۔

اگر کھانے کا نظام مشترکہ ہوتا تو تمام ازواج کے پاس تشریف لے جانے کی زحمت نہ فرماتے۔

بعد میں جب فتوحات کا آغاز ہوا تو آپؐ کی اجازت سے بنو نضیر کے نخلستان سے جو آمدنی حاصل ہوتی تھی اس میں ہر ایک کا برابر برابر حصہ مقرر کر دیا گیا، جو ان کے سال بھر کے مصارف کے لئے کافی ہوتا تھا (بخاری کتاب النفقات باب حبس الرجل قوت سنۃ علیٰ اہلہ ۸۰۶/۲)، پھر خیبر فتح ہوا تو ازواج کے لئے فی کس ۸۰ وسق کھجور اور ۲۰ وسق جو سالانہ مقرر ہو گیا، وسق ۶۰ صاع کا ہوتا ہے (بخاری کتاب الحرث والمزارعۃ باب المزارعۃ بالشطر حدیث نمبر ۲۲۷۰ ج ۳۱۳/۱)۔

ازواج مطہرات کی خوش رنجیاں:

اس احتیاط کے باوجود تمام ازواج مطہرات میں پوری ذہنی ہم آہنگی نہیں تھی ان میں دو گروپ تھے (مشکوٰۃ باب مناقب ازواج النبی ﷺ ص ۵۷۳) کبھی ان میں خوش رنجیاں بھی ہو جاتی تھیں، مثلاً:

☆ شہد کے مسئلے پر ازواج کے درمیان جو خوش رنجی ہوئی وہ تفسیر وحدیث وسیر کی کتابوں میں معروف ہے (نسائی باب الغیرۃ ۷۱/۴ وغیرہ)، جس کے نتیجے میں اللہ کے رسول ﷺ نے شہد سے بالکلیہ اجتناب فرما لیا تھا، لیکن حکم الٰہی آ جانے کے بعد آپ نے اپنا فیصلہ تبدیل کر لیا، قرآن میں اس کا تذکرہ موجود ہے،

”یاأیها النبی لم تحرم ما أحل الله لک تبتغی مرضات أزواجک والله غفور رحیم، قد فرض الله تحلة أیمانکم والله مولکم وهو العلیم الحکیم“ (التحریم: ۱، ۲)۔

Marfat.com

(اے نبی! آپ بیویوں کی دلجوئی کے لئے اللہ کی حلال کردہ چیز سے کیوں پرہیز کرتے ہیں؟ اللہ بخشنے والے مہربان ہیں، اللہ پاک نے آپ کی قسم توڑنے کو ضروری قرار دیا ہے، اللہ آپ سب کا مالک ہے اور وہی علم وحکمت والا ہے)۔

☆ایک دفعہ آنحضرت ﷺ گھر تشریف لائے تو ام المؤمنین حضرت صفیہؓ رو رہی تھیں، آپ ﷺ نے رونے کی وجہ دریافت کی، انہوں نے عرض کیا، مجھ کو حفصہؓ نے کہا ہے کہ "تم یہودی کی بیٹی ہو"، آپ ﷺ نے فرمایا: "تم نبی کی بیٹی ہو، تمہارے چچا پیغمبر، تمہارے شوہر پیغمبر، حفصہؓ تم پر کس بات میں فخر کر سکتی ہے، آپ ﷺ نے حضرت حفصہؓ کو تنبیہ فرمائی، حفصہ! اللہ سے ڈرو (ترمذی کتاب المناقب ۲/۶۷۸)۔

☆ایک دفعہ حضرت صفیہؓ کے بارے میں حضرت عائشہؓ کی طرف سے بھی اسی طرح کی تنقید پر حضور ﷺ نے مذکورہ جواب دہرایا تھا (سیرۃ النبی علامہ شبلی نعمانی ۲/ ۲۴۳)۔

☆ایک بار حضرت عائشہؓ نے حضرت صفیہؓ کے بارے میں حضور ﷺ کے سامنے اشارتاً ایسی بات کہی جس سے ان کے چھوٹے قد ہونے پر تعریض جھلکتی تھی، حضور اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ کو تنبیہ کی اور فرمایا، عائشہ! تم نے اتنی سخت بات کہی ہے کہ اگر وہ سمندر میں ڈال دی جائے تو پورے سمندر کو متغیر کر دے (مشکوۃ باب حفظ اللسان والغیبۃ ص ۴۱۴ بروایت ابوداؤد و ترمذی)۔

☆ایک موقعہ پر حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ دونوں حضور ﷺ کے ساتھ سفر میں تھیں رسول اللہ ﷺ راتوں کو حضرت عائشہؓ کے اونٹ پر چلتے تھے اور ان سے باتیں کرتے تھے، ایک دن حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ آج رات تم میرے اونٹ پر اور میں تمہارے اونٹ پر سوار ہوں، تاکہ مختلف مناظر دیکھنے میں آئیں، حضرت عائشہؓ راضی ہوگئیں، آنحضرت ﷺ حضرت عائشہؓ کے اونٹ کے پاس آئے جس پر حضرت حفصہؓ سوار تھیں جب منزل پر پہنچے اور حضرت عائشہؓ نے آپ کو نہیں پایا تو اپنے پاؤں کو اذخر گھاس کے درمیان لٹکا کر کہنے لگیں، خداوندا! کسی بچھو یا سانپ کو متعین کر جو مجھے ڈس جائے (سیرۃ النبی علامہ شبلی نعمانی ۲/ ۲۴۳)۔

Marfat.com

☆ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے اور ازواج مطہراتؓ بھی ساتھ تھیں، اتفاقاً حضرت صفیہؓ کا اونٹ بیمار ہو گیا، حضرت زینبؓ کے پاس ضرورت سے زیادہ اونٹ تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ایک اونٹ صفیہؓ کو دے دو، انہوں نے کہا، کیا میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دے دوں؟ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اس قدر ناراض ہوئے کہ دو مہینے سے زیادہ ان کے پاس نہ گئے (مشکوٰۃ باب ما نہی من التہاجر ص ۴۲۹ بروایت ابوداؤد)۔

☆حضرت صفیہؓ کھانا نہایت عمدہ پکاتی تھیں، ایک دن انہوں نے کچھ پکا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا، آپ اس وقت حضرت عائشہؓ کے گھر میں تشریف رکھتے تھے، حضرت عائشہؓ نے خادم کے ہاتھ سے پیالہ چھین کر زمین پر دے مارا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ کے ٹکڑے چن چن کر یکجا کئے اور ان کو جوڑا، پھر صاحب خانہ سے اس کے بدلے میں دوسرا پیالہ منگوا کر ان کو واپس کیا (بخاری، کتاب المظالم باب اذا کسر قصعۃ او شیئا لغیرہ ۱/ ۳۳۷، ۲/ ۷۸۶ باب الغیرۃ کتاب النکاح، نسائی باب الغیرۃ ۲/ ۷۰)۔

بعض روایتوں میں حضرت صفیہؓ کے بجائے حضرت ام سلمہؓ کا نام ہے اور بعض میں حضرت زینب بنت جحشؓ کا نام لیا گیا ہے (فتح الباری کتاب النکاح ۹/ ۴۰۴)۔

نکاح کے بعد حضرت علیؓ کی رہائش:

(۴) جداگانہ خاندانی نظام کے مسئلہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی کے اس واقعہ سے بھی روشنی ملتی ہے جو حضرت علیؓ کے بارے میں تاریخ میں موجود ہے:

مؤرخین کا بیان ہے کہ حضرت فاطمہؓ سے نکاح سے قبل حضرت علیؓ کی سکونت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی، حضرت فاطمہؓ سے نکاح کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حضرت حارثہ بن النعمانؓ کے خالی مکان میں منتقل فرمادیا اور پھر اس کے بعد ہمیشہ ان کا اپنا گھریلو نظام الگ ہی رہا (سیرۃ النبی ۱/ ۲۱۱-۲۱۲ علامہ شبلی نعمانی)۔

اگر مشترکہ نظام زیادہ پسندیدہ اور قابل ترجیح ہوتا تو حضرت علیؓ کو علحدہ مکان میں منتقل

Marfat.com

کرنے کے بجائے اپنے ساتھ ہی ان کی رہائش کا انتظام کیا جاتا، جبکہ صاحبزادی حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ دونوں قبل سے آپ کی کفالت میں تھے، اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ خود اپنی اولاد میں بھی شادی کے بعد پرائیویسی اور انفرادیت کا لحاظ رکھا جانا چاہئے۔

فقہاء کا تجویز کردہ نظام سکونت:

(۵) فقہاء نے افراد خانہ کے لئے رہائش کا جو نقشہ مرتب کیا اس میں بطور خاص اس پرائیویسی کا لحاظ رکھا ہے، مثلاً شریعت اسلامیہ نے شوہر پر یہ حق عائد کیا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو رہائش فراہم کرے، قرآن کریم میں ہے:

"وأسكنوهن من حيث سكنتم من وجدكم ولا تضاروهن لتضيقوا عليهن" (الطلاق:۶)۔

(عورتوں کو رہائش فراہم کرو جو تمہاری حیثیت کے مطابق ہو اور ان کو تکلیف نہ پہنچاؤ کہ وہ تنگ آجائیں)۔

اس ذیل میں فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ رہائش کا یہ مطلب نہیں ہے کہ محض عورت کے سر پر ایک چھت فراہم کردی جائے، بلکہ جداگانہ اور مخصوص مکان کی فراہمی عورت کا شرعی حق ہے جس میں وہ نجی زندگی گذار سکے اور جو شوہر کے اہل خانہ اور رشتہ داروں کی آمد ورفت سے محفوظ ہو۔

علامہ کاسانیؒ رقمطراز ہیں:

"ولو أراد الزوج أن يسكنها مع ضرتها أو مع أحمائها كأم الزوج وأخته وبنته من غيرها وأقاربه فأبت ذلک، عليه أن يسكنها فى منزل مفرد، لأنهن ربما يؤذينها ويضرون بها فى المساكنة، وإباؤها دليل الأذى والضرر، ولأنه يحتاج إلىٰ أن يجامعها ويعاشرها فى أى وقت يتفق، ولايمكنهٗ ذلک إذا كان معها ثالث، حتىٰ لو كان فى الدار بيوت ففرغ لها بيتاً وجعل لبيتها

Marfat.com

غلقاً علیٰ حدة قالوا: إنها لیس لها أن تطالبه ببیت آخر" (بدائع الصنائع کتاب النفقۃ ۳/۴۲۸-۴۲۹)۔

(اگر شوہر اپنی بیوی کو اس کی سوکن ،دیوروں ،شوہر کی ماں ،بہن،لڑکی یا دیگر رشتہ داروں کے ساتھ رکھنا چاہے اور عورت اس کے لئے آمادہ نہ ہو تو شوہر پر لازم ہے کہ اس کو جداگانہ مکان میں رہائش دے،اس لئے کہ ایک ساتھ رہنے پر ایک دوسرے کو تکلیف ہوسکتی ہے ،چنانچہ عورت کا انکار اس کی علامت ہے، نیز عورت کو اپنے شوہر کے ساتھ کسی بھی وقت تنہائی کی ضرورت ہے اور تیسرے کی موجودگی میں یہ ممکن نہیں، البتہ ایک بڑے گھر میں کئی کمرے ہوں اور شوہر ان میں سے ایک کمرہ اپنی بیوی کے لئے خاص کردے اور اس کے لئے تالا چابی الگ کردے تو فقہاء نے کہا ہے کہ پھر اسے مزید کسی کمرہ یا مکان کے مطالبہ کا حق نہیں رہ جائے گا)۔

بعض فقہاء نے یہ وضاحت کی ہے کہ اوسط سے اوپر درجہ کے گھرانوں میں کمرہ کے ساتھ مطبخ، بیت الخلاء اور پانی کا انتظام بھی جداگانہ ہونا چاہئے، درمختار میں ہے:

"ومرادهٗ لزوم کنیف ومطبخ، وینبغی الإفتاء بہٖ (درمختار) أی بیت الخلاء وموضع الطبخ بأن یکونا داخل البیت أو فی الدار لا یشارکها فیهما أحد من أهل الدار، قلت: وینبغی أن یکون هذا فی غیر الفقراء الذین یسکنون فی الربوع والأحواش بحیث یکون لکل واحد بیت یخصهٗ، وبعض المرافق مشترکة کالخلاء والتنور وبئر الماء ......وذکر الخصاف أن لها أن تقول: لا أسکن مع والدیک وأقربائک فی الدار، فأفرد لی داراً، قال صاحب الملتقط: هذهٖ الروایة محمولة علی المؤسرة الشریفة، وماذکرنا قبلهٗ ان إفراد بیت فی الدار کاف، إنما هو فی المرأة الوسط اعتباراً فی السکنیٰ بالمعروف اه...... ومفهومهٗ أن من کانت من ذوات الأعسار یکفیها بیت، ولو مع أحمائها وضرتها کأکثر الأعراب وأهل القریٰ وفقراء المدن الذین یسکنون فی

Marfat.com

الأحواش والربوع...... فقد مر أن الطعام والکسوة یختلفان باختلاف الزمان والمکان" (رد المحتار کتاب الطلاق ۵/۲۵۵-۲۵۶)۔

یہ مضمون فقہ کی تقریباً تمام ہی کتابوں میں آیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامی قانون رہائش کے معاملہ میں ہر شخص کی نجی زندگی اور اس کے تقاضوں کا پورا لحاظ رکھتا ہے اور اس کو مشترکہ طور پر رہنے کے لئے مجبور نہیں کرتا...... یہ مسئلہ فقہاء نے بیوی کے حق سکونت کے ذیل میں بیان کیا ہے، لیکن دیکھئے تو بیوی خاندان کی سب سے بڑی اکائی ہوتی ہے اور میاں بیوی سے ملکر ایک مختصر خاندان وجود میں آتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ اس میں توسیع ہوتی رہتی ہے، بچے پیدا ہوتے ہیں، بوڑھے ماں باپ شامل ہوجاتے ہیں وغیرہ،...... لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا مسئلہ دراصل آغاز کے وقت پیدا ہوتا ہے کہ بچوں کی شادی کے بعد ان کو ساتھ رکھا جائے یا ان کو جداگانہ رہائش دی جائے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے مذکورہ بالا واقعہ اور فقہاء کی ان تصریحات سے متبادر ہوتا ہے کہ بہتر طریقہ یہی ہے کہ شادی کے بعد ہی اولاد کو الگ کردیا جائے اور ان کی جداگانہ رہائش اور نجی زندگی میں مداخلت کے بغیر ان سے خدمت اور دیگر حقوق کے لئے نظام بنایا جائے۔

عہد اسلامی کے بعض علاقوں کی رہائش:

(۶) علامہ شامیؒ نے ''کتاب الطلاق'' میں اپنے عہد اور اپنے علاقہ کے طرز رہائش کے بارے میں ضمناً جو اشارہ کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے دور میں مسلم خاندانوں میں جداگانہ رہائش عام تھی، البتہ بیت الخلاء اور پانی وغیرہ میں گاہے اشتراک بھی ہوتا تھا اور یہ اس دور میں اعلیٰ اور اوسط دونوں طرح کے گھرانوں میں عیب کی بات نہیں مانی جاتی تھی، شامی کے الفاظ ہیں:

"وأهل بلادنا الشامية لا يسكنون في بيت من دار مشتملة على

Marfat.com

أجانب، وهذا فی أوساطهم فضلاً عن أشرافهم، إلا أن تكون داراً مورثة بين إخوة مثلاً، فيسكن كل منهم من جهة منها مع الإشتراک فی مرافقها، فإذا تضررت زوجة أحدهم من أحمائها أو ضرتها وأراد زوجها إسكانها فی بيت منفرد من دار لجماعة أجانب، وفی البيت مطبخ وخلاء يعدون ذلک من أعظم العار عليهم، فينبغی الإفتاء بلزوم دار من بابها" (ردالمختار کتاب الطلاق مطلب فی مسکن الزوجۃ ۵/۲۵۵ مطبوعہ دیوبند)۔

(ہمارے علاقہ میں شام کے لوگ کسی ایسے مکان میں رہائش کو پسند نہیں کرتے جس کے احاطے میں دوسرے اجنبی لوگ بھی رہ رہے ہوں یہ اوسط گھرانوں کا حال ہے اشراف کا تو کہنا ہی کیا، الا یہ کہ کوئی ایسا مکان ہو جو بھائیوں میں وراثت کی بنیاد پر مشترک ہو اور ہر بھائی کی فیملی الگ الگ حصے میں پانی اور بیت الخلا وغیرہ کے اشتراک کے ساتھ رہائش پذیر ہو، ایسی صورت میں اگر کسی بھائی کی بیوی اپنے دیور یا سوکن سے تکلیف محسوس کرے اور اس کی وجہ سے اس کا شوہر کسی ایسے فلیٹ یا گھر میں اپنی بیوی کو منتقل کرنا چاہے جس میں مطبخ اور بیت الخلاء وغیرہ تو موجود ہوں مگر اس کے احاطے میں اجنبی خاندان بھی رہائش پذیر ہوں تو ہمارے علاقے میں یہ بڑے عیب کی بات سمجھی جاتی ہے)۔

مشترکہ نظام کے مقاصد:

(۷) مشترکہ رہائش کا مقصد باہم جذبۂ تعاون کو فروغ، خاندانی رشتوں کا احترام، بزرگوں کے زیر سایہ چھوٹوں کی تربیت، ایک دوسرے کے تجربات سے استفادہ، کچھ دن محنت پھر آرام کی فطری خواہش اور ہر شخص کی اس میں حصہ داری کا لحاظ اور تنہائی و بے کسی کے کرب سے ہر ایک کی حفاظت، جس کی نوبت ایک نہ ایک دن بڑھاپے میں ہر شخص کو آتی ہے وغیرہ......

لیکن آج کے دور میں جہاں اکثر اخلاقی قدریں زوال پذیر ہو رہی ہیں، ان میں باہم

Marfat.com

اشتراک کے ساتھ ان بلند مقاصد کا حصول مشکل ہو گیا ہے، عموماً ایک ساتھ رہنے کے نتیجے میں باہم اختلاف بڑھتا ہے، رشتوں کا توازن بگڑتا ہے، ماحول میں کشیدگی پیدا ہوتی ہے، نزدیکیاں دوریوں میں بدلتی ہیں، باہم مخلصانہ جذبات کمزور پڑنے لگتے ہیں، تعاون کے بجائے ضرر کا جذبہ ابھرنے لگتا ہے، حقوق وفرائض کا احساس تشنۂ تکمیل رہ جاتا ہے، حق تلفیاں عام ہو جاتی ہیں، بزرگوں کا احترام بے کیفی اور بدمزگی میں بدل جاتا ہے، رسم وروایات کے جبر سے بغاوت وجود میں آتی ہے، سب ملکر آگے بڑھنے کے بجائے ایک دوسرے کو پچھاڑنے اور نیچا دکھانے کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور اس ضمن میں اکثر جانی ومالی زیادتیاں بھی ہوتی ہیں وغیرہ......

جداگانہ نظام کے ذریعہ مقاصد کا حصول:

اس لئے شریعت کے عام اصول کے مطابق کہ ”منافع کے حصول سے زیادہ ضروری مفاسد کو دور کرنا ہے“، ”لا ضرر ولا ضرار“ بعض اہم مقاصد کے حصول کے لئے مشترکہ خاندانی نظام کے بجائے دفع مضرت کی خاطر جداگانہ خاندانی نظام زیادہ لائق ترجیح اور قابل قبول ہے...... بلکہ اگر صحیح وقت پر اور شرعی اصولوں کی روشنی میں اولاد یا بھائیوں کو علحدہ رہائش مہیا کرا دیا جائے، اور ان کی ابتدائی تربیت دینی بنیادوں پر ہوئی ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ الگ الگ رہ کر بھی افراد خاندان ان بلند مقاصد کے ممکنہ حصول کے لئے متحد نہ ہوں جو مشترکہ نظام کی روح ہیں اور ان مفاسد کو دور کرنے کے لئے کوئی لائحہ عمل مرتب نہ ہو سکے جو جداگانہ نظام کا لازمہ سمجھا جاتا ہے، جب ایک دوسرے سے مسائل وابستہ نہ ہونگے، تو باہم تنازعہ نہیں ہوگا، محبت فروغ پائے گی، خون کا رشتہ رنگ لائے گا، ایک دوسرے کی مصیبت میں لوگ کام آئیں گے، ہر شخص دوسرے کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھے گا......

رہا بوڑھے ماں باپ اور خاندان کے بے آسرا لوگوں کا معاملہ، تو ان کے لئے باہم اشتراک سے کوئی نظام مرتب کیا جا سکتا ہے، تمام افراد خاندان کے درمیان حسب مرتبہ اس کے

Marfat.com

لئے کوئی ترتیب بنائی جائے، آخر ہر صاحب ایمان ماں باپ، خاندان کے بزرگوں اور غریب رشتہ داروں کی خدمت کی اہمیت جانتا ہے، اگر محبت کے ماحول میں باہم مشورہ سے کسی نظام کا تعین ہو تو عام حالات میں افراد خاندان کا تعاون حاصل ہونا مشکل نہیں۔

مشترکہ نظام کی بڑی خرابیاں:

(۸) مشترکہ نظام میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ بالعموم موروثی جائیدادوں اور ذرائع آمدنی کی تقسیم عمل میں نہیں آتی اور نہ اس کی ضرورت سمجھی جاتی ہے اور بسا اوقات پشتہا پشت تک اسی طرح گذر جاتا ہے، عموماً اس کی نوبت اس وقت آتی ہے جب شدید اختلاف کے بعد انتہائی کشیدہ ماحول میں ورثہ علحدگی پر مجبور ہوتے ہیں، پھر بہت سے پرانے قضیے سامنے آتے ہیں، حق تلفیوں اور زیادتیوں کے معاملات اجاگر ہوتے ہیں، اور نزاع اتنا شدید ہو جاتا ہے کہ اس کو حل کرنا آسان نہیں ہوتا، یہ بالعموم تمام ہی لوگوں کے لئے تکلیف دہ ثابت ہوتا ہے...... اس کی جگہ پر اگر لوگ جداگانہ طرز رہائش کی عادت بنالیں اور والدین بھی شادی کے بعد جلد ہی اپنی اولاد کو علحدہ کر دیں تو وراثت کی فوری تقسیم کی ضرورت محسوس کی جائے گی اور بغیر کسی بڑے نزاع کے شفاف تقسیم عمل میں آئے گی، رزق بھی حلال اور تعلقات بھی الزامات اور کشیدگیوں سے بالاتر رہیں گے، شریعت اسلامیہ مشترک معاملات اور اجتماعی زندگی میں ایسے نظام العمل کی حوصلہ افزائی کرتی ہے جس میں انسان مواقع تہمت اور موضع اشتباہ سے حتی الامکان محفوظ ہو، سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إتقوا مواضع التهمة" (الحدیث) (مقام تہمت سے بچو)۔

"الإثم ما حاك في صدرك وكرهت أن يطلع عليه الناس" (رواہ مسلم (مشکوۃ باب الرفق والحیاء ر ۴۳۱)۔

(گناہ وہ ہے جو دل میں کھٹکے اور اس سے لوگوں کا باخبر ہونا پسند نہ ہو)۔

(۹) مشترکہ نظام میں ایک بہت بڑی اقتصادی قباحت یہ ہے کہ آدمی عموماً انفرادیت،

Marfat.com

خوداعتمادی، شخصی آزادی اور خودکفیل ذریعۂ آمدنی سے محروم ہو جاتا ہے، بہت سے لوگوں کو دوسرے پر انحصار کا مزاج بن جاتا ہے اس کی بنا پر وہ اپنے بارے میں خود کچھ سوچنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے، اس کی مضرت کا احساس اکثر لوگوں کو اس وقت ہوتا ہے جب وہ شدید اختلاف کے بعد الگ ہوتے ہیں اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی کوشش کرتے ہیں، اس وقت دنیا میں وہ خود کو تنہا محسوس کرتے ہیں، اردگرد جو لوگ ہوتے ہیں ان سے عداوت کی بنا پر وہ مشورہ تک نہیں لے سکتے، لاچار غیروں کا سہارا لینا پڑتا ہے، ایسے وقت مخلص اور غیر مخلص کی شناخت مشکل ہوتی ہے، اور مجبوری بھی ہوتی ہے، اس سلسلے کے تجربات آئے دن سامنے آتے رہتے ہیں۔

☆ دوسری اقتصادی خرابی یہ ہے کہ مشترکہ نظام میں کمانے والوں کی تعداد کھانے والوں سے بہت کم ہوتی ہے جس کا منفی اثر خاندان کے علاوہ ملک کی معیشت پر بھی پڑتا ہے اور اس طرح آمد و خرچ کا توازن بگڑ جاتا ہے، جبکہ جداگانہ نظام میں خاندان کی ہر چھوٹی بڑی اکائی کام کرنے پر مجبور ہوتی ہے اور ہر ذمہ دار شخص بہتر سے بہتر ذریعۂ آمدنی اختیار کرنے کی کوشش کرتا ہے جس سے وہ خود بھی ترقی کرتا ہے اور ملک کی معیشت بھی مضبوط ہوتی ہے۔

(۱۰) مشترکہ نظام میں ایک بہت بڑا مسئلہ حسابات کی شفافیت اور ہر شخص تک اس کی محنت اور سرمایہ کے مطابق منافع کے پہونچنے کا ہے، ایک گھر میں متعدد افراد خاندان ایک ساتھ گذر بسر کرتے ہیں ان میں کسی کی آمدنی زیادہ ہوتی ہے کسی کی کم، کسی کے اخراجات اس کی آمدنی سے زیادہ ہوتے ہیں تو کسی کے کم، والدین اگر حیات ہوں تو کوئی بیٹا گھر کے خرچ یا کاروبار کے لئے زیادہ پیسے دیتا ہے کوئی کم، ظاہر ہے کہ ہر شخص یکساں آمدنی اور خرچ کا تو مالک نہیں ہوسکتا، ہر شخص کی اپنی صلاحیتیں اور مواقع ہوتے ہیں، لیکن مشترکہ نظام میں باہمی جذبۂ تعاون کو بنیاد بنا کر اس تفاوت کو نظرانداز کیا جاتا ہے، بالخصوص باپ کی موجودگی میں یہ مسئلہ ہرگز زیر بحث نہیں آتا، لیکن جب سخت حالات میں سب کی جدائی عمل میں آتی ہے تو مشترکہ جائیداد کی تقسیم برابر برابر حسب حصۂ شرعی کی جاتی ہے، فقہاء بھی یہی فرماتے ہیں کہ چونکہ ملکیتیں ممتاز نہیں

Marfat.com

ہیں، اس لئے سارے لوگ باپ یا رئیس خاندان کے معاون تصور کئے جائیں گے اور موجود اثاثہ پر سب کا حق برابر ہوگا اور تقسیم حسب حصص شرعی انجام پائے گی (ردالمحتار کتاب الشرکۃ ۳/ ۳۸۳)۔

مگر اس کے بعد کتنی پیشانیاں شکن آلود ہوتی ہیں، بغض ونفرت، کینہ وحسد اور تہمت والزام تراشی کا نہ تھمنے والا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے، زیادہ کمائی دینے والے کو اپنے خسارہ کا احساس، اور کم دینے والے کو مزید سے مزید لینے کی فکر...... اس وقت سارا جذبۂ تعاون ہوا ہوجاتا ہے اور ایک ہی گھر کے افراد باہم اس طرح برسرپیکار نظر آتے ہیں جیسے صدیوں کی دشمنی چلی آرہی ہو، "الامان والحفیظ"، کیا فائدہ ایسے مشترکہ نظام اور وقتی جذبۂ تعاون کا، جس کا انجام اتنا بھیانک ہو؟...... بہت کم ہیں ایسے گھرانے جو اس شدید انجام سے بچ جاتے ہوں اکثر لوگ اس اذیت ناک بھٹی سے گذرتے ہیں...... اور شرعی مسائل کی بنیاد عام حالات پہ ہوتی ہے، نہ کہ مخصوص اور استثنائی حالات پر...... "تلک عشرة كاملة"۔

یہ وجوہات ہیں جن کی بنا پر میری حقیر رائے میں جداگانہ خاندانی نظام زیادہ بہتر اور شرعی قباحتوں سے بڑی حد تک پاک ہے، خصوصاً آج کے دور میں جبکہ جذبۂ تدین، احساس ذمہ داری اور دینی واخلاقی قدروں کا فقدان ہوتا جارہا ہے، امیدیں ٹوٹ رہی ہیں اور رشتوں پر مفادات کا غلبہ ہورہا ہے، ایسے حالات میں جداگانہ خاندانی نظام قبول کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ہے، اس وقت خاندان کے بااثر لوگوں کی ذمہ داری ہوگی کہ بوڑھے والدین اور خاندان کے کمزور اور بزرگ حضرات کے لئے ایک نظام العمل مرتب کریں جس میں خاندان کی ہر اکائی کی مالی حیثیت اور قرابت وتعلق کو ملحوظ رکھا جائے، اور خاندان کے جملہ افراد اپنی اولین ترجیحات میں اس کو شامل کریں۔

مشترکہ نظام میں گھر کے اخراجات کی تقسیم:

اگر مشترکہ خاندان ہو اور افراد خانہ ان کی ضروریات کے لئے سب مل کر خرچ دیں، کسی کے بچے زیادہ ہوں اور کسی کے کم، تو کیا ان سب پر برابر اخراجات عائد کئے جائیں گے یا

Marfat.com

ان کے بچوں کی تعداد کے لحاظ سے؟

ضابطہ کی بات تو بظاہر یہ لگتی ہے کہ جس کا خرچ زیادہ ہو اس پر زیادہ اخراجات عائد کئے جائیں، لیکن مشترکہ نظام کی روح اور اس کے مقاصد کا تقاضا یہ ہے کہ سب پر برابر اخراجات عائد ہوں،، بچوں کی تعداد کا لحاظ ضروری نہیں ہے، اس لئے کہ اس نظام کی بنیاد تعاون باہمی پر ہے ،تا کہ کوئی کمزور فرد کم آمدنی کی بنا پر زندگی کی دوڑ میں پیچھے نہ رہ جائے اور مالی دشواریاں اس کی ترقی کی راہ میں حائل نہ ہوں، مشترکہ نظام میں کوئی اپنی مالی قوت سے فائدہ پہونچاتا ہے تو کسی کی انفرادی قوت کام آتی ہے، کوئی صحت سے کمزور ہوتا ہے تو کسی کی جسمانی صلاحیت اس کی مددگار ہوتی ہے، اگر باہمی تعاون وتناصر کا جذبہ مفقود ہو جائے تو سرے سے یہ نظام ہی ختم ہو جائے گا اور کوئی ضرورت نہیں رہ جائے گی مشترکہ نظام کے اس ڈھیر سارے بکھیرے کی، اگر ذمہ داریوں کے باب میں انفرادی اخراجات کا تناسب ہی ملحوظ ہو تو جداگانہ نظام ہی میں کیا قباحت تھی جو اس رسمی نام نہاد مشترکہ نظام کے جھمیلے میں آدمی پڑے......

دراصل یہ مسئلہ عرف پر مبنی ہے مشترکہ نظام کا معروف دستور یہی ہے کہ خاندان کا ہر فرد اپنی حیثیت کے مطابق اس میں حصہ لیتا ہے اسی طرح رائج حقوق وفرائض میں بھی اس کی شراکت برابر کی ہوتی ہے، اس نظام میں آمد وخرچ اور افادہ واستفادہ کا تناسب نہیں دیکھا جاتا، بلکہ ہر شخص اس نظام کا حصہ ہوتا ہے اور ہر ایک اپنی طاقت بھر حصہ داری نباہتا ہے، پس ہر ایک کو اس نظام سے اپنی ضرورت کے مطابق فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہے......

اس مسئلہ میں درج ذیل فقہی عبارات سے روشنی حاصل کی جاسکتی ہے جو شرکت کے کاروبار کے ذیل میں کتب فقہ میں موجود ہیں، جن کی متعدد صورتوں میں محنت وعمل میں بین فرق ہونے کے باوجود تمام شرکاء کو منافع میں برابر کا حصہ ملتا ہے:

☆ "وکذا لو اجتمع إخوة یعملون فی ترکة أبیهم ونمی المال فهو بینهم سویة، ولو اختلفوا فی العمل والرأی" (ردالمحتار ۳/ ۳۸۳)۔

Marfat.com

(اگر کئی بھائی ملکر باپ کے ترکہ سے کاروبار کریں تو منافع میں سب برابر کے شریک ہونگے خواہ محنت و تجربہ کے لحاظ سے ان میں فرق ہو)۔

☆ الأب وابنهٗ يكتسبان فی صنعة واحدة ولم يكن لهما شیء كالكسب، فكلهٗ للأب إن كان الابن فی عيالهٖ لكونه معيناً، ألا ترىٰ لو غرس شجرة تكون للأب" (ردالمحتار فصل فی الشرکۃ الفاسدۃ ۳/ ۴۸۳ وکذا فی الفتاوی الہندیۃ ۲/ ۳۲۹)۔

(باپ اور بیٹے ملکر کوئی کام کرتے ہوں اور دونوں میں سے کسی کا سرمایہ اس میں لگا ہوا نہ ہو مثلاً کوئی محنت یا ہنر والا کام کرتے ہوں اگر بیٹا باپ کے زیر سرپرستی رہائش رکھتا ہو تو ساری کمائی باپ کی متصور ہوگی اور بیٹا اس کا محض مددگار قرار دیا جائے گا)۔

☆ "وفی الخانية زوج بنيه الخمسة فی دارهٖ وكلهم فی عيالهٖ واختلفوا فی المتاع فهو للاب وللبنين الثياب التی عليهم لاغير" (شامی فصل فی الشرکۃ الفاسدۃ ۳/ ۴۸۳)۔

(فتاویٰ خانیہ میں لکھا ہے کہ کسی کے پانچ شادی شدہ بیٹے اس کے زیر پرورش گھر میں رہتے ہوں اور ان میں سامانوں کے بارے میں اختلاف پیدا ہو تو سارا سامان باپ کا مانا جائے گا اور بیٹوں کو صرف اپنے بدن کے کپڑوں کا مالک قرار دیا جائے گا)۔

ان اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشترک نظام میں (اگر قیام وطعام سب مشترک ہو) والد یا امیر کنبہ اصل ہوتا ہے اور باقی تمام افراد اس کے معاون تصور کئے جاتے ہیں اور اصل کے واسطے سے موجود اثاثہ پر سب کا حق مساوی پہنچتا ہے، مذکورہ بالا فقہی عبارت میں بیٹے کی ساری آمدنی کا مالک بھی باپ کو قرار دیا گیا ہے، اس کا مطلب ہے کہ اس میں ان بھائیوں کا بھی حصہ ہوگا جنہوں نے باپ کے ساتھ اس مال کے کمانے میں محنت نہیں کی تھی ...... اسی طرح اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ مشترک نظام کا اصل مقصد تعاون باہم ہوتا ہے۔

Marfat.com

گھر میں جمع شدہ آمدنی سے کسی چیز کی خرید:

(۳) اگر مختلف بھائیوں نے مل کر اپنے والد یا کسی بھائی کے پاس آمدنی جمع کی اور گھر کے اخراجات سے بچی ہوئی رقم سے کوئی چیز خریدی گئی تو اس میں سبھوں کا حصہ برابر ہوگا یا ہر ایک کی آمدنی کے لحاظ سے ہوگا؟

یہ مسئلہ بھی پچھلے اصول ہی سے جڑا ہوا ہے، فقہاء نے وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ ہر ایسا مشترک معاملہ جہاں ملکیتیں مخلوط ہوں، متمائز نہ ہوں جن میں فی صد کا تعین مشکل ہو وہاں تمام شرکاء کا حق برابر مانا جائے گا، علامہ شامیؒ نے مستقل عنوان ہی قائم کیا ہے "مطلب اجتمعا فی دار واحدة واکتسبا ولا یعلم التفاوت، فهو بینهما بالسوية" اس نوع کی متعدد نظیریں کتب فقہ میں موجود ہیں، شامی میں ہے:

"وما حصله أحدهما فله وما حصلاه معاً فلهما نصفين إن لم يعلم مالكه (درمختار) قوله وما حصلاه معاً، يعني ثم خلطاه وباعاه ......وإن لم يعرف مقدار ما كان لكل منهما صدق كل واحد منهما إلى النصف؛ لأنهما استويا فى الاكتساب وكان المكتسب فى أيديهما، فالظاهر أنهٗ بينهما نصفان ...... ويؤخذ من هذا ما أفتىٰ به فى الخيرية فى زوج إمرأة وإبنها إجتمعا فى دار واحدة وأخذ كل منهما يكتسب علىٰ حدة ويجمعان كسبهما ولا يعلم التفاوت ولا التساوى ولا التمييز، فأجاب بأنهٗ بينهما سوية" (شامی ۳/ ۳۹۲)۔

(مال ایک نے حاصل کیا تو اسی ایک کو ملے گا، اور دو نے ملکر حاصل کیا تو دونوں کو آدھا آدھا ملے گا، دونوں نے ساتھ حاصل کیا یعنی دونوں نے مال کو ملا کر بیچا...... دونوں کی الگ الگ مقدار معلوم نہ ہو تو نصف تک ہر ایک کی بات مانی جائے گی، اس لئے کہ کمانے میں دونوں شریک ہیں اور گویا کمایا ہوا مال دونوں کے قبضے میں ہیں، پس ظاہر ہے کہ وہ دونوں کے درمیان آدھی آدھی تقسیم ہوگی،...... فتاویٰ خیریہ میں ایک جزئیہ اسی بنیاد پر یہ ذکر کیا گیا ہے کہ عورت کا شوہر اور

Marfat.com

اس کا بیٹا دونوں ایک گھر میں رہتے ہیں اور علحدہ علحدہ کماتے ہوں اگر دونوں اپنی کمائی کو ملادیں اور پتہ نہ چل سکے کہ کس کا کتنا حصہ ہے؟ تو دونوں میں برابر تقسیم ہوگا)۔

اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ زیر بحث مسئلے میں والد یا امیر کنبہ کے پاس جمع شدہ رقم میں سب کا حق برابر ہوگا اور اس میں آمدنی کا فرق ملحوظ نہیں ہوگا، اس لئے اس جمع شدہ سرمایہ کے کسی بھی حصہ سے جو چیز بھی خریدی جائے گی اس میں سب کا حصہ برابر ہوگا، خواہ آمدنی سب نے برابر جمع کی ہو یا کم وبیش، البتہ ضروری ہے کہ یہ ساری آمدنی گھر کے خرچ کے لئے امیر کنبہ کے پاس جمع کی گئی ہو، اور اسی جمع شدہ آمدنی کی بچی ہوئی رقم سے کوئی چیز خریدی گئی ہو لیکن اگر چند بھائیوں نے والد یا بڑے بھائی کے پاس گھر کے خرچ کے علاوہ الگ سے کوئی رقم بالاقساط یا یکمشت جمع کی اور اس رقم سے کوئی چیز خریدی گئی تو اس میں سب کا حصہ برابر نہیں ہوگا، بلکہ جمع شدہ آمدنی کے لحاظ سے سب کے حصہ کا تعین کیا جائے گا، بشرطیکہ جمع کا تناسب معلوم ہو۔

اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ پہلی شکل میں جب کہ گھر کے اخراجات کے لئے سب نے آمدنی جمع کی اس کی بنیاد باہمی محبت، جذبۂ تعاون اور گھر کی عزت وآبرو کے تحفظ پر ہے، اس لئے اس میں آمدنی کے تناسب کا نہیں، بلکہ محض اس جذبہ میں شراکت کا اعتبار کیا جائے گا اور اس میں سب برابر کے شریک ہیں، اس لئے جمع شدہ رقم پر سب کا حق برابر ہوگا، ...... برخلاف دوسری صورت کے کہ اس میں صرف بطور امانت یا وکالت رقم جمع کی گئی ہے، اور امیر کنبہ بھی اس کو ان کی مرضی کے بغیر خرچ نہیں کرسکتا، اس لئے اس میں صرف انہی لوگوں کا حصہ ہوگا جنہوں نے وہ رقم جمع کی ہوگی اور اسی قدر جس تناسب سے رقم جمع کی گئی ہوگی۔ ''عالمگیری'' میں ہے:

''إلا إذا كان لها كسب علىٰ حدة فهو لها، كذا في القنية'' (فتاوی عالمگیری ۲/۳۲۹ کتاب الشرکۃ)۔

(البتہ اگر اس کی کمائی علحدہ ہو تو وہ کمائی اسی کی ہوگی)۔

Marfat.com

ان کے بچوں کی تعداد کے لحاظ سے؟

ضابطہ کی بات تو بظاہر یہ لگتی ہے کہ جس کا خرچ زیادہ ہو اس پر زیادہ اخراجات عائد کیے جائیں، لیکن مشترکہ نظام کی روح اور اس کے مقاصد کا تقاضا یہ ہے کہ سب پر برابر اخراجات عائد ہوں،، بچوں کی تعداد کا لحاظ ضروری نہیں ہے، اس لئے کہ اس نظام کی بنیاد تعاون باہمی پر ہے ،تا کہ کوئی کمزور فرد کم آمدنی کی بنا پر زندگی کی دوڑ میں پیچھے نہ رہ جائے اور مالی دشواریاں اس کی ترقی کی راہ میں حائل نہ ہوں، مشترکہ نظام میں کوئی اپنی مالی قوت سے فائدہ پہونچاتا ہے تو کسی کی افرادی قوت کام آتی ہے، کوئی صحت سے کمزور ہوتا ہے تو کسی کی جسمانی صلاحیت اس کی مددگار ہوتی ہے، اگر باہمی تعاون وتناصر کا جذبہ مفقود ہو جائے تو سرے سے یہ نظام ہی ختم ہو جائے گا اور کوئی ضرورت نہیں رہ جائے گی مشترکہ نظام کے اس ڈھیر سارے بکھیرے کی، اگر ذمہ داریوں کے باب میں انفرادی اخراجات کا تناسب ہی ملحوظ ہو تو جداگانہ نظام ہی میں کیا قباحت تھی جو اس رسمی نام نہاد مشترکہ نظام کے جھمیلے میں آدمی پڑے......

دراصل یہ مسئلہ عرف پر مبنی ہے مشترکہ نظام کا معروف دستور یہی ہے کہ خاندان کا ہر فرد اپنی حیثیت کے مطابق اس میں حصہ لیتا ہے اسی طرح رائج حقوق وفرائض میں بھی اس کی شراکت برابر کی ہوتی ہے، اس نظام میں آمد وخرچ اور افادہ واستفادہ کا تناسب نہیں دیکھا جاتا، بلکہ ہر شخص اس نظام کا حصہ ہوتا ہے اور ہر ایک اپنی طاقت بھر حصہ داری نباہتا ہے، پس ہر ایک کو اس نظام سے اپنی ضرورت کے مطابق فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہے......

اس مسئلہ میں درج ذیل فقہی عبارات سے روشنی حاصل کی جاسکتی ہے جو شرکت کے کاروبار کے ذیل میں کتب فقہ میں موجود ہیں، جن کی متعدد صورتوں میں محنت وعمل میں بین فرق ہونے کے باوجود تمام شرکاء کو منافع میں برابر کا حصہ ملتا ہے:

☆ "وكذا لو اجتمع إخوة يعملون فی تركة أبيهم ونمى المال فهو بينهم سوية، ولو اختلفوا فی العمل والرأی" (ردالمحتار ۳/ ۳۸۳)۔

Marfat.com

(اگر کئی بھائی ملکر باپ کے ترکہ سے کاروبار کریں تو منافع میں سب برابر کے شریک ہونگے خواہ محنت و تجربہ کے لحاظ سے ان میں فرق ہو)۔

☆ الأب وابنهٗ یکتسبان فی صنعة واحدة ولم یکن لهما شیء کالکسب، فکلهٗ للأب إن کان الابن فی عیالهٖ لکونه معیناً، ألا تریٰ لو غرس شجرة تکون للأب" (ردالمحتار فصل فی الشرکۃ الفاسدۃ ۳/ ۴۸۳ وکذا فی الفتاوی الھندیۃ ۲/ ۳۲۹)۔

(باپ اور بیٹے ملکر کوئی کام کرتے ہوں اور دونوں میں سے کسی کا سرمایہ اس میں لگا ہوا نہ ہو مثلاً کوئی محنت یا ہنر والا کام کرتے ہوں اگر بیٹا باپ کے زیر سرپرستی رہائش رکھتا ہو تو ساری کمائی باپ کی متصور ہوگی اور بیٹا اس کا محض مددگار قرار دیا جائے گا)۔

☆ "وفی الخانیة زوج بنیه الخمسة فی دارهٖ وکلهم فی عیالهٖ واختلفوا فی المتاع فهو للاب وللبنین الثیاب التی علیهم لاغیر" (شامی فصل فی الشرکۃ الفاسدۃ ۳/ ۴۸۳)۔

(فتاویٰ خانیہ میں لکھا ہے کہ کسی کے پانچ شادی شدہ بیٹے اس کے زیر پرورش گھر میں رہتے ہوں اور ان میں سامانوں کے بارے میں اختلاف پیدا ہو تو سارا سامان باپ کا مانا جائے گا اور بیٹوں کو صرف اپنے بدن کے کپڑوں کا مالک قرار دیا جائے گا)۔

ان اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشترک نظام میں (اگر قیام وطعام سب مشترک ہو) والد یا امیر کنبہ اصل ہوتا ہے اور باقی تمام افراد اس کے معاون تصور کئے جاتے ہیں اور اصل کے واسطے سے موجود اثاثہ پر سب کا حق مساوی پہنچتا ہے، مذکورہ بالا فقہی عبارت میں بیٹے کی ساری آمدنی کا مالک بھی باپ کو قرار دیا گیا ہے، اس کا مطلب ہے کہ اس میں ان بھائیوں کا بھی حصہ ہوگا جنہوں نے باپ کے ساتھ اس مال کے کمانے میں محنت نہیں کی تھی ...... اسی طرح اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ مشترک نظام کا اصل مقصد تعاون باہم ہوتا ہے۔

Marfat.com

خوداعتمادی، شخصی آزادی اور خودکفیل ذریعۂ آمدنی سے محروم ہو جاتا ہے، بہت سے لوگوں کو دوسرے پرانحصار کا مزاج بن جاتا ہے اس کی بناپر وہ اپنے بارے میں خود کچھ سوچنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے، اس کی مضرت کا احساس اکثر لوگوں کو اس وقت ہوتا ہے جب وہ شدید اختلاف کے بعد الگ ہوتے ہیں اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی کوشش کرتے ہیں، اس وقت دنیا میں وہ خود کو تنہا محسوس کرتے ہیں، اردگرد جو لوگ ہوتے ہیں ان سے عداوت کی بناپر وہ مشورہ تک نہیں لے سکتے، لاچار غیروں کا سہارا لینا پڑتا ہے، ایسے وقت مخلص اور غیر مخلص کی شناخت مشکل ہوتی ہے، اور مجبوری بھی ہوتی ہے، اس سلسلے کے تجربات آئے دن سامنے آتے رہتے ہیں۔

☆دوسری اقتصادی خرابی یہ ہے کہ مشترکہ نظام میں کمانے والوں کی تعداد کھانے والوں سے بہت کم ہوتی ہے جس کا منفی اثر خاندان کے علاوہ ملک کی معیشت پر بھی پڑتا ہے اور اس طرح آمد و خرچ کا توازن بگڑ جاتا ہے، جبکہ جداگانہ نظام میں خاندان کی ہر چھوٹی بڑی اکائی کام کرنے پر مجبور ہوتی ہے اور ہر ذمہ دار شخص بہتر سے بہتر ذریعۂ آمدنی اختیار کرنے کی کوشش کرتا ہے جس سے وہ خود بھی ترقی کرتا ہے اور ملک کی معیشت بھی مضبوط ہوتی ہے۔

(۱۰) مشترکہ نظام میں ایک بہت بڑا مسئلہ حسابات کی شفافیت اور ہر شخص تک اس کی محنت اور سرمایہ کے مطابق منافع کے پہونچنے کا ہے، ایک گھر میں متعدد افراد خاندان ایک ساتھ گذر بسر کرتے ہیں ان میں کسی کی آمدنی زیادہ ہوتی ہے کسی کی کم، کسی کے اخراجات اس کی آمدنی سے زیادہ ہوتے ہیں تو کسی کے کم، والدین اگر حیات ہوں تو کوئی بیٹا گھر کے خرچ یا کاروبار کے لئے زیادہ پیسے دیتا ہے کوئی کم، ظاہر ہے کہ ہر شخص یکساں آمدنی اور خرچ کا تو مالک نہیں ہوسکتا، ہر شخص کی اپنی صلاحیتیں اور مواقع ہوتے ہیں، لیکن مشترکہ نظام میں باہمی جذبۂ تعاون کو بنیاد بنا کر اس تفاوت کو نظر انداز کیا جاتا ہے، بالخصوص باپ کی موجودگی میں یہ مسئلہ ہرگز زیر بحث نہیں آتا، لیکن جب سخت حالات میں سب کی جدائی عمل میں آتی ہے تو مشترکہ جائیداد کی تقسیم برابر برابر حسب حصۂ شرعی کی جاتی ہے، فقہاء بھی یہی فرماتے ہیں کہ چونکہ ملکیتیں ممتاز نہیں

Marfat.com

ہیں، اس لئے سارے لوگ باپ یا رئیس خاندان کے معاون تصور کئے جائیں گے اور موجود اثاثہ پر سب کا حق برابر ہوگا اور تقسیم حسب حصص شرعی انجام پائے گی (ردالمحتار کتاب الشرکۃ ۳/ ۳۸۳)۔

مگر اس کے بعد کتنی پیشانیاں شکن آلود ہوتی ہیں، بغض ونفرت، کینہ وحسد اور تہمت والزام تراشی کا نہ تھمنے والا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے، زیادہ کمائی دینے والے کو اپنے خسارہ کا احساس، اور کم دینے والے کو مزید سے مزید لینے کی فکر......اس وقت سارا جذبۂ تعاون ہوا ہوجاتا ہے اور ایک ہی گھر کے افراد باہم اس طرح برسرِ پیکار نظر آتے ہیں جیسے صدیوں کی دشمنی چلی آرہی ہو، ''الامان والحفیظ''، کیا فائدہ ایسے مشترکہ نظام اور وقتی جذبۂ تعاون کا، جس کا انجام اتنا بھیانک ہو؟......بہت کم ہیں ایسے گھرانے جو اس شدید انجام سے بچ جاتے ہوں اکثر لوگ اس اذیت ناک بھٹی سے گذرتے ہیں......اور شرعی مسائل کی بنیاد عام حالات پہ ہوتی ہے، نہ کہ مخصوص اور استثنائی حالات پر......''تلک عشرۃ کاملۃ''۔

یہ وجوہات ہیں جن کی بنا پر میری حقیر رائے میں جداگانہ خاندانی نظام زیادہ بہتر اور شرعی قباحتوں سے بڑی حد تک پاک ہے، خصوصاً آج کے دور میں جبکہ جذبۂ تدین، احساس ذمہ داری اور دینی واخلاقی قدروں کا فقدان ہوتا جارہا ہے، امیدیں ٹوٹ رہی ہیں اور رشتوں پر مفادات کا غلبہ ہورہا ہے، ایسے حالات میں جداگانہ خاندانی نظام قبول کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ہے، اس وقت خاندان کے بااثر لوگوں کی ذمہ داری ہوگی کہ بوڑھے والدین اور خاندان کے کمزور اور بزرگ حضرات کے لئے ایک نظام العمل مرتب کریں جس میں خاندان کی ہر اکائی کی مالی حیثیت اور قرابت وتعلق کو ملحوظ رکھا جائے، اور خاندان کے جملہ افراد اپنی اولین ترجیحات میں اس کو شامل کریں۔

مشترکہ نظام میں گھر کے اخراجات کی تقسیم:

اگر مشترکہ خاندان ہو اور افراد خانہ ان کی ضروریات کے لئے سب مل کر خرچ دیں، کسی کے بچے زیادہ ہوں اور کسی کے کم، تو کیا ان سب پر برابر اخراجات عائد کئے جائیں گے یا

Marfat.com

زیادہ کمانے والے بھائی کی زائد آمدنی میں دوسرے بھائیوں کا حصہ:

(۴) اگر تین بھائی ہیں، دو بھائی اپنی پوری تنخواہ مثلاً دس دس ہزار روپے گھر میں دے دیتے ہیں اور ایک بھائی بیس ہزار روپے کماتا ہے وہ بھی دس ہزار گھر میں دیتا ہے اور دس ہزار الگ بچا کر رکھتا ہے تو وہ بچی ہوئی رقم صرف اس کی ملکیت ہوگی اس میں دیگر بھائیوں کا کوئی حصہ نہ ہوگا، اس لئے کہ آمدنی کا یہ حصہ مشترکہ نظام کے دائرے سے خارج ہے، یہ اس کی ذاتی ملک ہے جو اس نے اپنے لئے پس انداز کی ہے، مشترکہ نظام کے دائرے میں صرف وہ رقم داخل ہوگی جو اس غرض سے اس میں شامل کی جائے گی ۔ بقیہ رقم کو الگ کر لینا اس بات کی علامت ہے کہ وہ اس رقم کو اس نظام کا حصہ بنانا نہیں چاہتا، اور کسی کی مرضی کے بغیر اس کے مال پر تصرف جائز نہیں، اس لئے بچا ہوا مال اس کی ذاتی ملکیت ہی میں رہے گا اور اس پر کسی بھائی یا بہن کا کوئی حق نہیں ہوگا۔

کمانے والے افراد کی کمائی میں گھر کا کام دیکھنے والوں کا حصہ:

(۵) اگر خاندان کے کچھ افراد کماتے ہیں اور کچھ گھر کے کام دیکھتے ہیں اور اس طرح گھر کا کام چلتا ہے تو کیا کمانے والے حضرات کی آمدنی میں کام کرنے والے حضرات بھی برابر کے حقدار ہونگے؟

مسئلے کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

(الف) کوئی مشترکہ موروثی یا غیر موروثی کاروبار ہو جس میں کچھ لوگ کاروبار میں لگے ہوں اور کچھ گھر کے معاملات دیکھتے ہوں، ایسی صورت میں کاروبار میں لگے افراد کی آمدنی میں گھر میں کام کرنے والے حضرات بھی برابر کے حصہ دار ہونگے، اس لئے کہ گھر اور کاروبار دونوں کے شرکاء ایک ہیں اور صرف تقسیم کار کے اصول پر کام کو بانٹ دیا گیا ہے۔

(ب) لیکن اگر کوئی ایسا مشترکہ کاروبار نہ ہو، بلکہ تمام لوگ اپنے اپنے طور پر کام

Marfat.com

کرتے ہوں اور اسی میں سے کچھ رقم گھر کے خرچ کے لئے دیتے ہوں اور کچھ حسب سہولت پس انداز کر لیتے ہوں اور کچھ لوگ وہ ہوں جو گھر کے معاملات میں مشغول ہوں اور کوئی آمدنی والا کام نہ کرتے ہوں، ایسی صورت میں وہ رقم جو گھر کے خرچ کے لئے کمانے والوں نے دے دی ہے اس میں ظاہر ہے کہ سارے افراد کا برابر حصہ ہوگا، لیکن جو رقم ان لوگوں نے گھر میں نہیں دی، بلکہ اپنے پاس رکھ لی، اس میں دیگر حضرات کا حصہ دار ہونا بہت مشکل ہے، اس لئے کہ جو مال انسان کی ذاتی ملکیت سے خارج نہیں ہوا اس پر دوسرے کا حق کیوں کر ثابت ہو سکتا ہے؟...... زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ گھر کے کام میں لگے ہوئے لوگوں کو آمدنی لانے سے مستثنیٰ کر دیا جائے اور ان کی محنت کو دوسروں کی کمائی کا بدل قرار دیا جائے، یعنی وہ بغیر کمائے ہوئے بھی گھر میں جمع ہونے والی آمدنی میں برابر کے حقدار ہوں گے، لیکن کمائی کا وہ حصہ جو کمانے والوں کی جیب سے نکل کر گھر میں نہیں آیا وہ ظاہر ہے کہ ان کی نجی ملک ہے اس پر دوسروں کو حق دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

والدین کی خدمت وکفالت کی ذمہ داری:

(۶) والدین ساری زندگی بچوں کی خدمت کرتے ہیں اور کفالت بھی اور بڑھاپے میں انہیں خدمت وکفالت کی ضرورت ہوتی ہے، ایسے وقت شریعت اسلامیہ والدین کی خدمت وکفالت کی ذمہ داری اولاد پر عائد کرتی ہے، قرآن کریم میں ہے،

"وقضیٰ ربک ألا تعبدوا إلا إیاہ وبالوالدین إحساناً" (الاسراء:۲۳)۔

(اور تیرے پروردگار کا یہ فیصلہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو)۔

"ووصینا الإنسان بوالدیہ إحساناً" (عنکبوت:۸)۔

(اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کی)۔

"وصاحبھما فی الدنیا معروفاً" (لقمان:۱۵)۔

Marfat.com

(اور والدین کے ساتھ دنیا میں اچھا سلوک کرو)۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص اپنے والد کے ساتھ حاضر ہوا اور عرض کیا:

"یا رسول اللہ إن لی مالاً وإن لی أباً ولہ مال وإن أبی یرید أن یأخذ مالی، فقال رسول اللہ ﷺ: أنت ومالک لأبیک" (ابوداؤد، کتاب البیوع باب فی الموٴجل یأکل من مال ولدہ، ۳۵۳۰،ابن ماجہ کتاب التجارات باب ماللرجل من مال ولدہ ۲۲۹۲،مسند احمد ۲/ ۲۱۴)۔

(یارسول اللہ! میرے پاس مال ہے اور میرے والد کے پاس بھی مال ہے، پھر بھی میرے والد میرا مال لینا چاہتے ہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کا ہے)۔

بعض روایات میں اولاد کو انسان کی کمائی قرار دیا گیا ہے:

"إن أطیب ما یأکل الرجل من کسبہ وإن ولدہٗ من کسبہ، فکلوا من کسب أولادکم إذا احتجتم إلیہ بالمعروف" (ابوداؤد ۸۰۱/۳ طحمص، ابن ماجہ ۶۹/۲ طالحلبی)۔

(سب سے پاکیزہ رزق وہ ہے جو انسان اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھائے، اور اولاد بھی انسان کی کمائی ہے، پس ضرورت کے وقت اپنی اولاد کی کمائی کھاؤ معروف طریقہ پر)۔

والدین کے لئے اولاد کی ذمہ داریاں:

فقہاء نے پوری تفصیل کے ساتھ والدین کے لئے اولاد کی ذمہ داریوں کو واضح کیا ہے:

☆ اگر والدین ضرورت مند ہوں اور ان کے پاس مال نہ ہو تو اولاد پر ان کی کفالت واجب ہے، والدین کمانے پر قادر ہوں یا نہ ہوں اگر وہ نہیں کما رہے ہیں تو ان کو کمانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، بلکہ ان کو خرچ مہیا کرنا اولاد کی ذمہ داری ہے بشرطیکہ اولاد صاحب استطاعت ہو یا

Marfat.com

کمانے پر قادر ہو اور کمائی میں اس کے اپنے اور بیوی بچوں کے اخراجات کے علاوہ گنجائش ہو (تبیین الحقائق ۳/ ۶۴، شامی ۲/ ۶۷۸)۔

☆ اگر ماں کے مرنے کے بعد باپ نے دوسری شادی کر لی ہو اور باپ کی خدمت کے لئے سوتیلی ماں کا باپ کے پاس رہنا ضروری ہو اور اس کے خرچ کا کوئی انتظام نہ ہو تو صاحب استطاعت اولاد پر باپ کے ساتھ سوتیلی ماں کا خرچ بھی واجب ہوگا، البتہ اگر باپ سوتیلی ماں کے بغیر بھی خود اپنے سارے امور انجام دے سکتا ہو تو اس صورت میں اولاد پر سوتیلی ماں کا خرچہ واجب نہیں ہوگا، دے تو باعث فضیلت ہے، ورنہ مجبور نہیں کیا جائے گا۔

☆ اگر باپ کو خدمت گار کی ضرورت ہو تو خدمت گار کی فراہمی بھی اولاد کے ذمہ ہے، بشرطیکہ ان کے پاس اتنی گنجائش ہو۔

☆ اگر ماں باپ کے پاس نابالغ یا معذور اولاد ہو جن کے اخراجات کا بوجھ بھی انہی کے سر ہو تو ماں باپ کے ساتھ ان کی چھوٹی اولاد کے اخراجات بھی حسب گنجائش کمانے والی اولاد پر واجب ہوگی (بدائع الصنائع کتاب النفقۃ سبب وجوب ھذہ النفقۃ ۳/ ۴۴۳، فتاویٰ ہندیہ نفقۃ ذوی الارحام ۱/ ۵۶۵ ط دیوبند)۔

☆ فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر باپ کو نکاح کی ضرورت ہو اور بیٹے کے پاس اتنی استطاعت ہو تو باپ کی شادی کرانا بھی اس کی ذمہ داری ہے (فتاویٰ ہندیہ نفقۃ ذوی الارحام ۱/ ۵۶۵ ط دیوبند)۔

☆ البتہ اگر اولاد میں کوئی اس قدر صاحب استطاعت نہ ہو کہ ان کے کھانے پینے اور خدمت کا مستقل انتظام کر سکے، جبکہ والدین بالکل محتاج اور معذور ہوں، اور ان کے انتظام کی کوئی دوسری شکل موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ موجود اولاد اپنے شامل ان کی رہائش اور کھانے پینے کا نظم کرے، اس لئے کہ مشترکہ کھانے میں ایک دو آدمی کے کھانے کی گنجائش بآسانی نکل سکتی ہے، اور الگ رہنے میں جبکہ بنیادی اخراجات کا بھی نظم ممکن نہ ہو، والدین کی

Marfat.com

صحت اور زندگی کے لئے بڑے خطرات ہیں (فتاویٰ ہندیہ نفقۃ ذوی الارحام ۱/۵۶۵ ط دیوبند، بدائع الصنائع کتاب النفقۃ شرائط وجوب النفقۃ ۳/۴۴۹)۔

☆ اگر اولاد باوجود استطاعت وسہولت کے والدین کے اخراجات سے انکار یا ٹال مٹول کرے تو والدین کو حق ہوگا کہ وہ ان کو بتائے بغیر اپنے خرچ کے بقدر مال لے لے، اگر وہاں قاضی ہو تو قاضی کے پاس اپنا معاملہ لے جائے (فتاویٰ ہندیہ نفقۃ ذوی الارحام ۱/۵۶۷ ط دیوبند)۔

☆ یہی حکم جمہور فقہاء کے نزدیک اولاد کی اولاد کے لئے بھی ہے، یعنی اگر اپنی اولاد مر چکی ہو یا خود بہت محتاج اور معذور ہو تو احکام کی یہ تفصیلات اولاد کی اولاد پر بھی عائد ہونگی اور یہ سلسلہ نیچے تک چلتا رہے گا (العنایۃ علی الہدایہ ۴/۴۱۰، مغنی المحتاج ۳/۴۴۶)۔

☆ اسی طرح فقہاء نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ والدین کی خدمت وکفالت کی ذمہ داری اولاد ذکور واناث دونوں پر برابر عائد ہوتی ہے، اگر اولاد میں کوئی زیادہ خوشحال ہے اور کوئی کم تب بھی واجبات کی ادائیگی میں فرق نہیں کیا جائے گا، شمس الائمہ سرخسیؒ نے بعض مشائخ کا قول نقل کیا ہے کہ اولاد میں تھوڑے بہت فرق کا اعتبار نہیں ہے، لیکن بہت زیادہ فرق ہو تو فرق کا لحاظ رکھا جائے گا (فتاویٰ ہندیہ نفقۃ ذوی الارحام ۱/۵۶۴، ۵۶۵ ط دیوبند)۔

شامی میں ہے کہ اگر والدین چلنے پھرنے سے معذور ہو جائیں اور ان کی خدمت اور دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ ہو اور ایک بیٹی ہے جو شادی شدہ ہے اور اپنی سسرال میں رہتی ہے تو اس شادی شدہ بیٹی کی ذمہ داری ہے کہ وہ باپ کے گھر آ کر ان کی خدمت اور دیکھ بھال کا فریضہ ادا کرے، اگر شوہر اس کے لئے راضی نہ ہو تب بھی والدین کو اس بے بسی کی حالت میں تنہا نہ چھوڑے، ایسے موقعہ پر ماں باپ کا حق مقدم ہے، زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ شوہر اس کا نفقہ بند کر دے گا، مگر نفقہ کی لالچ میں والدین کی خدمت نہ چھوڑے:

"ولو أبوها ...... زمنا مثلاً فاحتاجها، فعليها تعاهده ولو كافراً، وإن أبى الزوج "فتح" (درمختار) أى مريضاً مرضاً طويلاً ...... وهذا إذا لم يكن من يقوم

Marfat.com

علیه ...... لأن ذلک من المصاحبة بالمعروف المأمور بها ......لرجحان حق الوالد وهل لها النفقة الظاهر لا، وإن كانت خرجت من بيته بحق كما لو خرجت لفرض الحج" (ردالمحتار کتاب الطلاق مطلب فی الکلام علی المؤنسة ۵/۲۵۷،۲۵۸ ط دیوبند)۔

☆ رہ گیا مسئلہ بہو کا، تو قانونی طور پر وہ شوہر کے والدین کے لئے جوابدہ نہیں ہے، قانونی طور سے جس شخص کی وہ بیوی ہے وہ بھی اپنی خدمت کے لئے اسے مجبور نہیں کرسکتا، فقہاء نے اس ذیل میں ایک دلچسپ جزئیہ لکھا ہے:

ولو جاء الزوج بطعام يحتاج إلى الطبخ والخبز فأبت المرأة الطبخ والخبز، يعني بأن تطبخ وتخبز لما روى أن رسول الله ﷺ قسم الأعمال بين عليؓ وفاطمةؓ فجعل أعمال الخارج على عليؓ وأعمال الداخل على فاطمةؓ ولكنها لا تجبر على ذلک إن أبت ويؤمر الزوج أن يأتى لها بطعام مهيأ" (بدائع الصنائع کتاب النفقة بیان مقدار الواجب فی النفقة ۳/۴۳۰، شامی کتاب الطلاق ۵/۲۳۱)۔

(اگر شوہر ایسا کھانا لیکر آئے جس کو پکانے یا روٹی بنانے کی ضرورت ہو اور عورت پکانے سے انکار کردے جیسا کہ روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گھر کے کام کو حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے درمیان تقسیم کردیا تھا، حضرت علیؓ کے ذمہ باہر کا کام اور حضرت فاطمہؓ کے ذمہ اندر کا کام مقرر فرمایا تھا، لیکن اگر عورت انکار کردے تو اس کو مجبور نہیں کیا جائیگا اور شوہر سے کہا جائے گا کہ وہ بیوی کے لئے تیار شدہ کھانا لیکر آئے)۔

ظاہر ہے کہ پھر شوہر کے والدین کی خدمت کے لئے اس کو مجبور کیسے کیا جاسکتا ہے؟ یہ سارا معاملہ اخلاقی ہے، جیسے حضور ﷺ نے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے درمیان اخلاقی بنیادوں پر کاموں کی تقسیم فرمادی تھی، اسی بنیاد پر المعروف کالمشروط کے اصول پر ساس سسر کی خدمت ودیکھ بھال کا بار بہو پر ڈالا جاسکتا ہے، اور اس سے کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح تمہارا شوہر تمہارے ماں باپ کا خیال رکھتا ہے، تم کو بھی اس کے ماں باپ کا خیال رکھنا چاہئے، بہت سے

Marfat.com

کام جو قانون کے بل پر نہیں ہوسکتے، اخلاقی قوت کے ذریعہ ہوجاتے ہیں خصوصاً گھریلو اخلاقیات جو عرف میں رائج ہوں، ان کی نزاکت کا لحاظ تو ہر ایک کو رکھنا چاہئے، آخر ایک نہ ایک دن ہر ایک کو اس مرحلے سے گذرنا ہے، علامہ حصکفیؒ نے میاں بیوی کے مسائل کے ذیل میں کثرت مہر کو جہیز سے جوڑتے ہوئے لکھا ہے:

"وعليه فلو زفت به إليه لايحرم عليه الإنتفاع به، وفي عرفنا يلتزمون كثرة المهر لكثرة الجهاز وقلته لقلته: ولاشك أن المعروف كالمشروط، فينبغي العمل بما مر. كذا في النهر" (درمختار علی ردالمحتار کتاب الطلاق مطلب فی الابراء عن النفقة ۵/۲۳۸)۔

(عورت جو سامان جہیز لیکر آتی ہے اس سے شوہر کا استفادہ کرنا جائز ہے، اس لئے کہ ہمارے عرف میں جن عورتوں کا مہر زیادہ ہوتا ہے وہ زیادہ سامان جہیز لیکر آتی ہیں اور کوئی شبہ نہیں کہ معروف، مشروط کی طرح ہوتا ہے، اس لئے اس پر عمل ہونا چاہئے)۔

قریبی رشتہ داروں سے پردہ کا مسئلہ:

(۷) مشترک خاندان میں ایک بڑا مسئلہ قریبی رشتہ داروں سے باہم پردہ کا ہے، خاص طور سے جب خاندان کافی بڑا ہو اور سب یا اکثر ایک ہی احاطے میں رہتے ہوں تو بہت احتیاط کے باوجود ایک دوسرے سے مکمل پردہ نہیں ہو پاتا۔

پردہ کے بارے میں شریعت کا مزاج اور مذاق یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل چیز فتنہ اور موقعۂ تہمت سے اجتناب ہے، جہاں فتنہ جتنا زیادہ سخت ہوگا، کراہت اتنی ہی شدید ہوگی، حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

"إياكم والدخول على النساء فقال رجل من الأنصار: يارسول الله! أفرأيت الحمو قال: الحمو الموت" الحديث متفق عليه (مشکوۃ باب النظر الی المخطوبة ص ۲۶۸)۔

Marfat.com

(عورتوں کے پاس جانے سے بچو، ایک انصاری صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! دیور کے بارے میں کیا رائے ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا دیور تو موت ہے)۔

"وعن عامر بن ربیعةؓ قال رسول الله ﷺ: لايخلون رجل بامرأة قال: ثالثها الشيطان" (مشکوۃ باب النظر الی المخطوبہ ص ۲۶۸)۔

(حضرت عامر بن ربیعہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص کسی عورت سے تنہائی میں نہ ملے، فرمایا کہ تیسرا شیطان ہوتا ہے)۔

گھروں میں ستر عورت کا مسئلہ نہیں ہے حجاب کا مسئلہ ہے جس کا تذکرہ احادیث میں کیا گیا ہے یا قرآن پاک میں آیا ہے کہ جب باہر نکلو تو اپنے اوپر جلباب ڈال لیا کرو (ويدنين عليهن من جلابيبهن) (سورہ نور: ۵۹)، یہ اس لئے نہیں کہ چہرہ عورت ہے، بلکہ اس لئے کہ اسی سے فتنہ کا آغاز ہوتا ہے، دیور وغیرہ سے لوگ مذاق اور بے تکلفی کا رشتہ تصور کرتے ہیں، اس لئے وہاں تنہائی اور بے پردگی اور بھی زیادہ خطرناک ہے...... فقہاء حنفیہ کا نقطۂ نظر اس سلسلے میں بہت نرم، لچکدار، معتدل اور موجودہ حالات میں زیادہ قابل عمل ہے:

"وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين الرجال لا لانهٗ عورة بل لخوف الفتنة كمسه وإن أمن الشهوة (درمختار) والمعنىٰ تمنع من الكشف لخوف أن يرى الرجال وجهها فتقع الفتنة ...... وهذا فى الشابة، أما العجوز التى لا تشتهى، فلا بأس بمصافحتها ومس يدها إن أمن ...... ولا يجوز النظر إليه بشهوة أى إلا لحاجة ......والتقييد بالشهوة يفيد جوازها بدونها، لكن سيأتى فى الحظر تقييدهٗ بالضرورة، وظاهرهٗ الكراهة بلاحاجة داعية، قال فى التتارخانية: وفى شرح الكرخى: النظر إلىٰ وجه الأجنبية الحرة ليس بحرام، ولكنه يكره لغير حاجة" (ردالمحتار کتاب الصلاۃ مطلب فی ستر العورۃ ۲/ ۷۲، ۷۳) وکذا فی المبسوط للسرخسی ۱۰/ ۱۵۲، وفتح القدیر ۱/ ۱۸۱)۔

Marfat.com

(جوان عورت کو مردوں کے درمیان چہرہ کھولنے سے اس لئے نہیں روکا جاتا کہ وہ ستر عورت کے دائرے میں داخل ہے، بلکہ اس لئے کہ فتنہ کا اندیشہ ہے، جس طرح کہ عورت کو چھونا درست نہیں محض فتنہ سے بچنے کے لئے اگر چہ کہ شہوت سے محفوظ ہو۔..... مطلب یہ ہے کہ عورت اگر مردوں کے درمیان چہرہ کھولے گی اور لوگ اس کا چہرہ دیکھیں گے تو فتنہ پیدا ہو سکتا ہے...... یہ حکم جوان عورت کے لئے ہے، بوڑھی غیر مشتہاۃ عورت سے مصافحہ کرنے اور اس کا ہاتھ چھونے میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ شہوت سے محفوظ ہو......، اسی طرح جوان عورت کے چہرہ کو بلا ضرورت دیکھنا جائز نہیں، شہوت کی قید کا مقصد یہ ہے کہ شہوت نہ ہو تو دیکھ سکتے ہیں، مگر ضرورت کی قید برقرار ہے، یعنی واقعی ضرورت کے بغیر چہرہ دیکھنا مکروہ ہے، تاتار خانیہ میں شرح الکرخی کے حوالے سے ہے کہ اجنبی عورت کا چہرہ دیکھنا حرام نہیں ہے، البتہ بلا ضرورت مکروہ ہے)۔

علامہ شامی نے مختلف فقہی کتابوں کے حوالے سے جو بات منقح کی ہے وہ یہ کہ جوان عورت کا چہرہ کسی اجنبی کے لئے بلا ضرورت دیکھنا مکروہ ہے، اگر حاجت ہو اور انسان شہوت سے محفوظ ہو تو بقدر حاجت غیر محرم عورت کا چہرہ دیکھنا درست ہوگا۔

مشترک نظام میں جبکہ خاندان کی متعدد اکائیاں ایک احاطے میں قیام پذیر ہوتی ہیں ایک دوسرے کا آمنا سامنا ہونے سے بچنا بہت مشکل ہے، یہ ایک مجبوری ہے جس میں ابتلائے عام ہے، یہ ویسی ہی مجبوری ہے جس کو فقہاء نے حاجت داعیہ کہا ہے، اسلئے اگر شہوت سے امن ہو تو بلا ارادہ غیر محرم عورت کے چہرہ پر نظر پڑ جانے میں مضائقہ نہیں، البتہ ارادہ کے ساتھ نہ دیکھے، تنہائی میں اکٹھا ہونے سے ہر ممکن پرہیز کرے، باہر یا اپنے کمرے سے گھر کے احاطے میں داخل ہو، تو آواز دیکر یا کھانس کر داخل ہوتا کہ غیر محرم عورتیں محتاط ہو جائیں اور بلا ضرورت کسی پر نظر نہ پڑے، عورتیں بھی جب اپنے کمروں سے نکلیں تو پورے پردہ کے ساتھ نکلیں جس میں صرف ضرورت کے بقدر ہی آنکھ وغیرہ کھلی ہو، ہنسی مذاق اور بے تکلفی سے پوری احتیاط برتیں، دل ونگاہ کو پاک رکھیں اور جان بوجھ کر کسی ایسی جگہ نہ رہیں جہاں تنہائی میں کوئی اس سے ملنے کی کوشش کر

Marfat.com

ے، اس احتیاط کے ساتھ رہا جائے تو مشترک نظام مشکل ہونے کے باوجود ناجائز نہیں رہے گا۔

عصر حاضر کے بزرگوں میں حضرت الاستاذ مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے اپنے فتاویٰ میں گھریلو پردہ کے بارے میں تقریباً انہی خیالات کا اظہار کیا ہے (دیکھئے فتاویٰ محمودیہ ۸/ ۲۷۴، ۲۷۵)،

واللہ اعلم بالصواب۔

خلاصۂ جوابات:

(۱) آج کے دور میں مختلف مصالح کے تحت مشترکہ خاندانی نظام کے مقابلے میں جداگانہ خاندانی نظام زیادہ بہتر ہے اور اس میں شرعی حدود، دوسروں کے حقوق، اور شرعی منکرات ومحظورات سے تحفظ زیادہ ممکن ہے۔

(۲) اگر مشترکہ خاندان ہو اور افراد خاندان کی ضروریات کے لئے سب مل کر خرچ دیں تو سب پر برابر اخراجات عائد کئے جائیں گے، خواہ کسی کے بچے کم ہوں یا زیادہ۔

(۳) اس صورت میں اگر مختلف بھائیوں نے ملکر اپنے والد یا کسی بھائی کے پاس آمدنی جمع کی اور گھر کے اخراجات سے بچی ہوئی رقم سے کوئی چیز خریدی گئی تو اس میں سبھوں کا حصہ برابر ہوگا، آمدنی کا لحاظ نہیں ہوگا۔

(۴) اگر تین بھائی ہیں دو بھائی اپنی پوری تنخواہ مثلاً دس دس ہزار روپے گھر میں دیتے ہیں اور ایک بھائی بیس ہزار روپے کماتا ہے، وہ بھی دس ہزار گھر میں دیتا ہے اور دس ہزار الگ بچا کر رکھتا ہے تو وہ بچی ہوئی رقم صرف اس کی ملکیت ہوگی اس پر بھائیوں کا کوئی حق نہیں ہوگا۔

(۵) اگر خاندان کے کچھ افراد کماتے ہیں اور کچھ گھر کے کام دیکھتے ہیں اور اس طرح گھر کا کام چلتا ہے تو کمانے والے حضرات کی آمدنی میں گھر میں کام کرنے والوں کا کوئی حق نہیں ہوگا، الا یہ کہ کمانے والے حضرات گھر ہی کے مشترک کاروبار میں کام کرتے ہوں تو ایسی صورت میں کمانے والوں کی کمائی میں گھر میں کام دیکھنے والوں کا برابر حصہ ہوگا۔

Marfat.com

(۶) والدین کی خدمت وکفالت کی مکمل ذمہ داری اولاد کے سر ہے، خواہ وہ اولاد ذکور ہوں یا اناث، بہو کے اوپر، "المعروف کالمشروط" کے اصول پر محض اخلاقی طور یہ ذمہ داری آتی ہے، اگر کسی وجہ سے وہ انکار کردے تو اس کو قانوناً مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

(۷) خاندان کے غیر محرم لوگوں سے بھی عام اصول کے مطابق پردہ واجب ہے، بلکہ باہم بے تکلفی اور ساتھ رہنے کی بنا پر خطرات اور بھی زیادہ ہیں، البتہ ایک ساتھ رہنے پر اس میں تھوڑی مشکلات بھی ہیں اور زیادہ تر بے احتیاطی بھی ہوتی ہے، اس لئے جہاں تک ممکن ہو پردہ کا اہتمام ضروری ہے، لیکن تمام احتیاط کے باوجود آمنا سامنا ہو جائے، اور دل میں کوئی شہوت یا بدخیالی پیش نہ آئے تو دفعاً للحرج مضائقہ نہیں۔

Marfat.com

خاندانی نظام۔بعض احکام و مسائل

مولانا محمد مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی☆

خاندانی نظام کا ڈھانچہ:

قرآن مجید نے خاندانی نظام کو بڑی اہمیت دی ہے، اس کے وجود کو اللہ تعالیٰ کے احسانات میں سے شمار کیا ہے، واضح رہے کہ انسانی خاندان کی بنیاد تین حصوں میں دائر ہے: دادیہال، نانیہال اور سسرال۔ دادیہال اور نانیہال ماں باپ کی طرف سے ہوتے ہیں جن کو نسبی رشتہ کہا جاتا ہے، اور سسرال شوہر و بیوی کی طرف سے ہوتا ہے، جسے قرآنی اصطلاح میں ''صہر'' کہا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وهو الذی خلق من الماء بشراً فجعله نسباً وصهرا وكان ربك قديراً'' (الفرقان:۵۴) (اور وہ وہی ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا کیا، پھر اس کو خاندان والا اور سسرال والا بنا دیا، اور آپ کا پروردگار بڑا قدرت والا ہے)۔

''والله جعل لكم من أنفسكم أزواجاً وجعل لكم من أزواجكم بنين وحفدة ورزقكم من الطيبات...'' (النحل:۷۲) (اور اللہ نے تم ہی میں سے تمہارے لئے بیویاں بنائیں اور تمہارے لئے تمہاری بیویوں سے بیٹے اور پوتے پیدا کئے اور تمہیں لذیذ چیزیں کھانے کو دیں)۔

''ومن آياته أن خلق لكم من أنفسكم أزواجاً لتسكنوا إليها وجعل

☆ استاذ المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد۔

Marfat.com

بینکم مودة ورحمة إن فی ذلک لآیات لقوم یتفکرون" (الروم:۲۱) (اوراس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تم ہی میں سے تمہارے واسطے جوڑے بنادیئے کہ ان کے پاس چین سے رہو اور تمہارے بیچ میں پیار اور مہربانی رکھا، البتہ اس میں بہت پتے کی باتیں ہیں جو دھیان کرتے ہیں)۔

"وأولوا الأرحام بعضهم أولی ببعض فی کتاب الله" (الاحزاب:۶) (اور قرابت والے ایک دوسرے سے لگاؤ رکھتے ہیں اللہ کے حکم میں...)۔

مشترکہ اور جداگانہ خاندانی نظام کے فوائد ونقصانات:

زندگی گذارنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ایک مختصر خاندان کے تمام افراد- جیسے اس کے والدین، بیوی، بچے اور بھائی بہن، بعض اوقات بھائی کے بچے، بلکہ بہن کے بچے بھی- ساتھ رہتے ہیں، اس طریقہ کو مشترکہ خاندان کہا جاتا ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ انسان صرف اپنے بال بچوں کے ساتھ رہے، یا زیادہ سے زیادہ اپنے والدین کو اپنے ساتھ رکھے، اس صورت کو جداگانہ خاندانی نظام کہا جاتا ہے۔

ان دونوں طریقوں میں بعض محاسن بھی ہیں اور بعض مفاسد بھی، مشترکہ خاندانی نظام میں خاندان کے کمزور لوگوں کی مدد ہوتی ہے، بیوہ، مطلقہ عورتوں اور یتیم لڑکوں اور لڑکیوں کی بہتر طور پر پرورش ہو جاتی ہے، بوڑھے ماں باپ کو سہارا حاصل ہوتا ہے، جبکہ اس سے بعض اوقات باہمی نزاع بھی اٹھ کھڑی ہوتی ہے، چچازاد اور پھوپھی زاد بھائی بہنوں کے درمیان پردہ کا اہتمام دشوار ہو جاتا ہے، دوسری طرف علاحدہ خاندانی نظام میں انسان کے اندر اپنی ذمہ داریوں کو محسوس اپنی ضرورتوں کو خود پوری کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، جبکہ مشترکہ خاندانی نظام میں ایسا نہیں ہوتا ہے، کچھ لوگ محنت کرتے ہیں بقیہ لوگ بیٹھ کر عیش کرتے ہیں، اور غیر ذمہ داری کا رجحان فروغ پاتا ہے، علاحدہ خاندانی نظام کا جہاں مذکورہ فائدے ہیں، وہیں اس کا منفی پہلو یہ ہے کہ بوڑھے اور خدمت کے محتاج ماں باپ اور خاندان کے بزرگ حضرات تنہا پڑ جاتے ہیں، یتیم بچے اور

Marfat.com

مطلقہ عورتوں کا بعض دفعہ کوئی پرسان حال نہیں رہتا، استاذ گرامی حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم جداگانہ خاندانی نظام کے نقصانات گناتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”نوجوان لڑکوں اور خاص کر لڑکیوں میں خاندان سے بے تعلق ہوکر ایسی زندگی گذارنے کا مزاج پیدا ہورہا ہے کہ جس میں انہوں نے اپنے بڑوں کی خدمت کرنی پڑے، اور نہ ان کا حکم ماننا پڑے، ماں باپ جن کے قدموں کے نیچے جنت رکھی گئی اور جن کو جنت کا دروازہ کہا گیا، وہ اولاد کے لئے بوجھ بنتے جارہے ہیں، خاندان کے بزرگوں کے تجربات پر مبنی مشوروں کو دخل در معقولات تصور کیا جارہا ہے، رشتۂ نکاح میں وفاداری کے بندھن کمزور ہوتے جارہے ہیں، اولاد سے فرار کا جذبہ پروان چڑھ رہا ہے، خاندان کے مجبور لوگوں کی کفالت اور ان کی خدمت کی ذمہ داری لوگ اپنے آپ پر محسوس نہیں کرتے، غرض کہ ہمارا خاندانی نظام بھی شکست وریخت کے خطرہ سے دوچار ہے“ (کلیدی خطبہ بموقع خاندانی نظام اور خواتین کے حقوق ر۱۱)۔

دیہات اور گاؤں سے شہر کی طرف نقل مکانی، الگ رہنے کا بڑھتا ہوا مزاج اور مکانات کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے اب مشترکہ خاندان کے بجائے جداگانہ خاندان کا رجحان بڑھتا جارہا ہے، اس رجحان کی وجہ سے مغربی ملکوں میں بوڑھے لوگوں کے لئے مستقل ہاسٹل تعمیر ہورہے ہیں؛ بلکہ اب ہندوستان کے بڑے شہروں میں بھی اس کی شروعات ہوچکی ہے؛ اسی پس منظر میں حسب ذیل سوالات پھر ان کے جوابات پیش خدمت ہیں:

مشترکہ خاندانی نظام بہتر یا جداگانہ؟

۱- اسلام کی نظر میں مشترکہ خاندانی نظام بہتر ہے یا جداگانہ زندگی بسر کرنے کا طریقہ؟

اسلامی نقطہ نظر سے مشترکہ خاندانی نظام اور جداگانہ زندگی بسر کرنے کا نظام دونوں شرعی حدود کی رعایت کے ساتھ جائز ہیں؛ اس لئے کہ شریعت میں دونوں کی نظیریں ملتی ہیں، مشترکہ خاندانی نظام کی نظیر اسلام کا قانون میراث اور قانون نفقہ ہے کہ جو اس بات کو واضح کرتا ہے کہ خاندانی نظام میں (اتنا پھیلا بھی نہ ہونا چاہئے کہ انسان کے لئے اس کی ذمہ داریوں سے

Marfat.com

عہدہ برآ ہونا مشکل ہوجائے، اور انسان گھر میں رہتے ہوئے اپنے آپ کو بازار میں محسوس کرے، اور ایک دوسرے سے اکتاہٹ کا سبب بن جائے۔

جہاں تک جداگانہ یعنی صرف اپنے بال بچوں یا زیادہ سے زیادہ اپنے والدین کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی بات ہے تو اس کی نظیر، بلکہ اسوۂ حسنہ موجود ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ زندگی بسر کی ہیں، نیز ہر زوجہ مطہرہ کا گھر سپریٹ الگ تھا، اور ہر ایک کے یہاں رات گذارنے کی باری بھی متعین تھی، اسی وجہ سے جب آپ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کی شادی حضرت علیؓ سے کردی تو ان دونوں کو علاحدہ گھر میں بسایا۔

اب رہا افضلیت و بہتر کی بات تو مختلف قرائن وشواہد اور اسوۂ رسول ﷺ سے معلوم ہوتا ہے کہ جداگانہ زندگی بسر کرنے کا طریقہ بہتر ہے، کیونکہ ہر انسان کے اندر خلوت پسندی اور دوسروں کی مداخلت سے تحفظ کا جو جذبہ رکھا گیا ہے، وہ مجروح ہونے سے محفوظ رہتا ہے، اللہ تعالی کے اس ارشاد سے بھی اس طرف اشارہ ملتا ہے: "اسکنوهن من حيث سكنتم من وجدكم" (طلاق:۶) (یعنی جہاں تم رہو وہاں ان کو اپنے مقدور کے مطابق رہنے کے واسطے گھر دو)، اسی وجہ سے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر عورت شوہر سے علاحدہ (سپریٹ) گھر کا مطالبہ کرے تو شوہر پر لازم ہے کہ ماں باپ، بھائی بہن یہاں تک کہ اگر اس کے پاس دوسری بیوی سے اولاد ہو تو اس سے بھی الگ ہوکر سپریٹ گھر مہیا کرے، اور الگ بسائے، تاکہ وہ ان لوگوں کی اذیت سے محفوظ رہ سکے، اور شوہر سے حق نفس کے حصول اور استمتاع میں یہ لوگ مخل نہ ہوسکیں، (ملک العلماء علامہ کاسانی کا بیان ہے:

"ولو أراد أن يسكنها مع ضرتها أو مع أحمائها كأمه وأخته وبنته من غيرها أو أقاربه فأبت ذلک، عليه أن يسكنها فی منزل مفرد، لأنهن ربما يؤذينها ويضرون بها فی المساكنة، وإباؤها دليل الأذى والضرر، ولأنه يحتاج إلى أن يجامعها ويعاشرها فی أی وقت يتفق، ولا يمكنه ذلک إذا كان معهما

Marfat.com

ثالث" (بدائع الصنائع ۳/ ۴۲۸ ط نعیمیہ دیوبند)، یہی مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے، چنانچہ علامہ دردیر، علامہ دسوقی مالکی اور علامہ علیش مالکی کا بیان ہے:

"ولها الامتناع من أن تسكن مع أقاربه كأبويه في دار واحدة لما فيه من الضرر عليهم باطلاعهم على حالها، ولو بعد رضاهابسكناهم معهم ولم يثبت الضرر لها بمشاجرة ونحوها" (حاشیۃ الدسوقی، الشرح الکبیر وہامش علیش ۳/ ۴۸۵)۔

امام نووی کہتے ہیں: "ومن المعروف أن يسكنها بمسكن، و لأنهما تحتاج إليه للاستتار عن العيون عند الاستمتاع" (المجموع ۲۰/ ۱۱۰، تحقیق: محمد نجیب مطیعی، ط: داراحیاء التراث العربی، بیروت)، علامہ ابن قدامہ رقمطراز ہیں: "ومن المعروف أن يسكنها في مسكن، ولأنهما لا تستغني عن المسكن للاستتار عن العيون وفي التصرف، والاستمتاع، وحفظ المتاع" (المغنی ۱۱/ ۳۵۵، ط: دار عالم الکتب، ریاض))۔

اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "فإمساک بمعروف" (بقرہ: ۲۲۹) (یا تو بھلے طریقے پر روک رکھنا ہے)، "وعاشروهن بالمعروف" (نساء: ۱۹) (اور ان لوگوں کے ساتھ اچھی طرح گذر بسر کرو) کا تقاضا یہ ہے کہ شریک حیات کے لئے مستقل علاحدہ رہائش کا نظم ہونا چاہئے۔

بچوں کی تعداد کے لحاظ سے اخراجات ہوں گے:

۲- اگر مشترکہ خاندان ہو اور افراد خاندان کی ضروریات کے لئے سب مل کر خرچ دیں، کسی کے بچے زیادہ ہوں اور کسی کے کم ہوں، تو کیا ان سب پر برابر اخراجات عائد کئے جائیں گے یا ان کے بچوں کی تعداد کے لحاظ سے؟

اسلامی قانون یہ ہے کہ بچوں کے اخراجات ان کے باپوں پر واجب ہوتے ہیں، جس طرح بیوی کا نفقہ شوہر پر اور ماں باپ کا خرچ اولاد پر ہوتا ہے، دوسرے افراد خاندان پر نہیں، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"والوالدات يرضعن أولادهن حولين كاملين لمن أراد أن يتم

Marfat.com

الرضاعة وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف" (بقرہ:۲۳۳) (مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں، یہ حکم اس کے لئے ہے جو دودھ کی مدت پوری کرنا چاہے، اور (اس صورت میں) دودھ پیتے بچہ کے باپ پر ان عورتوں کا معروف طریقہ کے مطابق کھانا اور کپڑا واجب ہے۔"

ظاہر ہے کہ دودھ پلانے والی مطلقہ ماؤں کا نفقہ باپ پر محض بچے کی وجہ سے لازم ہو رہا ہے (بدائع الصنائع ۴۴۰/۳)، جیسا کہ اللہ تعالی نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

"فإن أرضعن لكم فآتوهن أجورهن" (طلاق:۶) (پھر اگر وہ دودھ پلائیں تمہاری خاطر، تو ان کا بدلہ دو)۔

اسی طرح اس آیت کریمہ میں بچہ کو دودھ پلانے کی اجرت باپ پر لازم قرار دی گئی، ایسا اس لئے کہ بچہ کا نفقہ باپ پر واجب ہے (حوالہ سابق، المجموع ۱۳۵/۲۰، المغنی ۳۷۳/۱۱)، نیز اللہ تعالی نے فقر واحتیاج کے خوف سے اولاد کو قتل کرنے سے منع فرمایا: "ولا تقتلوا أولادكم خشية إملاق" (سورہ اسراء:۳۱)۔

اگر اولاد کا نفقہ باپوں پر واجب نہ ہوتا تو انہیں فقر وفاقہ کا خوف نہ ہوتا، اس سے معلوم ہوا کہ بچوں کے جملہ اخراجات باپ پر دینے واجب ہیں (ملاحظہ ہو: سابق حوالہ جات)، اللہ کے رسول ﷺ نے ایک صحابیؓ سے فرمایا: "تصدق به على ولدك" (ابوداؤد؛ کتاب الزکوۃ باب فی صلۃ الرحم، حدیث نمبر:۱۶۹۱، نسائی؛ باب تفسیر الصدقۃ عن ظہر غنی، حدیث نمبر:۲۵۳۶) (اس دوسرے دینار کو اپنے بچوں پر صدقہ کردو)، نیز حضرت ہندہؓ سے فرمایا: "خذي ما يكفيك وولدك بالمعروف" (بخاری؛ بیوع باب من أجری أمر الأمصار علی ما یتعارفون بینہم، الخ، باب نمبر:۹۵، نفقات، باب إذا لم ینفق فللمرأۃ أن تأخذ بغیر علمہ ما یکفیہا وولدہا بالمعروف، حدیث نمبر:۵۳۶۴، مسلم؛ کتاب الاقضیہ، باب قضیہ ہند، حدیث نمبر:۴۴۷۷، نسائی، کتاب القضاۃ، باب قضاء الحاکم علی الغائب إذا عرفہ، حدیث نمبر:۵۴۲۲، ابن ماجہ، التجارات، باب ما للمرأۃ من مال زوجہا، حدیث نمبر:۲۲۹۳)۔

(یعنی تم اپنے شوہر کے مال میں سے ان کے علم میں لائے بغیر معروف طریقہ پر اتنا

Marfat.com

مال لے سکتی ہو جو تمہاری اور تمہارے بچے کی ضروریات کے لئے کافی ہو جائے)۔

نیز بچوں کے اخراجات باپ پر واجب ہونے پر امت کا اجماع بھی ہے، جیسا کہ امام ابن المنذرؒ کا بیان ہے کہ اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انسان پر اس کے محتاج بچے جن کے پاس مال نہیں ہے، کا نفقہ واجب ہے (المغنی لابن قدامہ ۱۱؍۳۷۳، تحقیق: ڈاکٹر عبد اللہ بن عبد المحسن ترکی، ڈاکٹر عبد الفتاح محمد حلو، ط: ۳؍ دار عالم الکتب، سعودیہ، ۱۴۱۷ھ)۔

اسی طرح بیوی کا نفقہ بھی شوہر پر واجب ہے، اس کی دلیل قرآنی آیات، احادیث نبوی اور اجماع امت ہے (بدائع الصنائع ۳؍۴۱۷، ۴۱۸)، چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف" (بقرہ: ۲۳۳) (اور (اس مدت میں) دودھ پیتے بچے کے باپ پر ان عورتوں کا معروف طریقہ کے مطابق کھانا اور کپڑا واجب ہے)۔

"أسكنوهن من حيث سكنتم من وجدكم ولا تضاروهن لتضيقوا عليهن وإن كن أولات حمل فأنفقوا عليهن حتى يضعن حملهن" (طلاق: ۶) (جہاں تم رہو اپنے مقدور کے مطابق ان کو گھر دو رہنے کے واسطے اور ان کو ایذا دینا نہ چاہو، تا کہ ان پر تنگی برتو، اور اگر پیٹ میں بچہ رکھتی ہوں تو ان پر خرچ کرو، یہاں تک کہ وہ پیٹ کا بچہ جن دیں)۔

"لينفق ذو سعة من سعته، ومن قدر عليه رزقه فلينفق مما آتاه الله، لايكلف الله نفساً إلا ما آتاها، سيجعل الله بعد عسر يسرا" (طلاق: ۷) (چاہئے کہ خرچ کرے وسعت والا وسعت کے موافق، اور جس کو نپی تلی ملتی ہے اس کی روزی تو خرچ کرے جیسا کہ دیا ہے اس کو اللہ نے، اللہ کسی کو مکلف نہیں بناتا، مگر اسی قدر جتنا کہ اس کو دیا، اب اللہ سختی کے پیچھے آسانی کر دے گا)۔

اس سلسلہ میں بہتری احادیث وارد ہوئی ہیں، ان میں ایک پیش ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "خذي ما يكفيك" (بخاری: بیوع، باب نمبر: ۹۵، نفقات، حدیث نمبر: ۵۳۶۴،

Marfat.com

مسلم؛ کتاب الاقضیہ، حدیث نمبر: ۷۷۴۴، نسائی، کتاب القضاۃ، حدیث نمبر: ۵۴۲۲، ابن ماجہ، کتاب التجارات، حدیث نمبر: ۲۲۹۳)، یعنی اپنے شوہر حضرت ابوسفیانؓ کے مال میں سے ان کے علم میں لائے بغیر معروف طریقہ کے مطابق اتنا مال لو کہ اس سے تمہاری ضرورت پوری ہو جائے۔

پس دریافت کردہ صورت میں افراد خاندان کی ضروریات کے لئے سب مل کر خرچ دے رہے ہوں تو سب پر برابر اخراجات عائد کئے جائیں گے، جبکہ سب کے بچے برابر ہوں اور ہر ایک کے پاس ایک ایک، یا دو دو، یا تین تین یا چار چار بیویاں ہوں، اور اگر ایسا ہو کہ کسی کے بچے زیادہ ہوں اور کسی کے کم ہوں، اسی طرح اگر کسی کے پاس ایک بیوی ہو اور کسی کے پاس دو یا اس سے زیادہ ہوں تو ان سب پر اخراجات ان کے بچوں اور بیویوں کی تعداد کے لحاظ سے عائد کئے جائیں گے۔

البتہ اگر کوئی احسان و ایثار کرنا چاہتا ہے کہ اس کے بچے کم ہونے کے باوجود برابر یا بڑھ کر ہی اخراجات دینا چاہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، یہ اس کی طرف سے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی اور بے لوث ان کی خدمت ہوگی، اور یہ ان کے لئے کھونا بھی پانا ہی ہوگا، اس لئے کہ اس کا اجر اللہ کے پاس دوگنا ہے کہ ایک صلہ رحمی کا دوسرے صدقہ کا۔

مشترکہ خریدی ہوئی چیز میں سبھوں کا حصہ کس اعتبار سے ہوگا؟

۳- اس صورت میں اگر مختلف بھائیوں نے مل کر اپنے والد یا کسی بھائی کے پاس آمدنی جمع کی اور گھر کے اخراجات سے بچی ہوئی رقم سے کوئی چیز خریدی گئی تو اس میں سبھوں کا حصہ برابر ہوگا یا ہر ایک کی آمدنی کے لحاظ سے ہوگا؟

اصولی اعتبار سے ہر شخص اپنی کمائی کا خود مالک ہوتا ہے، اس میں کسی کا کوئی حق نہیں ہوتا، وہ اپنے مال کو جس طرح چاہے استعمال کرسکتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن" (نساء: ۳۲)

(مردوں کے لئے ان کی کمائی کا حصہ ہے اور عورتوں کے لئے ان کی کمائی کا حصہ ہے)۔

Marfat.com

لہذا اگر مختلف بھائیوں نے مل کر اپنے والد یا کسی بھائی کے پاس گھر کے اخراجات کے واسطے روپے جمع کیے، لیکن ان بھائیوں نے والد یا جس بھائی کے پاس جمع کیے تھے، ان کو مالک نہیں بنایا تھا، بلکہ اپنی طرف سے ان کو وکیل بنایا تھا، ایسی صورت میں گھر کے اخراجات سے بچی ہوئی رقم سے کوئی چیز خریدی گئی تو اس میں سبھوں کا حصہ برابر نہیں ہوگا؛ بلکہ ہر ایک اپنی جمع شدہ آمدنی کے تناسب سے مالک ہوگا؛ کیونکہ وکیل کا تصرف دراصل موکل کا تصرف متصور ہوتا ہے (الوکیل متصرف بطریق النیابة عن الموکل، وتصرف النائب تصرف المنوب عنہ، بدائع الصنائع ۵/۳۷، ط: نعیمیہ دیوبند)۔

اسی طرح اگر مختلف بھائیوں نے مل کر اپنے والد یا کسی بھائی کے پاس آمدنی جمع کی، ساتھ ہی سبھوں نے یہ کہا کہ گھر کے اخراجات سے جو رقم بچ جائے گی وہ آپ کے پاس امانت کے طور پر رہے گی، اس رقم سے کوئی چیز خریدی گئی تو اس میں سبھوں کا حصہ برابر نہیں ہوگا؛ بلکہ ہر ایک کی آمدنی کے لحاظ سے ہوگا۔

اور اگر سبھوں نے رقم جمع کرتے وقت "تہادوا تحابوا" (حدیث) یعنی ایک دوسرے کو ہدیہ کرو اور اس سے آپس میں محبت والفت بڑھے گی، پر عمل کیا، یعنی مختلف بھائیوں نے جو بھی رقم جمع کی ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی رقم ایک دوسرے کو ہبہ کردے، اس طرح جمع شدہ رقم تمام بھائیوں کے درمیان مشترک ہوجائے گی، ایسی صورت میں اس رقم سے کوئی چیز خریدی گئی تو اس میں سبھوں کا حصہ برابر ہوگا۔

اور اگر سب بھائیو نے اپنے والد یا کسی بھائی کے پاس آمدنی جمع کرتے وقت انہیں مالک بنادیا تھا کہ وہ جس طرح چاہیں خرچ کریں، تو ایسی صورت میں ہبہ ہوگا، اور ہبہ کا حکم یہ ہے کہ جسے کوئی بھی چیز ہبہ کی جاتی ہے تو اس پر اس کی ملکیت قائم ہوجاتی ہے ("اصل حکم الہبة: ہو ثبوت الملک للموہوب لہ فی الموہوب من غیر عوض" (بدائع ۵/۲۶))، لہذا اس صورت میں گھر کے اخراجات سے بچی ہوئی رقم سے کوئی چیز خریدی گئی تو اس میں سبھوں کا حصہ برابر ہوگا؛ کیونکہ والد صاحب یا بھائی

Marfat.com

کا خریدنا سبھوں کے لئے مشترک ہوگا، اور ان کی طرف سے سبھوں کے حق میں ہبہ متصور ہوگا۔

اسی طرح جس بھائی نے گھر کے اخراجات کے لئے زیادہ رقم دیتے وقت دوسرے بھائیوں کی مدد اور صلہ رحمی کی نیت کی تھی، تو اس صورت میں گھر کے اخراجات سے بچی ہوئی رقم کے ذریعہ خریدی ہوئی چیز میں تمام بھائیوں کا حصہ برابر ہوگا۔

ہر انسان کی کمائی اس کی اپنی ملکیت ہے:

۴-اگر تین بھائی ہیں، دو بھائی اپنی پوری تنخواہ مثلاً دس ہزار روپے گھر میں دے دیتے ہیں اور ایک بھائی بیس ہزار روپہ کماتا ہے، وہ بھی دس ہزار گھر میں دیدیتا ہے اور دس ہزار بچا کر الگ رکھتا ہے، تو وہ بچی ہوئی رقم صرف اس کی ملکیت ہوگی یا تمام بھائیوں کی؟

جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ ہر شخص اپنی کمائی کا مالک ہوتا ہے، اس میں تصرف کرنے کا حق اسے پورا پورا حاصل ہوتا ہے، کسی دوسرے کو اس میں کوئی حق نہیں ہوتا ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

”مردوں کے لئے ان کی کمائی کا حصہ ہے اور عورتوں کے لئے ان کی کمائی کا حصہ ہے، پس جس بھائی کی آمدنی بیس ہزار روپے ہے، دس ہزار گھر میں دیتا ہے اور دس ہزار الگ بچا کر رکھتا ہے تو وہ بچی ہوئی رقم صرف اسی کی ملکیت ہوگی۔

علامہ ابن نجیم مصری نے اپنی شاہکار تصنیف ”الاشباہ والنظائر“ میں نوع ثانی کے پانچویں قاعدہ: ”تصرف الإمام على الرعية بالمصلحة“ کی تفریعات کے ذیل میں لکھا ہے کہ دیوان میں ایک شخص کا نام درج تھا، اسے وہاں سے عطیہ ملتا تھا، اتفاق سے اس کا انتقال ہوگیا، اس کے دو بیٹوں کے درمیان صلح ہوئی کہ ایک کا نام دیوان میں دیا جائے، جس کا نام دیوان میں ہوگا وہ اپنے عطیہ میں سے دوسرے بھائی (جس کا نام دیوان میں نہیں ہے) کو متعین رقم دے گا، یہ صلح باطل ہے، پورا عطیہ اسی کو ملے گا جس کا نام دیوان میں درج ہوا ہے (مجلۃ الاحکام العدلیہ ۲/۸۷، موسوعۃ القواعد والضوابط الفقہیہ الحاکمۃ للمعاملات المالیۃ فی فقہ الاسلام از ڈاکٹر علی احمد ندوی، ط: دار

Marfat.com

عالم المعرفۃ ۱۹۹۹ء، ص ر ۹۸، القواعد الفقہیۃ بین الأصالۃ والتوجیہ از ڈاکٹر محمد بکر اسماعیل ط: دار المنار ر ۲۰۸)، اس فقہی جزئیہ سے صرف اس حد تک استیناس کرنا ہے کہ جس کا جو حق ہے اور جس کی جو ملکیت ہے اس میں سے دوسرے کو دینا یا اس میں دوسرے کو شریک کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، لہذا مذکورہ بالا صورت میں بچی ہوئی رقم صرف اسی بھائی کی ملکیت ہوگی جس کی آمدنی بیس ہزار روپے ہے، دس ہزار گھر میں اخراجات کے واسطے دیتا ہے اور دس ہزار الگ بچا کر رکھتا ہے، اس میں دیگر بھائیوں کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

باہر کمانے والے کی آمدنی میں گھر کے کام دیکھنے والے کی شرکت:

۵- اگر خاندان کے کچھ افراد کماتے ہیں اور کچھ گھر کے کام دیکھتے ہیں اور اس طرح گھر کا کام چلتا ہے تو کیا کمانے والے حضرات کی آمدنی میں کام کرنے والے حضرات بھی برابر کے حقدار ہوں گے؟

واضح رہے کہ خاندانی نظام کی بنیاد مذہب اسلام میں عدل واحسان پر ہے، عدل یہ ہے کہ جو آپ کے کام آتا ہے اور جتنا کام آتا ہے، آپ بھی اس کے کام آئیں اور اسی قدر آئیں، جسے اسلامی قانون کی اصطلاح میں "الغرم بالغنم" اور الخراج بالضمان" (المنثور للزرکشی ۲ر ۱۱۹، الاشباہ والنظائر للسیوطی ر ۲۵۴، الاشباہ والنظائر لابن نجیم المصری ۱ر ۱۴۸، ط: نزار مصطفی الباز)، کہا جاتا ہے، اسی لئے شریعت اسلامیہ نے خاندانی فقہ کا نظام حصۂ میراث کے تناسب پر رکھا ہے (ہدایہ ۲ر ۴۴۹، بدائع ۳ر ۴۴۲)۔

اعزہ واقارب کا نفقہ ان رشتہ داروں پر واجب ہوتا ہے جو امکانی طور پر اس کے وارث ہونے کے اہل ہیں، اور اتنی ہی مقدار میں واجب ہوگا جتنا اس کا حق میراث ہوتا ہے، احسان یہ ہے کہ جو آپ کے کام نہ آئے آپ اس کے کام آئیں، بالفاظ دیگر اپنے حق سے دستبردار ہونا اور دوسرے کو ان کے حق سے زیادہ دینا، یعنی ایثار وبے غرضی کا معاملہ ہونا چاہئے، رشتہ داروں کی خدمت یہ سمجھ کر کرنی چاہئے کہ ان کے لئے کھونا بھی پانا ہے، اس لئے مذہب اسلام میں خاندانی

Marfat.com

نظام کی بنیاد عدل واحسان پر ہے، البتہ اس کا استحکام احسان پر عمل کرنے سے ہوگا۔

چنانچہ اسلام کے عدل واحسان کا تقاضا یہ ہے کہ کمانے والے حضرات کی آمدنی میں گھر کے کام کرنے والے حضرات بھی برابر کے حقدار ہوں گے۔

نیز اگر باہم بھائیوں کے درمیان معاہدہ ہوا کہ بعض گھر کے کام دیکھیں گے اور بعض باہر کام کریں گے اور کمائیں گے، اور کمانے والے کی آمدنی میں کام کرنے والے بھی برابر کے حقدار ہوں گے، اس معاہدہ پر عمل آوری ضروری ہوگا، کیونکہ اسلام نے معاہدہ کو پورا کرنے کو واجب قرار دیا ہے (موسوعہ فقہیہ ۳۱ / ۳۴)، اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"یأیها الذین آمنوا أوفوا بالعقود" (المائدہ: ۱) (اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے ہو! عہد پورے کیا کرو)۔

"وأوفوا بعهد الله إذا عاهدتم" (النحل: ۹۱) (اور پورا کرو اللہ کے عہد کو جب تم عہد کرچکے ہو)۔

"وأوفوا بالعهد إن العهد كان مسئولاً" (الاسراء: ۳۴) (اور عہد کی پابندی رکھو بے شک عہد سے متعلق سوال ہوگا)۔

"یأیها الذین آمنوا لم تقولون ما لا تفعلون کبر مقتاً عند الله أن تقولوا ما لا تفعلون" (الصف: ۲، ۳) (اے ایمان والو! تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں، اللہ کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ تم ایسی بات کہو جو تم کرو نہیں)۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اس کے لئے دین نہیں جو عہد وپیمان کا پاس لحاظ نہ رکھے (مسند احمد ۳ / ۱۳۵)، نیز ارشاد فرمایا: "المسلمون عند شروطهم" (بخاری؛ الاجارۃ باب أجر السمسرۃ؛ باب نمبر: ۱۴)، البتہ باہم معاہدہ کا تعلق ناجائز اور خلاف شرع بات سے نہ ہو تب اس کی تکمیل واجب ہوگی، کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہیں، مگر ایسی شرط جو کہ حلال کو حرام یا حرام کو حلال کردے (ترمذی؛ کتاب الاحکام باب ما ذکر عن رسول اللہ ﷺ فی الصلح بین الناس، حدیث نمبر: ۱۳۵۲، امام ترمذی کا بیان ہے: یہ حدیث حسن صحیح ہے (حوالہ سابق))۔

Marfat.com

والدین کی خدمت وکفالت کی ذمہ داری:

۶-والدین زندگی بھر بچوں کی خدمت بھی کرتے ہیں اور کفالت بھی، اور بڑھاپے میں انہیں خدمت اور کفالت کی ضرورت ہوتی ہے، اب سوال یہ ہے کہ والدین کی خدمت وکفالت بیٹوں پر واجب ہے یا بیٹیوں پر بھی، اوراس سلسلہ میں بہو کی ذمہ داری کیا ہے؟ خاص کر جب بیٹیاں اپنے سسرال چلی جائیں اور ماں کو اپنی ضروریات کے لئے تعاون کی ضرورت ہو اور وہ تعاون ایسا ہو جس کو بیٹا خود انجام نہ دے سکتا ہو تو بہو پر اس خدمت کو بجالانا واجب ہوگا یا نہیں؟

اولاد خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں سب پر ماں باپ کے حقوق میں سے پہلا حق ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا، اور سب سے بہتر حسن سلوک ان کی خدمت وکفالت ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

”واعبدوا الله ولا تشركوا به شيئاً وبالوالدين إحسانا“ (نساء:۳۶) (اور اللہ کی عبادت کرو، اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ بہتر سلوک کرو)۔

”وقضى ربك ألا تعبدوا إلا إياه وبالوالدين إحسانا إما يبلغن عندك الكبر أحدهما أو كلاهما فلا تقل لهما أف ولا تنهرهما وقل لهما قولاً كريماً، واخفض لهما جناح الذل من الرحمة وقل رب ارحمهما كما ربياني صغيراً“ (بنی اسرائیل:۲۳-۲۴)۔

(اور تیرے پروردگار حکم دے رکھا ہے کہ بجز اس (ایک رب) کے اور کسی کی پرستش نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک رکھنا، اگر وہ تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں ان دونوں میں سے ایک یا وہ دونوں، تو ان سے (کہیں) چھی بھی نہ کہنا اور ان کو جھڑکنا اور ان سے ادب کے ساتھ بات چیت کرنا، اوران کے سامنے محبت سے انکسار کے ساتھ جھکے رہنا اور کہتے رہنا کہ اے میرے پروردگار ان پر مہربانی فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے بچپن میں پالا، پرورش کیا)۔

اللہ کے رسول ﷺ نے بھی مختلف حدیثوں میں ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک

Marfat.com

کرنے کی تاکید فرمائی ہے (دیکھئے: بخاری، کتاب النفقات باب إذا لم ینفق الرجل فللمرأة أن تأخذ بغیر علمہ الخ، حدیث نمبر: ۵۳۶۴، نسائی، کتاب الزکوۃ، باب أیتہما الید العلیا، حدیث نمبر: ۲۵۳۳، ترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی بر الوالدین حدیث نمبر: ۱۸۹۷)۔

تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر والدین محتاج، ضرورت مند ہوں، ان کی کوئی کمائی نہ ہو اور نہ ان کے پاس مال ہو، تو ان کی اولاد پر ان کی کفالت واجب ہے (قال ابن المنذر: أجمع أهل العلم على أن نفقة الوالدين الفقيرين الذين لا كسب لهما، ولا مال، واجبة في مال الولد" (المغنی ۱۱/ ۳۷۳)۔

جزئیات میں تھوڑا اختلاف ہے، اور وہ یہ ہے کہ احناف کے نزدیک ایسے باپ کی بھی کفالت اولاد پر واجب ہے جو کہ تندرست وتوانا ہوں، کسب معاش پر قادر ہوں، لیکن تنگدست ہوں (بدائع ۳/ ۴۴۷، مبسوط ۵/ ۲۲۸)، حاصل کلام یہ ہے کہ احناف کے یہاں مفتی بہ قول کے مطابق محض ماں باپ کا محتاج وضرورت مند ہونا وجوب کفالت کے لئے کافی ہے، فالمعتبر في ايجاب نفقة الوالدين مجرد الفقر (فتح، رد المحتار ۵/ ۲۵۵)۔

جبکہ مالکیہ کے یہاں مکمل کفالت اس وقت واجب ہوتی ہے، جبکہ باپ کمانے پر قادر نہ ہو (فيجب عليه تمام الكفاية حيث عجز عن الكسب، وإلا لم تجب على الولد" (حاشیہ دسوقی وشرح کبیر ۳/ ۵۰۱)۔

اور شوافع ماں باپ کی کفالت اولاد پر وجوب کے مطلق قائل ہیں ان کے یہاں محتاج وضرورت مند ہونا بھی شرط نہیں ہے (فتجب على الولد نفقة الأب والأم" (المجموع شرح المہذب للنووی ۲۰/ ۱۳۳)۔

واضح رہے کہ جس طرح والدین کی خدمت وکفالت بیٹوں پر واجب ہے اسی طرح بیٹیوں پر بھی واجب ہے، صاحب ہدایہ کا بیان ہے:

"وهي على الذكور والإناث بالسوية في ظاهر الرواية، وهو الصحيح"

(ہدایہ ۲/ ۴۴۹)۔

Marfat.com

(ماں باپ کا نفقہ بیٹے اور بیٹیوں پر برابر واجب ہے، یہی ظاہر روایت اور صحیح قول ہے)۔

یہی مالکیہ کا مذہب ہے (فتجب علی الولد نفقة الأب و الأم (المجموع ۲۰۶/۱۳۳)۔

شوافع اور حنابلہ کے یہاں صراحت نہیں ملی ہے، البتہ امام نووی نے ''الولد'' کا لفظ استعمال کیا ہے، اور عربی زبان میں الولد کا اطلاق اولاد پر ہوتا ہے، جس میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں شامل ہوتی ہیں، اس اعتبار سے کہا جاسکتا ہے کہ شوافع کے مذہب کے مطابق بھی والدین کی خدمت وکفالت بیٹے اور بیٹیوں دونوں پر واجب ہوگی۔

جہاں تک ساس اور سسر کی خدمت کی بات ہے تو یہ بہو پر اس وقت دیانۃً واجب ہوگی جب کوئی اور خدمت کرنے والا میسر نہ ہو، اور واقعی وہ خدمت کے محتاج ہوں، کیونکہ اس کے شوہر پر ماں باپ کی خدمت واجب ہے، اور اس کا شوہر اس کے اور اس کے بچوں کی ضروریات کی تکمیل میں مشغول ہے، اس لئے وہ اپنے والدین کی خدمت کرنے سے قاصر ہے، حالانکہ جب والدین خدمت کے محتاج ہوں تو اولاد پر ان کی خدمت واجب ہے، خواہ وہ خود خدمت کرے یا کسی اور کے ذریعہ خدمت کرائے گو اجرت دے کر ہو، جیسا کہ علامہ کاسانی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"ولا تجب علی الابن نفقة منكوحة أبيه، لأنهما أجنبية عنه، إلا أن يكون الأب محتاجاً إلى من يخدمه، فحينئذ يجب عليه نفقة امرأته؛ لأنه يؤمر بخدمة الأب بنفسه أو بالأجير" (بدائع ۴۴۳/۳)۔

بیٹا پر سوتیلی ماں کا نفقہ واجب نہیں ہے، اس لئے کہ وہ اس کے حق میں اجنبی عورت ہے، ہاں جبکہ باپ خدمت کا محتاج ہو، اور وہ ان کی خدمت میں مشغول ہو تو اس وقت اس سوتیلی ماں کا نفقہ اس پر واجب ہے؛ کیونکہ بیٹا کو باپ کی خدمت کرنے کا حکم ہے، چاہے وہ بذات خود خدمت کرے یا کسی کو خادم رکھ کر خدمت کرے"۔

فقیہ وقت حضرت الاستاذ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم ایک استفتاء کے

Marfat.com

جواب میں رقمطراز ہیں:

"شوہر کے والدین کی خدمت عورت پر اس وقت دیانۃً واجب ہوگی جب کوئی اور خدمت کرنے والا میسر نہ ہو، اگر کوئی دوسرا خدمت کرنے والا میسر ہو، تب بھی عورت کو چاہئے کہ اپنے ساس سسر کی خدمت سے دامن نہ کھینچے، کہ یہ اس کا اپنے شوہر کے ساتھ تعاون ہے، کیونکہ اصل میں والدین کی خدمت اس کے شوہر پر واجب ہے، اور شوہر اپنی بیوی اور اس کے بچوں کی ضروریات کے لئے مشغول ہے، تو اخلاق و دیانت کا تقاضا ہے کہ وہ اس فریضہ کی ادائیگی میں شوہر کی مدد کرے" (کتاب الفتاوی ۴/۴۰۹-۴۱۰)۔

مشترک خاندان میں پردہ کا پاس ولحاظ:

۷- مشترک خاندان میں بہت سی دفعہ چچازاد بھائی بہن یا اس طرح کے دوسرے قریبی رشتہ داروں کا ایک دوسرے سے آمنا سامنا ہوتا رہتا ہے اور ایک ہی گھر میں - خاص کر جب کہ وہ تنگ بھی ہو- رہنے کے باوجود ایک دوسرے سے مکمل پردہ نہیں ہو پاتا، ایسی صورت حال میں پردہ کے احکام کیا ہوں گے؟

شریعت اسلامی کی رو سے چچازاد بھائی بہن، ماموں زاد بھائی بہن، پھوپھی زاد بھائی بہن اور خالہ زاد بھائی بہن، باہم آپس میں غیر محرم رشتہ دار ہیں، اسی طرح سسرال میں سسر کو چھوڑ کر شوہر کے چھوٹے بڑے بھائی، چچا ئیں اور دیگر رشتہ دار عورت کے حق میں سب غیر محرم ہیں، گویا کہ شرعی حکم کے اعتبار سے یہ سب رشتہ دار ایک عورت کے حق میں اجنبی لوگ ہیں، ایک اجنبی آزاد عورت کا پردہ یہ ہے کہ اس کا پورا جسم عورت ہے، یعنی قابل ستر حصہ ہے، سوائے چہرہ، دونوں ہتھیلیاں کلائی تک اور دونوں قدم، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"ولا یبدین زینتھن إلا ما ظھر منھا" (نور:۳۱) (اور اپنا سنگار ظاہر ہونے نہ دیں مگر ہاں جو اس میں سے کھلا ہی رہتا ہے)۔

میں "ما ظھر منھا" کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے، تاہم اکثر علماء کی رائے کے

Marfat.com

مطابق چہرہ اور دونوں ہتھیلی مراد ہیں (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۶/ ۲۲۷-۲۲۸، احکام القرآن للجصاص ۳/ ۳۱۶، روح المعانی ۱۸/ ۱۴۱، التفسیر الکبیر للرازی ۱۲/ ۲۰۵-۲۰۶، ہندیہ ۵/ ۳۲۹، المجموع شرح المہذب للنووی ۳/ ۱۲۷-۱۲۹، شرح منح الجلیل ۱/ ۱۳۳، بلوغ الامانی ۳/ ۹۰)۔

جہاں تک قدم کی بات ہے تو اس سلسلہ میں بھی فقہاء کے یہاں اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن راجح قول کے مطابق ستر عورت میں داخل نہیں ہے (ہدایہ ۱/ ۹۳، فتح القدیر ۲/ ۲۵۹، المجموع شرح المہذب/ ۲۶۹، حاشیہ ہدایہ ۱/ ۹۳)۔

کیونکہ حضرت علیؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے "ماظہر منہا" کی تفسیر چہرہ، دونوں ہتھیلی اور دونوں قدم سے کی ہیں (روح المعانی ۱۸/ ۱۴۰-۱۴۱)۔ نیز قرآن نے: "ولا یضربن بأرجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن" (نور: ۳۱) کہا ہے، جس کے معنی: اور عورتیں اپنے پیر زور سے نہ رکھیں کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے محل زیور قدم نہیں ہے، بلکہ پنڈلی ہے، اس لئے کہ زیور کعبین (ٹخنے کے اوپر ہوتے ہیں) (کبیری شرح منیۃ المصلین از ابراہیم حلبی/ ۲۱۱)۔

ذراع (بازو، کہنی سے بیچ کی انگلی تک کا حصہ) کے ستر عورت میں شامل ہونے کے بارے میں بھی اختلاف ہے، تاہم حضرت عائشہؓ سے ایک مرفوع حدیث مروی ہے، جس میں نصف ذراع تک ستر عورت میں نہ ہونے کی صراحت ہے (وہ حدیث یہ ہے: "لایحل لامرأۃ تؤمن باللہ والیوم الآخر إذا عرکت أن تظھر إلا وجھھا ویدیھما إلی ھاھنا وقبض علی نصف الذراع" (معجم طبرانی، الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۶/ ۱۲/ ۲۲۹))۔

"درمختار" میں ہے: "ذراعیھا عورۃ علی المرجوح" (الدر المختار علی ہامش الرد ۲/ ۲۹۹، ط: باکستان، نیز دیکھئے: الاشباہ لابن نجیم/ ۳۸۴)۔

امام ابوحنیفہؒ، اور امام ابو یوسفؒ دونوں ہی سے ذراعین کے ستر عورت میں داخل نہ ہونے کی ایک روایت منقول ہے، البتہ یہ غیر ظاہر روایت قول ہے ((کبیری/ ۲۱۰-۲۱۲، البحر الرائق ۱/ ۲۷۰))۔

"ہدایہ" میں ہے: "قد یبد منھا عادۃ" (ہدایہ ۴/ ۴۵۸)۔ کبھی عادۃ عورت کے یہ

Marfat.com

حصے کھل جاتے ہیں۔ فقہاء کے اختلاف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ پورے ذراع تو نہیں؛ بلکہ نصف ذراع سترعورت میں شامل نہیں ہے، جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث میں اس طرف اشارہ موجود ہے، اور قرآن کریم میں "ما ظہر منہا" سے جو استثناء ہے، اس میں نصف ذراع بھی داخل ہے (فتح القدیر ۲/ ۲۶۰)، کیونکہ سوار، یعنی کنگن جو ہاتھ میں پہنی جاتی ہے وہ پورے بازو کہنی تک محیط نہیں ہوتی ہے، بلکہ زیادہ سے زیادہ نصف ذراع تک ہوتی ہے، اور خانگی کام جیسے روٹی پکانا اور کپڑے صاف کرنا وغیرہ میں نصف ذراع تک عام طور پر کھل جاتے ہیں (ہندیہ ۵/ ۳۲۹، شرح المختصر علی ہامش الأصل للسرخسی ۳/ ۵۸)۔

گویا اس میں عورتوں کے لئے عموم بلوی ہے، اور عموم بلوی کی وجہ سے شرعی حکم میں تخفیف ہوتی ہے (ماعمت البلیۃ خفت قضیتہ، الاشباہ والنظائر لابن نجیم ۱/ ۸۵)۔ نیز فقہ اسلامی کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ جب کسی شرعی حکم پر عمل آوری میں بڑی تنگی وحرج ہو تو اس وقت آسانی ہوتی ہے، "المشقة تجلب التيسير" (حوالہ سابق ۱/ ۷۷)، "الحرج مدفوع شرعاً" (فتاوی غیاثیہ/ ۵۳، عینی ۱/ ۲/ ۱۴۰۵، رد المحتار ۳/ ۳۴۵، کتاب الصوم)، اور "الأمر إذا ضاق اتسع" (الاشباہ والنظائر لابن نجیم المصری ۱/ ۸۵)۔

پس دریافت کردہ صورت میں حکم شرع یہ ہوگا کہ اولاً اگر شرعی حدود کی رعایت نہ ہوسکے اور پردہ کے نظام پر عمل دشوار ہو، تو جداگانہ خاندانی نظام پر عمل کی کوشش ہونی چاہئے، لیکن بروقت ایسا ممکن نہ ہو تو شرعی نقطہ سے حسب ذیل امور کا پاس ولحاظ رکھنا ضروری ہے تاکہ ماحول پاکیزہ رہے اور شریعت اسلامی کی ناموس پامال ہونے سے محفوظ رہے اور گھر کا معاشرہ صاف ستھرا دوسروں کے لئے نمونۂ عمل بن سکے:

۱- چچازاد بھائی اور دیگر قریبی رشتہ دار جو محرم نہیں ہیں ان سے تنہائی نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ ان میں سے کسی سے تنہائی حرام ہے، "الخلوة بالأجنبية حرام" (درمختار مع الرد ۹/ ۵۲۶) (اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لا يخلون رجل بامرأة إلا كان ثالثهما

Marfat.com

الشیطان'' (ترمذی؛فتن باب لزوم الجماعۃ ۲/۱/۴۱، امام ترمذی کا بیان ہے: یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے، مستدرک حاکم؛ کتاب العلم ۱/۱۱۴) (کوئی اجنبی مرد کسی عورت سے تنہائی میں ہرگز نہیں ہوتا، مگر ان دونوں کے بیچ میں تیسرا شیطان ہوتا ہے)۔

۲- بلا ضرورت گفتگو کرنے سے گریز کرے، اور از راہ ضرورت گفتگو کرنی پڑے تو حتی الامکان کوشش ہونی چاہئے کہ تنہائی میں سے گفتگو کی نوبت نہ آئے، حدیث شریف میں آتا ہے: ''لا تحدثن من الرجال إلا محرما'' (رواہ ابن سعد) (کوئی عورت کسی مرد سے ہرگز گفتگو نہ کرے، مگر جبکہ وہ محرم ہو)، نیز اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

''وإذا سألتموهن متاعاً فاسألوهن من وراء حجاب'' (احزاب: ۵۳)۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اجنبی مرد و عورت کے درمیان اختلاط و گفتگو جائز نہیں ہے، اور کسی وجہ سے بات کرنے کی نوبت آئے تو درمیان میں پردہ ہونا چاہئے، تاکہ فتنہ سر نہ اٹھائے۔

۳- مشترکہ خاندان جتنا بڑا ہوا اتنا ہی خواتین کے لئے پردہ کے اہتمام میں دشواری ہوتی ہے، ایسی صورت میں خواتین کے لئے گنجائش ہے کہ عام حالات میں چہرہ، دونوں ہاتھ نصف بازو اور دونوں قدم کھلے رکھ سکتی ہیں؛ کیونکہ یہ حصے شرعی پردہ میں داخل نہیں ہیں؛ لیکن جن غیر محرم رشتہ دار سے فتنہ کا اندیشہ ہو تو ان سے چہرہ کا پردہ کرنا ضروری ہوگا، تاکہ فتنہ کو راہ نہ مل سکے۔

Marfat.com

اسلام کا خاندانی نظام

مولانا ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی☆

خاندانی نظام ایک فطری نظام ہے جس کا چشمہ انسانی وجود بلکہ کائنات کی ہر چیز کے وجود سے پھوٹتا ہے، ارشاد الٰہی ہے: "ومن کل شیئ خلقنا زوجین لعلکم تذکرون" (الذاریات:۴۹-۵۱) (اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنائے ہیں، شاید کہ تم اس سے سبق لو)۔

خاندان ہی وہ فطری گہوارہ ہے جہاں بچے کی جسمانی، عقلی اور روحانی پرورش ہوتی ہے، اور جس کے سایہ میں وہ محبت وشفقت، ہمدردی، جانثاری اور باہمی تعاون کے احساسات کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے، اور اس پر اس کی وہ چھاپ پڑتی ہے جو زندگی بھر اس کے ساتھ رہتی ہے۔

چنانچہ مستحکم اور مربوط خاندان ہی نظام انسانی، اور انسان کی فطرت، وجود، ساخت اور زندگی میں اس کے کردار سے زیادہ ہم آہنگ ہے۔

قرآن کریم نے اپنی مختلف سورتوں میں خاندانی نظام کو بڑی اہمیت دی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام میں خاندان ہی اسلامی معاشرہ کی اساس اور بنیاد ہے، اور اس کے بغیر اس معاشرہ کا وجود نہیں ہوسکتا ہے۔

اسلام سے پہلے خاندان کی حمایت ہر حال میں لازم تھی، ایک جاہلی شاعر کہتا ہے:

وهل أنا إلا من غزية إن غوت غويت وإن ترشد غزية أرشد

☆ استاذ حدیث وفقہ شانتاپورم مالاپورم، کیرالہ۔

Marfat.com

(میرا تعلق تو بس خاندان (غزیہ) سے ہے، اگر وہ گمراہ ہو تو میں بھی گمراہ ہو جاؤں، اور اگر وہ راہ یاب رہے تو میں بھی راہ یاب رہوں)۔

اور اپنے قبیلہ کی مصلحت کو مقدم رکھنا ہر صورت میں ضروری تھا، خواہ ایسا دوسرے کا حق مار کر ہی کیوں نہ ہو، چنانچہ ایک جاہلی شاعر کہتا ہے:

وإنا نشرب إن وردنا الماء صفواً ويشرب غيرنا كدراً وطينا

(اور ہم جب چشمہ پر پہنچتے ہیں، تو صاف وشفاف پانی پیتے ہیں، جبکہ ہمارے علاوہ دوسرے لوگ گدلا اور مٹی آلود پانی پیتے ہیں)۔

اسلام چونکہ دین فطرت اور عقل ہے، اور حقیقت پسندی اس کا شعار ہے، چنانچہ اس نے خون ونسل کے رشتہ کی بالکلیہ نفی نہیں کی، بلکہ اس خاندانی جذبات کو شائستہ بنایا ہے، ارشاد الٰہی ہے:

"یا أیها الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شهداء لله، ولو علی أنفسکم أو الوالدین والأقربین إن یکن غنیا أو فقیرا فالله أولی بهما فلا تتبعوا الهوا أن تعدلوا وإن تلووا أو تعرضوا فإن الله کان بما تعملون خبیراً" (النساء: ۱۳۵)

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، انصاف کے علمبردار، اللہ کے واسطے گواہ بنو، اگرچہ تمہارے والدین اور رشتہ دار پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو، فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب، اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے، لہذا اپنی خواہشِ نفس کی پیروی میں انصاف سے باز نہ رہو، اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے اعراض کیا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے)۔

اور دوسری جگہ ارشاد الٰہی ہے: "لا تجد قوما یؤمنون بالله والیوم الآخر یوادّون من حادّ الله ورسوله ولو کانوا آبائهم أو أبنائهم أو إخوانهم أو عشیرتهم" (المجادلہ: ۲۲) (تم کبھی یہ نہ پاؤ گے کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں، وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہوں، جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے، خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے اہل خاندان)۔

Marfat.com

خود نبی کریم ﷺ نے حسب ونسب پر مبنی افتخار کی مذمت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"إن الله عزوجل قد أذهب عنكم عبيّة الجاهلية وفخرها بالآباء، مؤمن تقي وفاجر شقي، أنتم بنو آدم، وآدم من تراب، ليدعن رجال فخرهم بأقوام، إنما هم فحم من فحم جهنم، أو ليكونن أهون على الله من الجعلان التي تدفع بأنفها النتن" (ابوداؤد حدیث نمبر:۵۱۱۶، اور ترمذی حدیث نمبر:۳۹۵۶، اور احمد حدیث نمبر:۸۷۳۷، اور اس کی تخریج کرنے والوں کا کہنا ہے کہ اس کی اسناد حسن ہے)۔

(اللہ تعالی نے تم سے جاہلیت کے تکبر اور باپ دادا پر فخر کو ختم کردیا ہے (ختم کرنے کا حکم دیا ہے)، اب انسان صرف دو طرح کے ہیں (۱) پرہیزگار مومن، اور (۲) بدبخت فاجر (کافر یا نافرمان)، تم سب آدم کی اولاد ہو، اور آدم کی تخلیق مٹی سے ہے، کچھ اشخاص ایسے لوگوں پر اپنے فخر کو چھوڑ دیں گے جو جہنم کے ایندھن سے ہیں، یا اللہ کے نزدیک گبریلے سے بھی بدتر ہو جائیں گے، جو اپنی ناک سے گندگی دور کرتا ہے)۔

دوسری طرف اسلام نے رشتہ دار کے ساتھ بھلائی کرنے کو ایمان اور عقیدہ کے ساتھ مربوط کردیا ہے، ارشاد الٰہی ہے: "ولكن البر من آمن بالله واليوم الآخر والملائكة والكتاب والنبيين وآتى المال على حبه ذوي القربى ..." (البقرہ:۱۷۷) (بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور روز آخرت اور فرشتوں کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، مدد کے لئے ہاتھ پھیلانے والوں اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے)۔

اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تعلموا من أنسابكم ما تصلون به أرحامكم، فإن صلة الرحم محبة في أهله، مثراة في ماله، منسأة في أثرهم" (ترمذی حدیث نمبر:۱۹۷۹، اور حاکم حدیث نمبر:۷۲۸۴، اور احمد حدیث نمبر:۸۸۶۸، راوی حدیث حضرت ابوہریرہؓ ہیں اور یہ حدیث صحیح ہے)۔

Marfat.com

(اپنے نسب سے اس قدر سیکھ لو جس سے تم اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کر سکو، کیونکہ صلہ رحمی رشتہ داروں کے اندر محبت کا سبب ہے اور کثرت مال کا ذریعہ ہے اور عمر میں
نیز ارشاد فرمایا: "الصدقة على المسكين صدقة، وهي على ذي الرحم اثنتان صدقة وصلة" (ترمذی حدیث نمبر: ۶۵۸، اور نسائی؛ حدیث نمبر: ۲۵۸۲، ابن ماجہ؛ حدیث نمبر: ۱۶۹۹، حاکم؛ حدیث نمبر: ۱۴۷۶، اور احمد حدیث نمبر: ۱۶۲۳۲، راوی حدیث سلمان بن عامر ہیں اور یہ حدیث صحیح ہے)۔
(مسکین پر صدقہ ایک صدقہ ہے، اور وہ رشتہ دار پر ڈبل صدقہ ہے یعنی صدقہ اور صلہ رحمی ہے)۔

خاندانی نظام کی بنیادیں:

اسلام میں خاندانی نظام کی بنیاد درج ذیل اصولوں پر ہے:

۱-وحدت اصل انسانی:

ایک جان سے چونکہ نسل انسانی کا وجود ہے، لہذا مل کر رہنا فطرت انسانی کا تقاضا ہے، اور خاندان کے سارے افراد بھی ایک ہی اصل سے ہیں، اور مرد و عورت کی تخلیق بھی ایک ہی جنس سے ہے، ارشاد الہی ہے: "يا أيها الناس اتقوا ربكم الذى خلقكم من نفس واحدة" (النساء:۱) لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا)۔
اور دوسری جگہ ارشاد ہے: "وهو الذى أنشأكم من نفس واحدة...." (الانعام:۹۸) (اور وہی ہے جس نے ایک جان سے تم کو پیدا کیا، پھر ہر ایک کے لئے ایک جائے قرار ہے اور ایک مدفن ہے)۔

۲-محبت وشفقت:

دوسری اصل جس پر نظام خاندان کی بنیاد ہے وہ شفقت ومحبت ہے جسے وجود میں لانا

Marfat.com

نظام خاندان کی اہم اساس ہے، ارشاد الٰہی ہے: "ومن آياته أن خلق لكم من أنفسكم أزواجا وجعل بينكم مودة ورحمة" (الروم:۲۱) (اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں، تا کہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو، اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کردی)۔

اور ارشاد ہے: "واخفض لهما جناح الذل من الرحمة" (الاسراء:۲۴) (اور نرمی اور رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو)۔

۳-عدل ومساوات:

تیسری اصل جس پر اسلامی خاندانی نظام کی بنیاد ہے وہ عدل وانصاف اور مساوات وبرابری کو وجود میں لانا ہے، ارشاد الٰہی ہے: "ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف" (البقرہ:۲۲۸) (اور عورتوں کے لئے بھی معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں، جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں)۔

اور ارشاد ہے: "ومن عمل صالحاً من ذكر أو أنثى وهو مؤمن فلنحيينه حياة طيبة ...." (النحل:۹۷) (جو شخص بھی نیک عمل کرے گا، خواہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ مومن ہو، اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے)۔

۴-سماجی تعاون:

خاندان چونکہ باہم مربوط ایک مجموعہ ہے، لہذا اسے اپنے تمام افراد کے باہمی تعاون پر قائم ہونا چاہئے، ارشاد الٰہی ہے: "وآت ذا القربى حقه" (الاسراء:۲۶) (اور رشتہ دار کو اس کا حق دو)۔

اور نفقہ، میراث اور وصیت کے احکام بھی اسی حیثیت سے مشروع ہوئے ہیں۔

Marfat.com

عہد نبوت میں رائج خاندانی نظام:

عہد رسالت مآب ﷺ میں مشترکہ اور جداگانہ دونوں طرح کے خاندانی نظام رائج تھے، مشترکہ نظام کے رائج ہونے کی دلیل عبداللہ بن عمرؓ کا یہ قول ہے:

"كانت لى امرأة كنت أحبها وكان أبى يكرهها، فقال لى: طلقها، فأبيت، فأتى رسول الله ﷺ فذكر ذلك له، فقال: طلقها، فطلقتها" (مسند طیالسی حدیث نمبر: ۱۹۳۱، السنن الکبری للبیہقی حدیث نمبر: ۱۵۲۹۱، المعجم الکبیر للطبرانی حدیث نمبر: ۱۳۰۷۲، اور یہ حسن درجہ کی حدیث ہے) (میری ایک بیوی تھی جس سے میں محبت کرتا تھا، اور میرے والد کو اس سے نفرت تھی، سو انہوں نے مجھ سے کہا کہ اسے طلاق دے دو، تو میں نے انکار کیا، چنانچہ وہ سرکار دو عالم ﷺ کے پاس آئے، اور اس کا آپ ﷺ سے تذکرہ کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا اسے طلاق دیدو تو میں نے اسے طلاق دے دیا)۔

ظاہری بات ہے کہ حضرت عمرؓ کی ناپسندیدگی دینی بنیاد پر تھی، جس کا مشاہدہ آپ نے مشترکہ زندگی بسر کرنے کی بنیاد پر فرمایا۔

اور اس سے بھی واضح دلیل حضرت جابر بن عبداللہؓ کا یہ بیان ہے:

"هلك أبى وترك سبع أو تسع بنات، فتزوجت امرأة ثيبا، فقال لى رسول الله ﷺ: تزوجت يا جابر؟ فقلت: نعم، فقال: بكراً أم ثيباً؟ قلت: بل ثيبا، قال: فهلا جارية تلاعبها وتلاعبك، وتضاحكها وتضاحكك؟ قال جابر: فقلت: إن عبد الله هلك وترك بنات، وإنى كرهت أن أجيئهن بمثلهن، فتزوجت امرأة تقوم عليهن وتصلحهن، فقال ﷺ: بارك الله لك أو خيراً" (صحیح البخاری؛ حدیث نمبر: ۶۳۸۷، صحیح مسلم؛ حدیث نمبر: ۷۱۵، مسند ابی یعلی حدیث نمبر: ۱۹۹۰) (میرے والد کی شہادت ہوگئی، اور انہوں نے سات یا نو بچیاں چھوڑیں، تو میں نے شوہر دیدہ سے شادی کرلی، تب نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے جابر! تو نے شادی کرلی؟ سو میں

Marfat.com

نے کہا جی حضور! تو آپ ﷺ نے فرمایا: دوشیزہ یا شوہر دیدہ سے، تو میں نے کہا: بلکہ شوہر دیدہ سے، سو آپ نے فرمایا تو تم نے دوشیزہ سے کیوں نہیں کی کہ تم اس سے کھیلتے اور وہ تم سے کھیلتی، اور تم اس کے ساتھ ہنستے اور وہ تمہارے ساتھ ہنستی؟ جابر نے کہا: تب میں نے کہا کہ عبداللہ کا انتقال ہوگیا اور انہوں نے بیٹیاں چھوڑیں اور میں نے ناپسند کیا کہ ان کے پاس انہی جیسی دوشیزہ لے کر آؤں تو میں نے ایسی عورت سے شادی کی جوان کی دیکھ بھال کرے اور ان کے معاملات درست رکھے، تب سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا: اللہ تجھے برکت سے مالا مال کرے، یا آپ ﷺ نے کوئی بھلی بات فرمائی)۔

یہ حدیث بالکل واضح ہے کہ جابر مشترکہ خاندان میں زندگی بسر کر رہے تھے، اور نبی کریم ﷺ نے نہ صرف ان کے عمل کو درست قرار دیا، بلکہ اس کی وجہ سے ان کو دعا دی۔

اور جداگانہ خاندان کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ، نیز حضرت علی اور بہت سے صحابہ کرام جداگانہ زندگی بسر کرنے کا طریقہ اختیار کئے ہوئے تھے، ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے ابوہریرہؓ سے دریافت کیا: "إنی کنت صائماً فدخلت بیت أبی، فأكلت وأنا ناسٍ، قال: الله أطعمك فتم صومك" (ابوبکر احمد بن مروان دینوری مالکی (۳۳۳ھ) "المجالسة وجواہر العلم ۲/ ۱۹۳، حدیث نمبر: ۳۱۹، ط: دار ابن حزم بیروت ۱۴۱۹ھ)۔

(میں روزہ سے تھا پھر میں اپنے باپ کے گھر میں داخل ہوا، اور کھالیا، جبکہ مجھے بھول لاحق ہوگئی، تو حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: اللہ نے تجھے کھلایا ہے، سو تم اپنا روزہ مکمل کرو)۔

حضرت ابوہریرہؓ نے اس بات پر نکیر نہیں کی کہ تم اپنے باپ سے الگ ہوکر جداگانہ طریقہ سے زندگی کیوں بسر کر رہے ہو۔

اس تمہید کے بعد سوالات کے جوابات حسب ذیل ہیں:

۱- اسلام کی نظر میں جداگانہ خاندانی نظام بہتر ہے، یعنی وہ خاندان جو شوہر، بیوی اور اولاد پر مشتمل ہو، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

Marfat.com

(۱) شریعت اسلامی محبت والفت کی داعی ہے، اور نزاع، دشمنی اور باہمی نفرت کے تمام اسباب سے منع کرتی ہے، قطع رحمی سے اس نے عورت اور اس کی پھوپھی اور عورت اور اس کی خالہ کے درمیان نکاح میں جمع کرنے کو حرام قرار دیا ہے، اور اس حرمت پر تمام علماء اسلام کا اتفاق ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”لا یجمع بین المرأة وعمتها، ولا بین المرأة وخالتها“ (صحیح بخاری حدیث نمبر: ۵۱۰۹) اور صحیح مسلم حدیث نمبر: ۱۴۰۸)۔

(عورت اور اس کی پھوپھی اور عورت اس کی خالہ کے درمیان (عقد نکاح) میں جمع نہ کیا جائے)۔

اور یہ مخفی نہیں کہ ساس بہو اور نند اور بھاوج کے درمیان وقتاً فوقتاً نزاع کھڑی ہوتی رہتی ہے، جس کی بنیاد پر مرد حیرت میں پڑ جاتا ہے، اور اسے سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ حق کس کے ساتھ ہے؟ اس طرح گھریلو جھمیلے کی وجہ سے اس کا سکون چھن جاتا ہے، حالانکہ ازدواجی زندگی کا ایک مقصد باہمی سکون بھی ہے، جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: ”ومن آیاته أن خلق لکم من أنفسکم أزواجاً لتسکنوا إلیها“ (الروم: ۲۱) (اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں، تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو)۔

(۲) گھر کو جائے سکون ہونا چاہئے، ارشاد الٰہی ہے: ”واللہ جعل لکم من بیوتکم سکنا“ (النحل: ۸۰) (اور اللہ نے تمہارے لئے تمہارے گھروں کو جائے سکون بنایا)۔

جبکہ مشترکہ خاندان میں عام طور سے گھر کا سکون درہم برہم ہو جاتا ہے۔

(۳) ارشاد الٰہی ہے: ”اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم“ (الطلاق: ۶) (ان کو اسی جگہ رکھو جہاں تم رہتے ہو اپنی وسعت کے موافق)، یہ آیت اگر چہ مطلقہ عورتوں کو زمانہ عدت میں اس جگہ رکھنے سے متعلق ہے جہاں شوہر رہتا ہو، خواہ جیسا کچھ بھی مکان میسر ہو، تو زمانہ بقائے نکاح کے درمیان جہاں شوہر رہتا ہو وہاں بیوی کو ساتھ رکھنے کا حق بدرجۂ اولیٰ ہوگا۔

(۴) ”ہدایہ“ میں ہے: ”وعلی الزوج أن یسکنها فی دار مفردة لیس فیها

Marfat.com

أحد من أهله، إلا أن تختار ذلك؛ لأن السكنى من كفايتها، فتجب لها كالنفقة، وقد أوجبه الله تعالى مقروناً بالنفقة، وإذا أوجب حقالها، ليس له أن يشرك غيرها فيه؛ لأنها تتضرر به، فإنها لا تأمن على متاعها، ويمنعها ذلك عن المعاشرة مع زوجها، ومن الاستمتاع إلا أن تختار؛ لأنها رضيت بانتقاص حقها" (ابوالحسن علی بن ابی بکر رشدانی مرغینانی، الہدایہ شرح بدایۃ المبتدی ۲/۲۸۸-۲۸۹، ط: دار احیاء التراث العربی بیروت)۔

(اور شوہر پر واجب ہے کہ بیوی کو علاحدہ گھر میں ٹھہرائے، جہاں اس کے گھر والوں میں سے کوئی نہ ہو، مگر یہ کہ عورت ساتھ رہنے کو خود ہی اختیار کرے، اس لئے کہ رہائش اس کی ضرورت سے ہے، تو وہ اس کے لئے نفقہ کی طرح واجب ہوگی، اور اللہ تعالی نے رہائش گاہ کو نفقہ کے ساتھ واجب کیا ہے، اور جب اللہ تعالی نے رہائش گاہ بیوی کے حق کے طور پر لازم کیا ہے، تو شوہر کو حق نہیں کہ اس کے علاوہ دوسرے کو اس میں شریک کرے اس لئے کہ اس شرکت سے اسے ضرر لاحق ہوگا، کیونکہ اسے اپنے سامان کے سلسلہ میں اطمینان نہ ہوگا، اور یہ شرکت اسے اپنے شوہر کے ساتھ معاشرت اور لطف اندوز ہونے سے باز رکھے گی، مگر یہ کہ عورت خود شرکت کو اختیار کرے، کیونکہ وہ اپنے حق کو کم کرنے پر خود ہی راضی ہوگئی)۔

اور "البحر الرائق" میں ہے: "ويشترط أن لا يكون في الدار أحد من أحماء الزوج يؤذيها كما في الخانية، قالوا: للزوج أن يسكنها حيث أحبّ، ولكن بين جيران صالحين" (زین الدین بن ابراہیم المعروف بابن نجیم المصری (۹۷۰ھ)، البحر الرائق شرح کنز الدقائق ۱۱/۳۰۹، ط: المکتبۃ الشاملہ) (اور شرط یہ ہے کہ گھر میں شوہر کے رشتہ داروں میں سے کوئی نہ ہو جو اسے اذیت دے، جیسا کہ "خانیہ" میں ہے، فقہاء کا کہنا ہے کہ شوہر بیوی کو جہاں چاہے رکھے، لیکن نیک پڑوسیوں کے درمیان رکھے)۔

اور "ردالمحتار" میں ہے: "فضمير فيه" راجع للبيت، لا الدار، وهو الظاهر،

Marfat.com

لکن ینبغی أن یکون الحکم کذلک فیما إذا کان فی الدار من الأحماء من یؤذیها، وإن لم یدل علیه کلام البزازی" (ابن عابدین محمد امین بن عمر (۱۲۵۲ھ)، رد المحتار مطلب فی مسکن الزوجہ ۱۳/ ۱۶۲، ط: المکتبۃ الشاملۃ) (چنانچہ 'فیہ' کی ضمیر کوٹھری کی طرف لوٹ رہی ہے، نہ کہ حویلی کی طرف، اور یہی ظاہر ہے (یعنی اگر حویلی کے اندر ایک کوٹھری جو لوازمات جیسے مستقل بیت الخلاء اور باورچی خانہ کے ساتھ ہو، اور جس میں تالا بھی لگتا ہو، اگر بیوی کے حوالہ کی تو یہ کافی ہے)، لیکن مناسب یہ ہے کہ یہ حکم اس صورت میں بھی ہو، جبکہ حویلی میں شوہر کے رشتہ داروں میں سے کوئی اسے اذیت دے (یعنی تو پھر علاحدہ مکان کا عورت مطالبہ کرسکتی ہے)، اگرچہ بزازی کا کلام اس پر دلالت نہیں کرتا ہے)۔

اور آگے تحریر کرتے ہیں: "أن ذلک یختلف باختلاف الناس، ففی الشریفة ذات الیسار لابد من إفرادها فی دار، ومتوسط الحال یکفیها بیت واحد من دار، ومفهومه أن من کانت من ذوات الإعسار یکفیها بیت ولو مع أحمائها وضرتها، کأکثر الأعراب وأهل القری وفقراء المدن الذی یسکنون فی الأحواش والربوع، وهذالتفصیل هو الموافق لما مرّ من أن المسکن یعتبر بقدر حالهما" (رد المحتار، باب النفقۃ، مطلب فی مسکن الزوجہ ۵/ ۳۲۲، ط: دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ) (رہائش گاہ میں لوگوں کے اختلاف سے فرق ہوتا ہے، چنانچہ معزز مالدار خاتون کو (مستقل) مکان میں علاحدہ رکھنا ضروری ہے، اور درمیانی حالت والی عورت کو حویلی کا ایک کمرہ کافی ہے، اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ تنگدست عورت کے لئے ایک کوٹھری اپنے دیور اور سوکن کے ساتھ کافی ہے، جیسے زیادہ تر بدو، گاؤں کے لوگ اور شہر کے فقراء کا حال ہے، جو پھوس کے مکان اور چھوٹے گھروں میں رہتے ہیں، اور یہ تفصیل اس بیان کے موافق ہے جو گزرا کہ رہائش گاہ میں دونوں کی حالتوں کا اعتبار ہے)۔

فقہاء احناف کی ان فقہی نقول سے واضح ہے کہ عورت کو مستقل مکان یا مستقل کمرہ دینا

Marfat.com

اسے ضرر سے بچانے کے لئے ہے، اور اس وقت اسے ضرر سے بچانے کا طریقہ یہی ہے کہ اس کے ساتھ جداگانہ زندگی بسر کرنے کا طریقہ اختیار کیا جائے، اسی وجہ سے علامہ شامی نے اس بحث کے اخیر میں تحریر کیا ہے کہ مفتی کے لئے ضروری ہے کہ احوال زمانہ کی رعایت کے ساتھ فتوی دے۔

اور حنابلہ کا مسلک بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا حق ہے کہ وہ شوہر کے ساتھ مستقل رہائش گاہ میں رہے، جہاں شوہر کے گھر والوں میں سے کوئی نہ ہو، تاکہ عورت سے ضرر دور ہو، اور میاں بیوی کو عمدہ طریقہ سے ایک دوسرے سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملے، ابن قدامہ حنبلی تحریر کرتے ہیں: "وليس للرجل أن يجمع بين امرأتيه في مسكن واحد بغير رضاهما صغيراً كان أو كبيراً؛ لأن عليهما ضرراً لما بينهما من العداوة والغيرة، واجتماعهما يثير المخاصمة، وتسمع كل واحدة منهما حسه إذا أتى الأخرى، أو ترى ذلك، فإن رضيا بذلك جاز؛ لأن الحق لهما، فلهما المسامحة بتركه" (ابومحمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ مقدسی (۶۲۰ھ)، المغنی ۲۶/۷ ط: ادارۃ المنار بمصر ۱۳۶۷ھ) (اور مرد کو یہ حق نہیں ہے کہ اپنی دو بیویوں کے درمیان ان کی رضامندی کے بغیر ایک کوٹھری میں جمع کرے، خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی، اس لئے کہ ایسی صورت میں دونوں کے حق میں ضرر ہے، کیونکہ دونوں کے درمیان عداوت اور غیرت ہوتی ہے، اور دونوں کا اجتماع نزاع کو ابھارے گا، اور دونوں میں سے ہر ایک مرد کی آہٹ سنے گی، جبکہ وہ دوسری کے پاس آئے گا، یا وہ اسے دیکھے گی، سو اگر وہ دونوں اس پر راضی ہوں تو جائز ہے، اس لئے کہ حق ان دونوں کا ہے، تو ان کو اسے چھوڑنے کے سلسلہ میں نرمی برتنے کا اختیار ہوگا)۔

اور مالکیہ کے نزدیک بھی عورت شوہر کے رشتہ دار کے ساتھ ایک گھر میں رہنے سے انکار کرسکتی ہے، دردیر مالکی تحریر کرتے ہیں:

"ولها الامتناع من أن تسكن مع أقاربه كأبويه في دار واحدة لما فيه

Marfat.com

الضرر عليها باطلاعهم على حالها "إلا الوضيعة" فليس لها الامتناع من السكنى معهم، وكذا الشريفة إن اشترطوا عليها سكناها معهم، ومحل ذلك فيهما مالم يطلعوا على عوراتهما "كولد صغير لأحدهما فللآخر أن يمتنع من السكنى معه "إن كان له حاضن" غيرهما يحضنه، وإلا فليس للآخر الامتناع من ذلك سواء علم به حال البناء أم لا، "إلا أن يبنى أحدهما "وهو" أى الولد "معه" عالم به الآخر، وأراد عزله بعد ذلك، فليس له الامتناع" (ابوالبرکات سیدی احمد بن محمد العدوی الشہیر بالدردیر (۱۲۰۱ھ)، الشرح الکبیر ۳/ ۴۸۵ ط: دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ-۱۹۹۶ء)۔

(بیوی کو حق ہے کہ شوہر کے رشتہ داروں جیسے اس کے والدین کے ساتھ ایک گھر میں رہنے سے انکار کردے، کیونکہ اس میں اس کا نقصان ہے، اس کے حال سے ان کے باخبر ہونے کے سبب، اور اس معاملہ سے واقف ہونے کی وجہ سے جسے وہ ان سے چھپانا چاہتی ہے، مگر جبکہ پست مرتبہ ہو تو اسے ان کے ساتھ رہنے سے انکار کا حق نہیں ہے، اور ایسے ہی عورت کو انکار کا حق نہیں اگر شوہر کے گھر والوں نے اپنے ساتھ اس کے رہنے کی شرط لگائی ہو، اور ان دونوں عورتوں میں اس کا محل اس صورت میں ہے، جبکہ دونوں کے قابل ستر معاملات سے شوہر کے گھر والے واقف نہ ہوں، ایسے ہی اگر میاں بیوی میں سے کسی کا چھوٹا بچہ ہو تو دوسرا اس کے ساتھ رہنے سے انکار کرسکتا ہے، اگر ان دونوں کے علاوہ بچہ کی پرورش کرنے والا ہو، ورنہ دوسرے کو انکار کرنے کا حق نہیں، خواہ زفاف کی حالت میں اس کا علم ہو یا نہ ہو، مگر یہ کہ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے ساتھ رہے، اور بچہ بھی اس کے ساتھ ہو، اور دوسرے کو اس کا علم ہو اور اس کے بعد اسے الگ کرنا چاہے تو اسے ایسا کرنے کا حق نہیں ہے)۔

اور دسوقی مالکی تحریر کرتے ہیں: "ولو بعد رضاها بسكناها معهم ولو لم يثبت الضرر لها بمشاجرة ونحوها" (محمد بن احمد بن عرفۃ (۱۲۳۰ھ) حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۴۸۵، ط: دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ) (عورت شوہر کے رشتہ دار کے ساتھ رہنے سے باز رہ سکتی ہے، اگرچہ ایسا ان

Marfat.com

کے ساتھ رہنے پر رضامندی کے بعد ہو، خواہ جھگڑے وغیرہ کے ذریعہ اس کے حق میں ضرر ثابت نہ ہوا ہو)۔

اور شافعیہ کے نزدیک بھی شوہر کا اپنے والدین رشتہ دار اور بیوی کے درمیان ایک رہائش گاہ میں جمع کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ بیوی کا حق ایسی رہائش گاہ ہے جس میں اپنی جان و مال کے سلسلہ میں اسے اطمینان حاصل ہو (الامام النووی بشان العارفین ر ۳۴)۔

(۵) جداگانہ زندگی بسر کرنے کے باوجود بوڑھے اور خدمت کے محتاج ماں باپ کے تنہا پڑنے کا خدشہ غلط ہے، کیونکہ محتاج ماں باپ کا نفقہ اولاد پر فرض ہے، بلکہ اس کے لئے کمائی کرنا پڑے، تو کمانا فرض ہے، "ہندیہ" میں ہے: "وكذا إن كان له أبوان معسران يفترض عليه الكسب بقدر كفايتهما كذا في الخلاصة" (الہندیہ ۵/۳۴۹ ط: دار الفکر بیروت) (اور ایسے ہی اگر اس کے پاس محتاج والدین ہوں تو اس پر ان کی ضرورت کے بقدر کمانا فرض ہے، ایسے ہی خلاصہ میں ہے)۔

اور "ہدایہ" میں ہے: "وعلى الرجل أن ينفق على أبويه وأجداده وجداته إذا كانوا فقراء وإن خالفوه في دينه" (الہدایہ ۲/۲۹۲)۔

(اور آدمی پر واجب ہے کہ اپنے والدین اور اپنے دادا اور دادیوں کا نفقہ فراہم کرے، جبکہ وہ محتاج ہوں، اگرچہ وہ اس کے دین میں اس کے مخالف ہوں)۔

ایسے ہی مبسوط سرخسی میں ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے: (شمس الائمہ ابی بکر محمد السرخسی (۴۹۰ھ)، المبسوط ۵/۲۲۲، ط: مطبعۃ السعادۃ بمصر سنہ ۱۳۲۴ھ)۔

یہی مذہب حنابلہ کا ہے اور فقر کے ساتھ کمائی سے عاجزی حنفیہ کی طرح شرط نہیں ہے (المغنی ۷/۵۸۶-۵۸۷)۔

اور مالکیہ کے نزدیک والدین کا نفقہ اولاد پر واجب ہے اور معتمد قول کے مطابق کمائی پر قدرت نہ ہونا وجوب کی شرط ہے (دردیر مالکی الشرح الکبیر ۱/۵۲۲)۔

Marfat.com

اور شافعیہ کے نزدیک بھی والدین، خواہ اوپر درجہ کے ہوں، ان کا نفقہ اولاد پر خواہ نیچے درجہ کے ہوں ان پر واجب ہے، اور اصح قول کے مطابق کمائی پر قدرت نہ ہونے کی شرط نہیں ہے (مغنی المحتاج ۳/۴۴۶-۴۴۸)۔

اور جمہور یعنی حنفیہ، شافعیہ، حنابلہ، ظاہریہ اور جعفریہ وغیرہم کے نزدیک صلبی اولاد پر یہ نفقہ واجب ہے، اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں ان کی اولاد پر، خواہ نیچے درجہ کے ہوں (فتح القدیر ۳/۳۴۷، مغنی المحتاج ۳/۴۴۶، کشاف القناع ۳/۳۱۳، المحلی ۱۰/۱۰۰، زین الدین الجبعی العاملی (۹۶۵ھ) الروضۃ البہیہ شرح اللمعۃ الدمشقیہ ۲/۱۴۳-۱۴۴، ط: جامعۃ النجف الدینیہ)۔

اسی طرح احناف کے نزدیک محتاج بھائی بہن کا نفقہ بھی واجب ہے، بلکہ ہر ذو رحم محرم کا نفقہ واجب ہے، جبکہ وہ محتاج اور کمائی سے عاجز ہو اور یہ وجوب میراث کی اہلیت رکھنے والے اس کے ذو رحم محرم رشتہ دار پر ہے، اور ذو رحم محرم وہ رشتہ دار ہیں جن کے درمیان قرابت کی بنا پر ابدی طور سے نکاح کی حرمت ہو، سرخسی تحریر کرتے ہیں: "یجبر الرجل علی نفقۃ کل ذی رحم محرم منہ، وکذلک المرأۃ الموسرۃ تجبر علی ما یجبر علیہ الرجل من نفقۃ الأقارب؛لأن ھذا الاستحقاق بطریق الصلۃ، فیستوی فیہ الرجال والنساء" (المبسوط ۵/۲۲۳-۲۲۴) (آدمی کو اپنے ہر محرم رشتہ دار کے نفقہ پر مجبور کیا جائے گا، اور ایسے ہی مالدار عورت کو ان رشتہ داروں کے نفقہ پر مجبور کیا جائے گا، جن کے نفقہ پر مرد کو مجبور کیا جاتا ہے، اس لئے کہ یہ استحقاق صلہ رحمی کے طور پر ہے، تو اس میں مرد اور عورت برابر ہوں گے)۔

جبکہ حنابلہ کے نزدیک اصول وفروع کے علاوہ صرف ان رشتہ داروں کا نفقہ واجب ہے جن کا وہ "فرض" یا "عصبہ ہونے" کی بنیاد پر وارث ہو رہا ہو، اور یہ ضابطہ فروع اور اصول کے بارے میں نہیں ہے، چنانچہ نانا کا نفقہ واجب ہے اگرچہ "فرض" یا "عصبہ ہونے" کی بنیاد یہاں نہیں ہے، کیونکہ ان کی قرابت قوی ہے (المغنی ۷/۵۸۶)۔

Marfat.com

اگرچہ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک اصول وفروع کے علاوہ دیگر رشتہ دار کا نفقہ واجب نہیں ہے، لیکن اس کی جگہ "صلہ رحمی" ہے (ابن جزی المالکی، "قوانین الاحکام الشرعیہ/ ۲۴۶، شمس الدین محمد بن احمد الرملی الشافعی (۱۰۰۴ھ) نہایۃ المحتاج ۷/ ۲۰۷-۲۰۸، ط: الحلبی ۱۳۵۷ھ)۔

ذیل میں "صلہ رحمی" کے سلسلہ میں مذاہب فقہیہ کی کچھ تفصیل ہے:

والدین اور دیگر رشتہ دار کے ساتھ حسن سلوک واجب ہے، یہی حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کا مسلک ہے، اور شافعیہ میں سے امام نووی نے اسی کو درست قرار دیا ہے، جبکہ شافعیہ نے والدین اور دوسرے رشتہ دار کے درمیان فرق کیا ہے، اور جمہور کی طرح والدین کے ساتھ حسن سلوک کو واجب قرار دیا ہے، جبکہ دیگر رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک ان کے نزدیک سنت ہے۔ خیال رہے کہ صلہ رحمی محرم اور غیر محرم سارے رشتہ دار کے لئے مطلوب ہے، یہی حنفیہ کا ایک قول ہے اور یہی قول مالکیہ کے نزدیک مشہور ہے، اور اسی کی امام احمد نے صراحت کی ہے، اور شافعیہ کے مطلق کلام سے یہی سمجھا جاتا ہے، جبکہ حنفیہ کا ایک دوسرا قول یہ ہے کہ صلہ رحمی محرم کے ساتھ خاص ہے، اور یہی مالکیہ کا غیر مشہور قول ہے، اور حنابلہ میں سے ابو الخطاب کا بھی یہی قول ہے، لیکن راجح جمہور کا مسلک ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے مطلق رشتہ دار کا ذکر فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد الہی ہے:

"واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والأرحام" (النساء: ۴) (اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو، اور رشتہ داروں کا خیال رکھو)۔

البتہ ماں باپ پر مقدم ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے اس شخص سے فرمایا جس نے پوچھا کہ لوگوں میں میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "أمک ثم أمک ثم أمک ثم أبوک" (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۵۹۷۱، صحیح مسلم: ۲۵۴۸) (تمہاری ماں سب سے زیادہ حسن سلوک کی حقدار ہے، پھر تمہاری ماں، پھر تمہاری ماں، پھر تمہارا باپ)۔

اسی طرح محرم رشتہ دار دوسرے رشتہ داروں پر مقدم ہوں گے (شرح النووی علی صحیح

Marfat.com

مسلم ۱۶/ ۱۱۶-۱۱۷، ط: موسسۃ المختار، القاہرہ: الطبعۃ الاولی ۲۰۰۱ء، رد المحتار ۱۲/ ۶۴۳، ط: دار الکتب العلمیہ بیروت، محمد بن مفلح الحنبلی الآداب الشرعیہ ۲/ ۶۲، ط: المکتبۃ الشاملہ، واحمد بن غنیم بن سالم النفراوی المالکی (۱۱۲۶ھ) الفواکہ الدوانی علی رسالۃ ابن ابی زید القیروانی ۲/ ۳۸۵، سلیمان بن محمد البجیرمی الشافعی (۱۲۲۱ھ) حاشیۃ البجیرمی علی المنہاج ۳/ ۲۲۹، البحر الرائق ۸/ ۲۸۵-۲۸۶، ط: الہند، رد المحتار ۱۰/ ۳۸۹)۔

(۶) مشترکہ خاندانی نظام کی ایک سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ گھر کا ذمہ دار شخص عام طور سے کمانے والے افراد پر تکیہ کر کے گھر کی ترقی سے بے فکر ہو کر بے کاری کے شکار ہو جاتے ہیں، حالانکہ اگر صحت و عافیت کی دولت سے انسان مالا مال ہے تو اسے اپنے اور اپنے بال بچوں کی ضرورت کے بقدر کمانا فرض ہے، "**فرض وھو الکسب بقدر الکفایۃ لنفسہ وعیالہ وقضاء دیونہ ونفقۃ من یجب علیہ نفقتہ**" (الہندیہ ۵/ ۳۴۸)۔

(اور کمانا فرض ہے اپنے اور اپنے بال بچوں کی ضرورت، اپنے قرض کی ادائیگی اور اس کے نفقہ کے بقدر جس کا نفقہ اس پر واجب ہو)۔

(۷) مشترکہ خاندانی نظام میں عام طور سے شادی کے بعد کمانے والے لڑکوں کو شک کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، اور بلا وجہ اسے متہم کیا جاتا ہے، جبکہ واضح ہے کہ ایک لڑکا شادی سے پہلے اگر والد یا گھر کے ذمہ دار کو دس ہزار روپے دیتا تھا، تو اب شادی کے بعد وہ پانچ ہزار سے زیادہ نہیں دے سکتا ہے، کیونکہ اس کے سامنے بیوی بال بچوں کے کچھ دوسرے تقاضے بھی ہیں۔

(۸) بڑا لڑکا عام طور سے مشترکہ خاندانی نظام میں والد کے تعاون میں اپنی پوری زندگی کھپا دیتا ہے، اور چھوٹے بھائی اور بہنوں کی تعلیم اور شادی بیاہ کا نظم کر کے گھر کی جائداد بھی بچا لیتا ہے، لیکن نہ ہی والد کی طرف سے اسے اس کی خدمات کا صلہ ملتا ہے، اور نہ ہی چھوٹے بھائی بعد میں اس کی محنتوں کا اعتراف کرتے ہیں، بلکہ عام طور سے شادی بیاہ کر کے الگ ہو جاتے ہیں، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے زمین خرید لیتے ہیں، اور ان کا اپنی طرف سے کوئی تعاون نہیں کرتے ہیں، بڑے بھائی کو آخر یہ سزا بڑے پن کی وجہ سے ملی؟ یا کیا بڑا ہونا جرم ہے؟

اس لئے شریعت کی روح، عدل و انصاف اور مقاصد شریعت سے زیادہ ہم آہنگ

Marfat.com

جداگانہ خاندانی نظام ہی ہے، ابن قیم تحریر کرتے ہیں: "وحیثما ظهرت دلائل العدل، وسفر وجهه، فثم شرع الله وأمره" (مجلۃ البحوث الاسلامیہ مکۃ المکرمۃ ۳۲/۳۲۵) (اور جہاں عدل کے آثار ظاہر ہوں اور اپنا چہرہ بے نقاب کردے، وہیں اللہ کی شریعت اور اس کا حکم ہے)۔

واضح رہے کہ ماں باپ تنہا ہوں یا ان کو خدمت کی ضرورت ہو تو ان کو الگ کمرہ میں ساتھ رکھنا چاہئے، اس لئے مغربی ملکوں کی طرح مستقل ہاسٹل تعمیر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، یقیناً بوڑھے ماں باپ کو اپنے پاس رکھنے کے لئے ہو بہو تیار ہوتی ہے، مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جبکہ والدین ایک بیٹے کا مال اپنے دوسرے بال بچوں پر خرچ کرتے ہیں، اور ان کی طرف داری کرتے ہیں۔

۲- اگر مشترکہ خاندان ہو اور افرادِ خاندان کی ضروریات کے لئے سب مل کر خرچ دیں، لیکن کسی کے بچے زیادہ ہوں، اور کسی کے کم ہوں، تو عدل وانصاف کا تقاضا ہے کہ بچوں کی تعداد کے لحاظ سے سب پر اخراجات عائد کئے جائیں، جیسا کہ بشیر بن سعد نے اپنے بیٹے نعمان بن بشیر کو ایک عطیہ دیا، اور ان کی بیوی عمرہ بنت رواحہ نے کہا کہ میں اس وقت تک راضی نہیں ہوسکتی جب تک تم اس پر سرکار دوعالم ﷺ کو گواہ نہ بنالو، چنانچہ جب وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "أفعلت هذا بولدك كلهم؟" (کیا تو نے ایسا اپنی تمام اولاد کے ساتھ کیا ہے؟) تو انہوں نے کہا: نہیں، تو اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: "اتقوا الله واعدلوا في أولادكم" (اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان انصاف سے کام لو)، چنانچہ میرے باپ نے وہ عطیہ لوٹا لیا، اور مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے: "أيسرك أن يكونوا لك في البر سواء" (کیا تجھے اس بات سے خوشی ہوگی کہ وہ سب تمہارے ساتھ حسن سلوک کرنے میں برابر ہوں، تو میں نے عرض کیا، کیوں نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: تب میں گواہ نہیں بن سکتا، اور "ابوداؤد" کی ایک دوسری روایت میں ہے: "لا تشهدني على جور، إن لبنيك عليك من الحق أن تعدل بينهم" (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۲۵۸۶، صحیح

Marfat.com

مسلم حدیث نمبر: ۱۶۲۳، احمد حدیث نمبر: ۱۸۳۵۸، ابوداؤد حدیث نمبر: ۳۵۴۳) (مجھے ظلم پر گواہ نہ بناؤ، یقیناً تمہارے بیٹوں کا تم پر حق ہے کہ تم ان کے درمیان انصاف سے کام لو)۔

حافظ ابن حجر تحریر کرتے ہیں: ''وقد تمسک به من أوجب التسوية فى عطية الأولاد.... وذهب الجمهور إلى أن التسوية مستحبة، فإن فضل بعضاً صح وكره، واستحبت المبادرة إلى التسوية أو الرجوع، فحملوا الأمر على الندب، والنهى على التنزيه'' (احمد بن علی ابوالفضل العسقلانی الشافعی فتح الباری باب الہبۃ للولد ۵/۲۱۴، ط: دار المعرفۃ، بیروت ۱۳۷۹ھ) (اس حدیث سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جنہوں نے اولاد کے عطیہ میں برابری کو واجب قرار دیا ہے (جیسے بخاری، طاؤس، ثوری، احمد، اسحاق، اور بعض مالکیہ، پھر ان لوگوں سے مشہور یہ ہے کہ ایسا عطیہ باطل ہے، اور امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ صحیح ہے، اور رجوع واجب ہے، اور امام احمد سے ایک دوسری روایت یہ ہے کہ ایک دوسرے کو ترجیح دینے کا سبب ہو تو جائز ہے، جیسے لڑکے کے اپاہج پن یا تدین وغیرہ کی وجہ سے، اور امام ابو یوسف کا قول ہے کہ برابری واجب ہے اگر ترجیح دینے سے ضرر پہنچانے کا قصد کرے)۔

اور جمہور اس طرف گئے ہیں کہ برابری مستحب ہے تو اگر بعض کو ترجیح دے تو صحیح اور مکروہ ہے، اور برابری یا رجوع کی طرف اقدام کرنے کو مستحب قرار دیا گیا ہے، چنانچہ انہوں نے امر کو استحباب پر اور نہی کو تنزیہ پر محمول کیا ہے)۔

اور ابن قیم تحریر کرتے ہیں:

''وقوله: لا أشهد على جور، والأمر برده، وفى لفظ ''سوّ بينهم'' وفى لفظ: هذا جور، أشهد على هذا غيرى'' ليس إذنا، بل هو تهديد لتسميته إياه جوراً، وهذه كلها ألفاظ صريحة فى التحريم والبطلان من عشرة أوجه تؤخذ من الحديث، ومنها قوله: ''أشهد على هذا غيرى''، فإن هذا ليس باذن قطعاً، فإن رسول الله ﷺ لا يأذن فى الجور فيما لا يصلح وفى الباطل، فإنه قال: إنى

Marfat.com

لا أشهد إلا على حق، فدل على أن الذى فعله أبو النعمان لم يكن حقاً، فهو باطل قطعاً، فقوله إذن: أشهد على هذا غيرى حجة على التحريم كقوله تعالى: "اعملوا ما شئتم" (حم السجدة: ۴۰) وقوله ﷺ: إذا لم تستح فاصنع ما شئت، أى الشهادة ليست من شأنى ولا تنبغى لى، وإنما هى من شأن من يشهد على الجور والباطل وما لا يصلح، وهذا غاية فى الوضوح" (ابن قیم الجوزیہ، تہذیب سنن ابی داؤد وایضاح مشکلاتہ" ۲/۲۰۶-۲۰۷، ط: المکتبۃ الشاملہ)۔

(اور آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ میں "ظلم کی گواہی نہیں دیتا ہوں"، اور عطیہ کو واپس کرنے کا حکم، اور ایک (دوسری) تعبیر میں "ان کے درمیان برابری کرو"، اور ایک (دوسری) عبارت میں "یہ ظلم ہے اس پر میرے علاوہ دوسرے کو گواہ بناؤ"، یہ اجازت نہیں، بلکہ یہ دھمکی ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے اسے ظلم کا نام دیا ہے، اور یہ سب حرمت اور باطل ہونے کے سلسلہ میں صریح الفاظ ہیں، دس پہلوؤں سے جو حدیث سے اخذ کئے جاسکتے ہیں، اور ان میں سے ایک پہلو آپ کا یہ فرمان ہے کہ اس پر میرے علاوہ کو گواہ بناؤ"، کیونکہ یہ قطعی طور سے اجازت نہیں ہے، کیونکہ آپ ﷺ ظلم، نامناسب معاملہ اور باطل کی اجازت نہیں دے سکتے ہیں، کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا میں حق ہی کی گواہی دیتا ہوں، تو اس سے پتہ چلا کہ نعمان کے والد نے جو کیا تھا وہ حق نہیں تھا، پس وہ قطعی طور سے باطل تھا، سو آپ کا یہ فرمانا کہ "اس پر میرے علاوہ کو گواہ بناؤ" حرمت کے سلسلہ میں حجت ہے، جیسے ارشاد الہی: "کرتے رہو جو کچھ تم چاہو" اور سرکار کا یہ ارشاد کہ اگر تم شرم نہ کرو تو جو چاہو کرو یعنی اس طرح کی گواہی میری شان نہیں ہے اور میرے لئے مناسب بھی نہیں ہے اور اس طرح کی گواہی اس شخص کی شان ہے جو ظلم، باطل اور نامناسب بات کی گواہی دیتا ہو، اور یہ بالکل واضح ہے)۔

ہاں البتہ مشترکہ خاندان کے افراد ایک دوسرے کی آمدنی کا خیال کرتے ہوئے اگر کمی بیشی پر راضی ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور یہ زیادہ دینے والے کی طرف سے تبرع ہوگا،

Marfat.com

جس طرح والد ضرر پہنچانے کے قصد کے بغیر حقیقی سبب کی بنیاد پر عطیہ میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دے سکتا ہے، ہندیہ میں ہے:

"وروى عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه لا بأس به إذا كان التفضيل لزيادة فضل له في الدين، وإن كانا سواء يكره، وروى المعلى عن أبي يوسف رحمه الله تعالى أنه لا بأس به إذا لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار سوّى بينهم يعطي الابنة مثل ما يعطي للابن، وعليه الفتوى، هكذا في فتاوى قاضيخان، وهو المختار، كذا في الظهيرية" (الہندیہ ۳۹۱/۴)۔

(اور امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ عطیہ میں ایک دوسرے کو ترجیح دینے میں کوئی حرج نہیں، جبکہ دینی خوبی میں زیادتی کی وجہ سے ہو، اور اگر دونوں برابر ہوں، تو مکروہ ہے، اور معلی نے ابو یوسفؒ سے روایت کیا ہے کہ ایک دوسرے کو ترجیح دینے میں کوئی حرج نہیں، جبکہ اس سے ضرر پہنچانے کا قصد نہ کیا ہو (بلا وجہ ترجیح نہ ہو) اور اگر اس سے ضرر پہنچانے کا قصد ہو تو اولاد کے درمیان برابری کرے بیٹی کو وہی مقدار دے جو بیٹے کو دے، اور اسی پر فتوی ہے، اسی طرح فتاوی قاضی خاں میں ہے، اور یہی مختار ہے، ایسا ہی ظہیریہ میں ہے)۔

اگر چہ احناف کے نزدیک مفتی بہ قول یہ ہے کہ اپنے محتاج والدین اور اسی طرح دیگر محتاج اصول کا نفقہ اولاد پر برابری کے ساتھ واجب ہے، جیسا کہ "الدر المختار" میں ہے:

"بالسوية بين الابن والبنت، وقيل كالإرث، وبه قال الشافعي" (الدر المختار ۳۵۵/۵)

(بیٹی اور بیٹے پر برابری کے ساتھ نفقہ واجب ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ بقدر میراث واجب ہے اور یہی امام شافعی کا قول ہے) اور رد المحتار میں ہے: "هو ظاهر الرواية، وهو الصحيح كما فيه الهداية، وبه يفتى كما في الخلاصة، وهو الحق كما في الفتح، وكذا لو كان للفقير ابنان، أحدهما فائق في الغنى، والآخر يملك نصاباً، فهي عليهما سوية" (رد المحتار ۳۵۵/۵) (یہی ظاہر الروایہ ہے کہ بیٹے اور بیٹی پر برابری کے ساتھ نفقہ

Marfat.com

واجب ہے، اور اسی کو ہدایہ میں صحیح قرار دیا ہے، اور خلاصہ میں ہے کہ اسی پر فتوی ہے اور فتح القدیر میں ہے کہ یہی حق ہے، ایسے ہی محتاج باپ کے دو بیٹے ہوں، ایک مالداری میں بڑھا ہوا ہو اور دوسرا صرف نصاب کا مالک ہو، تو نفقہ دونوں پر برابری کے ساتھ واجب ہے)۔

لیکن حلوانی نے کہا ہے: "قال مشائخنا هذا إذا تفاوتا فی الیسار تفاوتاً یسیراً، أما إذا تفاوتا تفاوتاً فاحشا، فیجب أن یتفاوتا فی قدر النفقة" (البحر الرائق ۴؍۲۵۰) (ہمارے مشائخ نے کہا ہے کہ یہ اس صورت میں ہے جبکہ دونوں کے درمیان مالداری میں معمولی فرق رہا، جبکہ دونوں کے درمیان زبردست فرق ہو تو واجب ہے کہ دونوں کے درمیان نفقہ کی مقدار میں فرق ہو)، اور اسروشنی حنفی تحریر کرتے ہیں: "وإذا کان لرجل ابنان أحدهما موسر مکثر، والآخر متوسط الحال، فالنفقة علیهما علی المکثر أکثر وعلی المتوسط أقل" (محمد بن محمود الاسروشنی (۶۳۲ھ) جامع احکام الصغار الطبعۃ الاولی سنہ ۱۹۸۲ء بغداد) (اور اگر آدمی کے پاس دو بیٹے ہوں ان میں سے ایک مالدار اور زیادہ مال دار ہو اور دوسرا درمیانی حالت والا ہو، تو ان دونوں پر نفقہ واجب ہے، زیادہ مال والے پر زیادہ ہے اور درمیانی حالت والے پر کم ہے)۔

اس جزئیہ سے استیناس کرتے ہوئے باپ کے لئے گنجائش ہے کہ اولاد کی قلت وکثرت پر نظر کئے بغیر آمدنی کے لحاظ سے ہر ایک پر رقم مقرر کرے، بشرطیکہ زیادہ آمدنی والا اس کے لئے خوشدلی سے راضی ہو۔

۳- اس مسئلہ کی کئی صورتیں ہیں:

(۱) مشترکہ خاندان میں اگر مختلف بھائیوں نے مل کر اپنے والد کے پاس آمدنی جمع کی اور باپ کو اس مال کا مالک بنادیا، پھر گھر کے اخراجات سے بچی ہوئی رقم سے کوئی چیز خریدی گئی تو وہ شیٔ باپ کی ملکیت ہے، اور اس کے مرنے کے بعد سبھوں کا حصہ برابر ہوگا، الاختیار میں ہے: "وأما القبض فلأن الملک لو ثبت بدونه للزم المتبرع شئ لم یلتزم وهو

Marfat.com

التسلیم" (ابن مودود الموصلی الحنفی الاختیار لتعلیل المختار ۳؍۵۴، ط: دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۶ھ) (اور رہا ہبہ میں قبضہ کی شرط، تو وہ اس لئے ہے کہ ملکیت اگر اس کے بغیر ثابت ہو جائے، تو تبرع کرنے والے کو ایسی چیز لازم ہو جائے گی، جس کا اس نے التزام نہیں کیا ہے، اور وہ حوالہ کرنا ہے)۔

اور عرف میں بھی ایسا ہی ہے کہ بیٹے باپ کو رقم کا مالک بنا دیتے ہیں۔

(۲) مشترکہ خاندان میں اگر مختلف بھائیوں نے مل کر اپنے والد کے پاس بطور امانت رقم جمع کی، اور باپ کو اس کا مالک نہیں بنایا، اور کمی بیشی کو نظر انداز نہیں کیا، پھر گھر کے اخراجات سے بچی ہوئی رقم سے کوئی چیز خریدی گئی تو اس میں ہر ایک کا حصہ اس کی آمدنی کی رقم کے لحاظ سے ہوگا، "فشرکة الأملاک: العین یرثها رجلان، أو یشتریانها، فلا یجوز لأحدهما أن یتصرف فی نصب الآخر إلا بإذنه، وکل واحد منهما فی نصیب صاحبه کالأجنبی" (ہدایہ ۳؍۵) (چنانچہ شرکت املاک کوئی ایسی چیز ہے جس کے دو شخص وارث ہوں یا اسے دونوں خریدیں، تو اس میں سے ہر ایک کے لئے دوسرے کے حصہ میں تصرف کرنا جائز نہیں، مگر اس کی اجازت سے اور دونوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھ کے حصہ میں اجنبی کی طرح ہے)۔

(۳) اگر مشترکہ خاندان میں مختلف بھائیوں نے مل کر اپنے کسی بھائی کے پاس بطور امانت آمدنی جمع کی، اور کمی بیشی کو نظر انداز نہیں کیا، اور پھر گھر کے اخراجات سے بچی ہوئی رقم سے کوئی چیز خریدی گئی، تو اس میں ہر ایک کا حصہ اس کی آمدنی کے لحاظ سے ہوگا۔

"والاختیاریة أن یشتریا عینا أو یتهبا، أو یوصی لهما فیقبلان أو یستولیا علی مال، أو یخلطا مالهما، وفی جمیع ذلک کل واحد منهما أجنبی فی نصیب الآخر، لا یتصرف فیه، إلا بإذنه لعدم إذنه له فیه" (الاختیار ۳؍۱۲)۔

(اور شرکت املاک اختیاری یہ ہے کہ دو شخص کوئی چیز خریدیں یا ہبہ قبول کریں، یا دونوں کے لئے وصیت کی جائے اور دونوں قبول کرلیں، یا دونوں کسی مال کو قبضہ کرلیں، یا اپنے مال کو

Marfat.com

ملالیں، اوران تمام صورتوں میں دونوں میں سے ہرایک دوسرے کے حصہ میں اجنبی ہے، اس میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف نہ کریں، کیونکہ اسے تصرف کی اجازت نہیں ہے)۔

بہتر ہے کہ یہ ساری صورتیں شروع ہی میں طے کرلی جائیں تاکہ مشترکہ خاندان کو صحیح ڈھنگ سے چلایا جاسکے، اور بعد میں کوئی نزاع نہ پیدا ہو۔

۴- اگرتین بھائی ہیں، دو بھائی پوری تنخواہ مثلاً دس ہزار روپے گھر میں دے دیتے ہیں، اورایک بھائی بیس ہزار روپے کماتا ہے وہ بھی دس ہزار گھر میں دیتا ہے اوردس ہزار الگ بچا کر رکھتا ہے تو وہ بچی ہوئی رقم صرف اس کی ملکیت ہوگی، اوردوسرے بھائیوں کی ملکیت نہ ہوگی:

"إن زيدا يسكن مع أبيه عمرو في بيت واحد، ويعيش من طعام أبيه، وقد كسب مالاً آخر، فليس لإخوانه بعد وفاة أبيه إدخال ما كسبه زيد في الشركة" (علی حیدر درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ۳/۴۰۵ دفعہ نمبر:۱۳۹۸) (زیداپنے باپ عمرو کے ساتھ ایک گھر میں رہتا ہے، اوراپنے باپ کے کھانے سے زندگی بسر کرتا ہے، اوراس نے دوسرا مال کمایا ہے، تواس کے باپ کی وفات کے بعد اس کے بھائیوں کو حق نہیں کہ زید نے جو مال کمایا ہے، اسے مشترک مال میں داخل کریں)۔

اورسرکاردوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "كل أحد أحق بماله من والده وولده والناس أجمعين" (سنن دارقطنی حدیث نمبر:۴۵۶۸، سنن کبری للبیہقی حدیث نمبر:۱۶۱۷۰، سنن سعید بن منصور حدیث نمبر:۲۲۹۳، اوریہ مرسل حدیث ہے، حبان بن ابی جبلہ قرشی تابعین میں سے ہیں اورثقہ ہیں)۔

(ہرایک اپنے مال کا اپنے والد، اولاد اور تمام لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ حقدار ہے)۔

۵- الف: اگر گھر کے کچھ افراد کماتے ہیں، اور کچھ گھر کے کام دیکھتے ہیں، اوراس طرح گھر کا کام چلتا ہے، تو کمانے والے حضرات کی آمدنی خودان کی ہوگی، البتہ ضروری ہے کہ گھر کا کام دیکھنے والے بھائی کی تنخواہ مقرر کردی جائے: "فإذا كان الأب مزارعاً، والابن صانع أحذية، فكسب الأب من المزارعة، والابن من صنعة الحذاء، فكسب

Marfat.com

كل منهما لنفسه، وليس للأب المداخلة فى كسب ابنه لكونه فى عياله" (درر الحکام ۳/۴۴۵، دفعہ ۱۳۹۸) (سو اگر باپ کاشتکار ہو، اور بیٹا جوتے بنانے والا ہو، پھر باپ نے کاشتکاری سے کمائی کی اور بیٹا جوتے بنانے والا ہو، پھر باپ نے کاشتکاری سے کمائی کی اور بیٹے نے جوتے بنانے سے، سو دونوں میں سے ہر ایک کی کمائی خود اس کی ہوگی، اور باپ کو اپنے بیٹے کی کمائی میں دخل دینے کا حق نہ ہوگا، اس حجت سے کہ اس کا کھانا پینا اور رہنا ایک ساتھ ہے)،

آگے تحریر ہے: "ولده" ليس احترازياً، فالحكم فى الزوجة والإخوة على الوجه المذكور أيضاً" (المرجع السابق ۳/۴۴۵) ("اس کا بیٹا" یہ قید احترازی نہیں ہے، چنانچہ بیوی اور بھائیوں کا حکم بھی ذکر کردہ صورت کے مطابق ہے)۔

ب- اگر سب مل کر باپ کے متروکہ مال یا مشترک مال سے شروع کردہ کاروبار کو بڑھانے میں لگے ہوں، اور کچھ افراد گھر کے کام دیکھتے ہوں تو اس صورت میں آمدنی میں سارے بھائی برابر کے حقدار ہوں گے، "كذلك لو كان إخوة أربعة فى عائلة واحدة، وسعوا فى تكثير وتنمية الأموال الموروثة عن أبيهم، فتقسم الأقسام بينهم بالسوية، ولا ينظر إلى اختلاف عملهم أو اختلاف رأيهم" (درر الحکام ۳/۴۴۵)۔

(ایسے ہی اگر چار بھائی مشترک خاندان میں ہوں اور انہوں نے باپ سے وراثت میں ملے ہوئے مال کو بڑھانے کی کوشش کی تو برابری کے ساتھ ان کے درمیان حصے تقسیم کئے جائیں گے، اور ان کے عمل یا ان کی رائے کے اختلاف کو پیش نظر نہیں رکھا جائے گا)۔

د- اگر ایک بھائی کا ذاتی کاروبار ہو، اور دوسرے بھائی جن کا کھانا پینا رہنا ایک ساتھ ہو اسی کاروبار میں اس کے ساتھ کام کریں، تو یہ سب تعاون کرنے والے ہوں گے، اور آمدنی اس کی ہوگی جس کا کاروبار ہے: "كذلك لو كان فى عيال أحد ولد له وإخوان وعملوا فى صنعة واكتسبوا أموالاً فكافة الكسب لذلك الشخص، ويكون هؤلاء معينين له" (سابق مرجع ۳/۴۴۵)۔

Marfat.com

(ایسے ہی اگر کسی کی کفالت میں اس کے بچے اور بھائی ہوں اور وہ ایک صنعت میں کام کریں اور مال کمائیں تو ساری آمدنی اس شخص کی ہوگی، اور یہ لوگ اس کی مدد کرنے والے ہوں گے)۔

۶- والدین کی کفالت وخدمت بیٹے اور بیٹیوں سب پر ہے، "يجب على الولد الموسر كبيراً كان أو صغيراً ذكراً أو أنثى نفقة والديه وأجداده وجداته الفقراء.... ولا يشارك الولد الموسر أحد في نفقة أصوله المحتاجين" (مجموعۃ قدری باشا دفعہ ۴۰۸)۔

(مالدار اولاد پر خواہ بالغ ہو یا نابالغ، مرد ہو یا عورت اپنے محتاج والدین، دادا نانا، اور دادی ونانی کا نفقہ واجب ہے، اور اپنی محتاج اصول کے نفقہ کے سلسلہ میں کوئی مالدار اولاد کا شریک نہ ہوگا)، اور ہندیہ میں ہے: "ويجبر الولد الموسر على نفقة الأبوين المعسرين" (عالمگیری ۱/ ۵۶۴) (اور مالدار اولاد کو محتاج والدین کے نفقہ پر مجبور کیا جائے گا)۔

اور یہ بات مخفی نہیں کہ "ولد" کا لفظ مذکر اور مونث اور بالغ ونابالغ اولاد سب کو شامل ہے۔

خیال رہے کہ شافعیہ، حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک بھی یہ وجوب بیٹے اور بیٹیوں دونوں پر ہے، فرق صرف یہ ہے کہ مالکیہ کے نزدیک یہ وجوب صرف اپنے صلبی بیٹے اور بیٹیوں پر ہے، پوتے اور پوتیوں پر نہیں (مغنی المحتاج ۳/ ۴۴۶، المغنی ۷/ ۵۸۴، کشاف القناع ۳/ ۱۴، ۳ شیخ منصور بن یونس البہوتی الحنبلی شرح منتہی الارادات ۳/ ۳۵۷، مطبوع علی ہامش کشاف القناع المطبعۃ الشرقیہ ۱۳۱۹ھ، والدردیر المالکی الشرح الکبیر ۲/ ۵۲۲)۔

اسی طرح خدمت بھی بیٹے اور بیٹیوں دونوں پر ہے، ارشاد الٰہی ہے: "ووصينا الإنسان بوالديه" (لقمان: ۱۴) (اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہنچانے کی خود تاکید کی ہے)۔

Marfat.com

اور یہ واضح ہے کہ انسان میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں، اور حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لا يجزى ولد والده إلا أن يجده مملوكاً فيشتريه فيعتقه" (صحیح مسلم: حدیث نمبر: ۱۵۱۰، ابوداؤد حدیث نمبر: ۵۱۳۷، الادب المفرد للبخاری حدیث نمبر: ۱۰)۔

(کوئی اولاد اپنے والد کے حق کا بدلہ نہیں دے سکتی، مگر یہ کہ اسے مملوک غلام پائے پھر اسے خرید کر آزاد کر دے)۔

اور فقہاء نے بھی عام طور سے والدین کے حقوق کی رعایت کی تاکید کی ہے، عبد اللہ بن محمود بن مودود موصلی حنفی تحریر کرتے ہیں: "ويجب على الابن نفقة خادم الأب إذا احتاج إليه، لأن خدمة الأب مستحقة على الابن فكذا نفقة من يخدمه" (الاختیار ۱۱/۴) (اور بیٹے پر باپ کے خادم کا نفقہ واجب ہے، جبکہ اسے اس کی ضرورت ہو، کیونکہ باپ کی خدمت بیٹے پر لازم ہے، تو ایسے ہی اس کا نفقہ بھی لازم ہوگا جو اس کی خدمت کرے)۔

اور شمس الائمہ سرخسی تحریر کرتے ہیں:

"وإن استأجر الرجل ابنه ليخدمه في بيته لم يجز، ولا أجر عليه؛ لأن خدمة الأب مستحقة على الابن دينا، وهو مطالب به عرفاً، فلا يأخذ عليه أجراً، ويعدّ من العقوق، أن يأخذ الولد الأجر على خدمة أبيه، والعقوق حرام، وكذلك إن استأجرته الأم؛ لأن خدمتها أوجب عليه، فإنها أحوج إلى ذلك وأشفق عليه، وإن كان أحدهما استأجره ليرعيه غنما، أو يعمل غير الخدمة جاز، فإن ذلك غير مستحق عليه ولا هو مطلوب في العرف" (المبسوط ۱۰۷/۱۶، ط: دار الفکر بیروت ۱۴۲۱ھ)۔

(اور اگر کسی شخص نے اپنے بیٹے کو مزدوری پر لیا تا کہ وہ اس کے گھر میں اس کی خدمت کرے تو یہ جائز نہیں، اور اس کے ذمہ اجرت نہیں، اس لئے کہ باپ کی خدمت بیٹے پر دینی اعتبار

Marfat.com

سے لازم ہے، اور اس سے عرف میں اس کا مطالبہ ہے، تو وہ اس پر اجرت نہیں لے گا، اور نافرمانی سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اولاد اپنے باپ کی خدمت پر اجرت لے، اور نافرمانی حرام ہے، اور ایسے ہی اگر اسے ماں مزدوری پر رکھے کیونکہ ماں کی خدمت اس پر زیادہ واجب ہے، اس لئے کہ اسے اس کی زیادہ ضرورت ہے، اور وہ اس کے حق میں زیادہ مہربان ہے، اور اگر دونوں میں سے کوئی اسے اجرت پر رکھے تاکہ اس سے بکری چروائے، یا وہ خدمت کے علاوہ کام کرے، تو یہ جائز ہے، کیونکہ یہ اولاد پر لازم نہیں، اور نہ ہی عرف میں یہ مطلوب ہے)۔

اور محمود بن احمد برہان الدین مازہ حنفی تحریر کرتے ہیں:

"وإن استأجر الابن أمه أو جدته أو جده للخدمة لا يجوز، ولو خدمت فلها المسمى، ويستوى ذلك أن يكون الابن حراً أو عبداً، مسلماً أو كافراً؟ لأن خدمة الأب واجبة على الابن مع اختلاف الدين، ويجوز الاستئجار للخدمة فيما بين الإخوة، وسائر القرابات، ومن مشايخنا من قال: إذا استأجر عمه للخدمة والعم أكبر، أو استأجر أخاه الأكبر للخدمة لا يجوز" (برہان الدین مازہ المحیط البرہانی ۸/ ۴۰، ط: دار احیاء التراث العربی بیروت)۔

(اور اگر بیٹے نے اپنی ماں یا دادا یا دادی کو خدمت کے لئے اجرت پر لیا، تو یہ جائز نہیں ہے، اور اگر اس نے خدمت کی تو اسے متعین کردہ اجرت ملے گی، اور اس حکم میں بیٹا خواہ آزاد ہو یا غلام، مسلم ہو یا کافر سب برابر ہیں، کیونکہ باپ کی خدمت دین و مذہب کے اختلاف کے ساتھ بیٹے پر واجب ہے، اور بھائیوں اور دیگر رشتہ داروں کے درمیان خدمت کے لئے اجرت پر لینا جائز ہے، اور ہمارے مشائخ میں سے بعض نے کہا ہے کہ اگر اپنے چچا کو خدمت کے لئے اجرت پر رکھے تو یہ جائز نہیں)۔

اور احمد بن غنیم نفراوی مالکی تحریر کرتے ہیں: "نعم يظهر أنه يلزمه اتخاذ خادم لهما إن احتاجا إليه" (الفواکہ الدوانی ۳/ ۱۰۸۷) (ہاں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مالدار اولاد پر

Marfat.com

لازم ہے کہ والدین کے لئے خادم فراہم کرے، اگر انہیں اس کی ضرورت ہو)۔

لہذا ماں باپ کی خدمت بیٹے اور بیٹیوں کو آخری حد تک کرنی چاہئے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر نے ایک شخص کو اپنی ماں کو اپنی پشت پر لے طواف کرتے ہوئے دیکھا، تو اس شخص نے پوچھا، اے ابن عمر! آپ کی کیا رائے ہے، میں نے ان کے حق کا بدلہ دے دیا، تو حضرت ابن عمرؓ نے ایک ہی سانس میں دو مرتبہ نہیں نہیں فرمایا" (مسند بزار حدیث نمبر: ۴۳۸۰، الادب المفرد حدیث نمبر: ۱۱)۔

ب- بہو پر ساس سسر کی خدمت واجب نہیں ہے، اگر ماں کو اپنی ضروریات کے لئے تعاون کی ضرورت ہو، اور وہ تعاون ایسا ہو جس کو بیٹا خود انجام نہ دے سکتا ہو، تو بہو پر اس خدمت کو بجالانا واجب نہیں ہے، اگر وہ دیانۃً واخلاقاً تعاون دے تو بہتر ہے، "وإن قالت: لا أطبخ ولا أخبز، لا تجبر على الطبخ والخبز، وعلى الزوج أن يأتيها بطعام مهيأ، أو يأتيها بمن يكفيها عمل الطبخ والخبز" (الہندیہ ۱/۵۴۸)۔

(اور اگر بیوی نے کہا میں کھانا اور روٹی نہیں پکاؤں گی تو کھانا اور روٹی پکانے پر اسے مجبور کیا جائے گا، اور شوہر کی ذمہ داری ہوگی کہ اسے تیار کھانا فراہم کرے، یا اس کے پاس خادمہ لائے جو کھانا اور روٹی پکانے کے کام سے اسے نجات دے)۔

لیکن فقیہ ابواللیث کا کہنا ہے کہ "أن هذا إذا كان بها علة لا تقدر على الطبخ والخبز، أو كانت من بنات الأشراف، فأما إذا كانت تقدر على ذلك، وهي ممن تخدم نفسها تجبر على ذلك" (البدائع ۴/۲۴) (یہ اس صورت میں ہے جب کہ اسے کوئی ایسا مرض ہو کہ کھانا اور روٹی پکانے پر قادر نہ ہو، یا شریف زادیوں میں سے ہو، سو رہا اگر اسے اس پر قدرت ہو، اور وہ ہو بھی ایسی عورت جو اپنا کام خود کرتی ہو تو اسے اس پر مجبور کیا جائے گا)، اور ہندیہ میں ہے: "قالوا: إن هذه الأعمال واجبة عليها ديانة، وإن كان لا يجبرها عليها القاضي" (الہندیہ ۱/۵۴۸) (فقہاء احناف نے کہا ہے کہ گھر کے کام کاج اور

Marfat.com

شوہر کی خدمت عورت پر دیانۃً واجب ہے، اگرچہ قاضی اسے اس پر مجبور نہیں کرے گا)۔

اور دیانتاً وجوب کا اثر یہ ہوگا کہ "لو استأجرها الزوج للطبخ والخبز لم يجز، ولا يجوز لها أخذ الأجرة على ذلك" (مرجع سابق ۱/۵۴۸) (اگر شوہر بیوی کو کھانا اور روٹی پکانے کے لئے اجرت پر رکھے تو یہ جائز نہیں، اور اس کے لئے اس پر اجرت لینا جائز نہیں ہے)۔

اور امام کاسانی نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے: "لأنها لو أخذت الأجرة لأخذتها على عمل واجب عليها في الفتوى، فكان أخذها في معنى الرشوة، فلا يحل لها الأخذ" (البدائع ۴/۲۴)۔

(اس لئے کہ اگر وہ اجرت لے تو دیانتاً اپنے اوپر واجب عمل پر اجرت لے گی، تو اس کا لینا رشوت کے معنی میں ہوا، تو اس کے لئے لینا حلال نہیں)۔

خیال رہے کہ مالکیہ کے نزدیک اگر عورت معزز ہو جو خدمت نہ کرتی ہو، یا شوہر بلند مرتبہ ہو کہ بیوی کی خدمت اس کے لئے معیوب ہو، اور شوہر مالی گنجائش رکھنے والا ہو، تو اس پر واجب ہے کہ بیوی کے لئے خادم فراہم کرے، اور اگر عورت اس حیثیت کی نہ ہو، یا ہو اور شوہر فقیر ہو، تو اندرونی خدمت جیسے آٹا گوندھنا، جھاڑو لگانا، بستر بچھانا اور صرف شوہر کے لئے نہ کہ اس کے مہمانوں کے لئے، اور عرف کے مطابق پانی لانا اور شوہر کے کپڑے دھونا، بیوی پر واجب ہے، خواہ وہ مالدار اور معزز ہی کیوں نہ ہو (دردیر مالکی الشرح الکبیر ۲/۵۱۰-۵۱۱)۔

شافعیہ کے نزدیک بھی شوہر کی خدمت بیوی پر واجب نہیں، ابو اسحاق شیرازی شافعی تحریر کرتے ہیں: "ولا يجب عليها خدمته في الخبز والطحن والطبخ والغسل وغيرها من الخدم، لأن المعقود عليها من جهتها هو الاستمتاع، فلا يلزمها ما سواه" (ابو اسحاق ابراہیم بن علی الشیرازی (۴۷۶ھ) المہذب ۱۵/۵۸۱، ط: مطبعۃ العاصمۃ فی القاہرہ) (بیوی پر شوہر کی خدمت روٹی پکانے، آٹا پیسنے، کھانا پکانے، اور کپڑا دھونے اور دوسری حاجتیں پوری

Marfat.com

کرنے میں واجب نہیں، کیونکہ عورت کی طرف سے جس چیز پر عقد ہوا ہے وہ لطف اندوز ہونا ہے، تو اس کے علاوہ اس پر لازم نہ ہوگا)۔

البتہ عورت کی خدمت امر مشروع ہے، اور اسی کے ساتھ عرف جاری ہے، لہذا مرد عورت کی خدمت کا قصد کرسکتا ہے، البتہ اس پر خدمت واجب نہیں ہے (تکملۃ المجموع ۱۵/ ۵۸۲-۵۸۳)۔

حنابلہ کے نزدیک بھی شوہر کی خدمت واجب نہیں ہے، ابن قدامہ تحریر کرتے ہیں: "**وليس على المرأة خدمة زوجها من العجن والخبز والطبخ وأشباهه، نص عليه أحمد... لأن المعقود عليه من جهتها الاستمتاع، فلا يلزمها غيره كسقي دوابه وحصار زرعه**" (المغنی ۷/ ۲۱) (اور عورت پر شوہر کی خدمت یعنی آٹا گوندھنا روٹی پکانا اور کھانا پکانا اور اس کی مانند کام (جیسے گھر میں جھاڑو لگانا اور کنویں سے پانی بھرنا) واجب نہیں، اس کی امام احمد نے صراحت کی ہے، اس لئے کہ عورت کی طرف سے جس چیز پر عقد ہوا ہے وہ اس سے لطف اندوز ہونا ہے، تو اس کے علاوہ کام اس پر لازم نہ ہوگا، جیسے اس کے جانور کو پانی پلانا اور اس کی کھیتی کاٹنا)۔

البتہ عرف کے مطابق کام کرنا بہتر ہے: "**ولكن الأولى لها فعل ماجرت العادة بقيامها به، لأن العادة ولا تصلح الحال إلا به، ولا تنتظم المعيشة بدونه**" (المغنی ۷/ ۲۱) (لیکن اس کام کو انجام دینا بہتر ہے جس کے انجام دینے کے ساتھ عرف جاری ہو، اس لئے کہ ایسا عرف ہے اور عرف پر عمل کے بغیر حالت ٹھیک نہیں ہوسکتی ہے، اور اس کے بغیر معیشت درست نہیں ہوسکتی ہے)۔

جبکہ ابوبکر بن شیبہ، ابواسحاق جوزجانی اور ابن تیمیہ اس طرف گئے ہیں کہ دستور کے مطابق اس جیسی عورت اس جیسے مرد کی جو خدمت کرسکتی ہے وہ اس پر واجب ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کے ذمہ گھر کی خدمت اور حضرت علی بن ابی طالبؓ کے ذمہ گھر کے

Marfat.com

باہر کے کام کا فیصلہ کیا، اور حضرت علی کو خادم فراہم کرنے کے یا خود سے کام کرنے کی ذمہ داری نہیں سونپی، نیز لوگوں میں رائج عرف بھی یہی ہے، لیکن یہ قول کمزور ہے کیونکہ آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ کو اپنے پسندیدہ اخلاق کے شایانِ شان کام کرنے کا عرف کے مطابق حکم دیا، لیکن ایسا بطور وجوب نہیں تھا، نیز عرف میں ایک دوسرے کا تعاون رائج ہونا اس کے قانونی وجوب کا متقاضی نہیں ہے (المغنی ۷/۲۱، الشیخ علاء الدین ابو الحسن علی بن محمد البعلی الدمشقی الاختیارات الفقہیہ من فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ/ ۵۴۵-۵۴۶، ط: دار المعرفۃ، بیروت) (جب جمہور فقہاء کے نزدیک بیوی پر شوہر کی خدمت اور اس کے گھریلو کام کی انجام دہی واجب نہیں ہے، تو شوہر کے والدین کی خدمت کیوں کر واجب ہوگی، البتہ وہ اگر عرف کے مطابق تعاون دے تو یہ اس کی بلند اخلاقی ہوگی۔

د- اگر ماں کو اپنی ضروریات کے لئے تعاون کی ضرورت ہو، اور وہ تعاون ایسا ہو جس کو بیٹا خود انجام دے سکتا ہو، اور بہو اس خدمت کو بجالانے پر راضی نہ ہو تو بیٹے کو چاہئے کہ وہ ان کے لئے خادم یا خادمہ فراہم کرے، ''البحر'' میں ہے:

''وأشار بقوله: ''ولأبويه'' إلى أن جميع ما وجب للمرأة، يجب للأب والأم على الولد من طعام وشراب وكسوة وسكنى حتى الخادم، قال في الخانية: وكما يجب على الابن الموسر نفقة والده الفقير تجب عليه نفقة خادم الأب، امرأة كانت الخادم أو جارية، إذا كان الأب محتاجاً إلى من يخدمه'' (البحر الرائق ۴/۳۵۰) (اور مصنف نے اپنے قول ''اور والدین کے لئے'' سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ تمام وہ چیزیں جو عورت کے لئے واجب ہیں وہ سب اولاد پر والدین کے لئے واجب ہیں جیسے کھانا پینا، لباس اور رہائش یہاں تک کہ خادم بھی، ''خانیہ'' میں کہا ہے کہ جس طرح مالدار بیٹے پر محتاج والد کا نفقہ واجب ہے اسی طرح اس پر باپ کے خادم کا نفقہ بھی واجب ہے، خادم (آزاد) عورت ہو یا باندی جبکہ باپ کو ایسے آدمی کی ضرورت ہو جو اس کی خدمت کرے)۔

اور علامہ شامی تحریر کرتے ہیں: ''نعم صرحوا بأن الأب إذا كان مريضاً أو به

Marfat.com

زمانة يحتاج إلى الخدمة فعلى ابنه خادمه وكذلك الابن" (رد المحتار بہامش الدر المختار ۶۱۲/۳) (ہاں فقہاء احناف نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ باپ اگر مریض ہو یا اسے اپاہج پن ہو، جس کی بنا پر وہ خدمت کا محتاج ہو، تو اس کے بیٹے پر اس کے لئے خادم فراہم کرنا لازم ہے، اور یہی حال بیٹے کا ہے (یعنی محتاج بیٹے کے لئے خادم فراہم کرنا لازم ہے)۔

اور دردیر مالکی تحریر کرتے ہیں: "ويجب عليه نفقة خادمها" (الشرح الکبیر ۵۲۳/۲) (اور مالدار اولاد پر والدین کے خادم کا نفقہ واجب ہے)۔

اور شیخ محمد شربینی خطیب شافعی تحریر کرتے ہیں: "ويجب له مؤونة خادم إن احتاجه" (مغنی المحتاج ۴۴۹/۳) (اور رشتہ دار جس کو نفقہ دیا جائے اس کے خادم کا نفقہ بھی واجب ہے، اگر اسے اس کی ضرورت ہو)۔

اور حنابلہ کے نزدیک بھی جن کا نفقہ واجب ہے ان کے لئے خادم بھی لازم ہے، اگر اس کی ضرورت ہو، بہوتی حنبلی تحریر کرتے ہیں: "ويلزم من وجب عليه نفقته خادم للجميع أي جميع من تلزمه نفقتهم لحاجة إليه؛ لأنه من تمام الكفاية" (شرح منتہی الارادات ۳۵۹/۳) (جس پر جن رشتہ دار کا نفقہ واجب ہو، ان سب کے لئے خادم بھی لازم ہے، اس کی ضرورت کی وجہ سے اس لئے کہ اسی سے ضروریات کی تکمیل ہوتی ہے)۔

اور اگر بیٹے کی مالی حیثیت ایسی نہ ہو کہ خادم فراہم کر سکے، تو اپنے پاس رکھ کر خدمت اور دیکھ بھال لازم ہے، 'البحر' میں ہے: "ولا يجبر الابن على نفقة أبويه المعسرين، إذا كان معسراً، إلا إذا كان بهما زمانة، أو بهما فقر فقط، فإنهما يدخلان مع الابن ويأكلان معه ولا يفرض لهما نفقة علاحدة" (البحر الرائق ۳۴۹/۴) (اور بیٹے کو اپنے تنگدست باپ کے نفقہ پر مجبور نہیں کیا جائے گا، جبکہ وہ محتاج ہو، مگر جب کہ دونوں کو اپاہج پن ہو، یا صرف افلاس ہو تو وہ دونوں بیٹے کے ساتھ داخل ہوں گے اور اس کے ساتھ کھائیں گے، اور دونوں کے لئے علاحدہ نفقہ مقرر نہیں کیا جائے گا)۔

Marfat.com

اور خانیہ میں ہے: "ولا يجب على الابن الفقير نفقة والده الفقير حكماً، إذا كان الوالد يقدر على العمل، وإن كان الوالد لا يقدر على عمل، أو كان زمناً، وللابن عيال كان على الابن أن يضم الأب إلى عياله، وينفق على الكل" (مرجع سابق ۳۴۹/۴) (اور محتاج بیٹے پر قانونی اعتبار سے اپنے محتاج والد کا نفقہ واجب نہیں ہے، جبکہ والد کام کی قدرت رکھتا ہو، اور اگر کام کی قدرت نہ رکھتا ہو یا اپاہج ہو اور بیٹے کا کنبہ ہو تو بیٹے پر لازم ہے کہ باپ کو اپنے کنبہ میں شامل کرلے اور سب پر خرچ کرے)۔

۷- چچازاد بھائی بہن، ماموں زاد بھائی بہن، خالہ زاد بھائی بہن اور پھوپھی زاد بھائی بہن، اسی طرح دیور، سالی اور بہنوئی وغیرہ یہ سب اجنبی مرد اور عورت کے حکم میں ہیں، کیونکہ عورت کے لئے اجنبی وہ ہے جو اس سے فی الحال یا مستقبل میں عارضی رکاوٹ زائل ہونے کے بعد نکاح کرسکتا ہو، دونوں کے درمیان ابدی طور سے نکاح کی حرمت نہ ہو، چنانچہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "إياكم والدخول على النساء، فقال رجل من الأنصار: يا رسول الله! أرأيت الحمو؟ فقال ﷺ: الحمو الموت" (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۵۲۳۲، صحیح مسلم: حدیث نمبر: ۲۱۷۲، ترمذی حدیث نمبر: ۱۱۷۱ اور مسند احمد حدیث نمبر: ۱۷۳۴۷) (یعنی عورتوں کے پاس (تنہائی میں) جانے سے پرہیز کرو، انصار میں سے ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! دیور کے بارے میں کیا رائے ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: دیور موت ہے (یعنی ان سے اور زیادہ بچنا اور پردہ کا اہتمام ہونا چاہئے)۔

اور اجنبی مرد وعورت کے سلسلہ میں ضابطہ یہ ہے کہ بدن کا جو حصہ ستر میں داخل ہے اس کا دوسرے سے چھپانا لازم ہے، اور جو ستر میں داخل نہیں اس کا ظاہر کرنا اور نہ چھپانا جائز ہے، مگر یہ کہ کسی عارض کی وجہ سے اس کا چھپانا لازم ہو جائے، چنانچہ جمہور فقہاء کے نزدیک عورت کا سارا بدن ستر ہے سوائے چہرہ اور ہتھیلی کے، جبکہ بعض فقہاء کے نزدیک عورت کا سارا بدن سر سے پیر کی انگلی تک ستر ہے، چنانچہ ان کے نزدیک چہرہ اور ہتھیلی ستر میں داخل ہیں، جن کا چھپانا اجنبی کے

Marfat.com

سامنے بدن کے دوسرے حصہ کی طرح لازم ہے، دونوں فریق کا استدلال آیت کریمہ: ”ولا یبدین زینتھن إلا ما ظھر منھا...“ (النور:۳۱) (اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں بجز اس کے جو خود ظاہر ہو جائے) سے ہے۔

ابن کثیر تحریر کرتے ہیں:

”أی لا یظھرن شیئاً من الزینة للأجانب إلا ما لا یمکن إخفاؤہ، قال ابن مسعودؓ کالرداء والثیاب وقال بقول ابن مسعود: الحسن وابن سیرین والنخعی وغیرھم، وقال الاعمش عن سعید بن جبیر عن ابن عباس فی معنی: ”إلا ما ظھر منھا“ قال: یعنی وجھھا وکفیھا والخاتم... ویحتمل أن ابن عباس ومن تابعہ أراد تفسیر ما ظھر منھا بالوجہ والکفین، وھذا ھو المشھور عند الجمھور“ (اسماعیل بن عمر بن کثیر (۷۷۴ھ) تفسیر القرآن العظیم ۳/۱۶۳۵-۱۶۳۶، ط: موسسة الریان، بیروت الطبعة الثالثة ۱۴۲۸ھ-۲۰۰۷ء)۔

(یعنی وہ اپنی آرائش وزیبائش میں سے کچھ اجنبیوں کے لئے ظاہر نہ کریں، مگر جس کا چھپانا ممکن نہ ہو، ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ خود سے ظاہر ہونے والی آرائش جیسے چادر اور کپڑے (ان کا ہوا سے اڑ جانا یا عورت کے جسم پر رہنے والا نقاب جو اس کے بدن پر ہونے کی وجہ سے باعث کشش ہے)، اور حسن، ابن سیرین اور نخعی وغیرہ نے بھی وہی بات کہی ہے جو ابن مسعودؓ سے مروی ہے، اور اعمش نے سعید بن جبیر سے اور انہوں نے ابن عباس سے ”مگر جو کچھ اس آرائش وزیبائش میں سے ظاہر ہو جائے“ کے معنی کے سلسلہ میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ قرآن عورت کے چہرہ، دونوں ہتھیلی اور انگوٹھی مراد لے رہا ہے.... اور احتمال ہے کہ ابن عباس اور جنہوں نے ان کی اتباع کی ”جو کچھ اس آرائش وزیبائش میں سے ظاہر ہو“ کی تفسیر چہرہ اور ہتھیلی سے کرنا چاہا ہو، اور یہی جمہور کے نزدیک مشہور ہے)۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (السید محمود الآلوسی البغدادی (۱۲۷۰ھ) روح المعانی ۱۸/۱۴۰، ط: ادارة الطباعة المنیریہ بمصر، امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص (۳۷۰ھ)، احکام القرآن ۳/۳۱۵، ط: الآستانہ سنہ ۱۳۳۵ھ)۔

Marfat.com

نیز جصاص رازی ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں، جو ظاہری زینت سے مراد کپڑے وغیرہ کو قرار دیتے ہیں:

"إن هذا القول لا معنى له، لأنه معلوم أنه ذكر الزينة، والمراد العضو الذى عليه الزينة، ألا ترىٰ أن سائر ما تتزين به المرأة من الحلى والقلب والخلخال والقلادة، يجوز أن تظهرها للرجال، إذا لم تكن هى لابستها، فعلمنا أن المراد موضع الزينة كما جاء فى نسق التلاوة بعد هذا: "ولا يبدين زينتهن إلا لبعولتهن" (النور:۳۱)، والمراد موضع الزينة، فتأويلها على الثياب لا معنى له إذا كان ما يرى الثياب عليها دون شيئ من بدنها كما يراها إذا لم تكن لابستها" (مرجع سابق ۳/۳۱۶) (اس قول کا کوئی مطلب نہیں ہے، اس لئے کہ معلوم ہے کہ قرآن کریم نے زینت کا ذکر کیا ہے، اور مراد وہ عُضو ہے جس پر زینت ہو، کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ تمام آرائش کی چیزیں جیسے زیورات، کنگن، پازیب اور ہار جن سے عورتیں آرائش وزیبائش کرتی ہیں، ان کو مردوں کے سامنے ظاہر کرسکتی ہیں، جبکہ وہ ان کو پہنے ہوئے نہ ہوں، تو ہمیں معلوم ہوگیا کہ مراد زینت کی جگہ ہے، جیسا کہ تلاوت کی ترتیب میں اس کے بعد وارد ہے، "اور وہ اپنا بناؤ سنگھار نہ ظاہر کریں مگر اپنے شوہروں کے سامنے" اور مراد زینت کی جگہ ہے، تو کپڑے سے اس کی تاویل کا کوئی مطلب نہیں ہے، جبکہ صرف اس کے کپڑا کو دیکھ رہا ہو، نہ کہ اس کے بدن کا کوئی حصہ، جس طرح کپڑے کو دیکھ سکتا ہے جبکہ عورت اسے پہنے نہ ہو)۔

لیکن امام جصاصؒ کی یہ تردید بہت کمزور ہے، کیونکہ جو کپڑا بدن سے الگ ہو اور جو عورت کے جسم پر ہو، دونوں میں آسمان وزمین کا فرق ہے، عورت کے جسم پر رہنے والا نقاب پرکشش ہوجاتا ہے، جبکہ وہی اس کے بدن سے الگ ہوکر اپنی کشش کھودیتا ہے، لہذا میرے نزدیک راجح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی تفسیر ہے، کیونکہ (۱) یہاں حجاب کا ذکر ہے، نہ کہ ستر کا، (۲) نیز ظاہر ہونے کا تذکرہ ہے، نہ ظاہر کرنے کا، (۳) اس حکم کے بعد اللہ تعالی نے شوہر،

Marfat.com

باپ، شوہروں کے باپ، اپنے بیٹے، شوہروں کے بیٹے، بھائی، بھائیوں کے بیٹے، بہنوں کے بیٹے، اپنے میل جول کی عورتوں، اپنے مملوک، بے شہوت مرد اور بے شہوت بچوں کے سامنے جس بناؤ سنگھار کے ظاہر کرنے کی اجازت دی ہے، اس سے چہرہ اور اس کی زیب وزینت ہی مراد ہے، تو اس حلقے سے باہر لوگوں کے لئے چہرہ اور اس کی زینت کے اظہار کی آزادی کیسے ہو سکتی ہے؟ جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ان کی بہن حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ رسول اللہ ﷺ کے سامنے آئیں اور وہ باریک کپڑے پہنے ہوئے تھیں، تو آپ ﷺ نے فوراً رخ پھیر لیا اور فرمایا: "**یا أسماء! إن المرأة إذا بلغت المحیض لم یصلح لھا أن یری منھا، إلا ھذا وھذا، وأشار إلی وجھه وکفیه**" (سنن ابی داؤد حدیث نمبر: ۴۱۰۶، سنن کبری للبیہقی حدیث نمبر: ۳۳۴۳، اور حسن لغیرہ درجہ کی حدیث ہے) (اے اسماء! جب عورت بالغ ہو جائے تو درست نہیں ہے کہ چہرہ اور ہتھیلی کے سوا اس کے بدن کا کوئی حصہ نظر آئے) تو یہ ضرورت پر محمول ہے یا جبکہ غیر محرم رشتہ داروں کے سامنے کسی وجہ سے آنا پڑے تو اس پر محمول ہے۔

بہر حال جمہور کے نزدیک چہرہ اور ہتھیلی کا کھولنا مباح ہے، بشرطیکہ (۱) عام اور معمولی زینت کے ساتھ ہو، اور حد درجہ کی غیر معمولی آرائش سے اجتناب کیا گیا ہو اور (۲) یہ کھولنا فتنہ اور شہوت انگیزی کا سبب نہ ہو، ورنہ حرام کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے ان کا کھولنا درست نہ ہوگا۔

اسی طرح عام زینت کی حالت میں بھی اگر فتنہ کا اندیشہ ہو، خواہ اخلاقی گراوٹ کی وجہ سے یا دیگر اسباب کی بنا پر تو چہرہ کھولنا درست نہ ہوگا، "الدر المختار" میں ہے: "**وتمنع المرأة الشابة من کشف الوجه بین رجال، لا لأنه عورة، بل لخوف الفتنة**" (الدر المختار ۱/۴۰۶) (اور جوان عورت کو مردوں کے درمیان چہرہ کھولنے سے روکا جائے گا، اس وجہ سے نہیں کہ وہ ستر ہے بلکہ فتنہ کے اندیشہ کی وجہ سے)۔

علامہ شامی تحریر کرتے ہیں: "**أی الفجور بھا**"، **والمعنی: تمنع من الکشف لخوف أن یری الرجال وجھھا فتقع الفتنة؛ لأنه مع الکشف قد یقع النظر إلیھا**

Marfat.com

بشھوۃ" (ردالمحتار ۱/۴۰۶) (فتنہ کے اندیشہ سے مراد اس کے ساتھ برائی کا اندیشہ ہے، اور مفہوم یہ ہے کہ جوان عورت کو چہرہ کھولنے سے روکا جائے گا، اس خوف سے کہ مرد اس کے چہرہ کو دیکھیں تو فتنہ رونما ہو، کیونکہ چہرہ کھولنے کی صورت میں اس کی طرف شہوت کے ساتھ نظر پڑسکتی ہے)۔

مالکیہ کے مشہور مسلک کے مطابق اگر معاشرہ کے فساد کی وجہ سے فتنہ کا اندیشہ ہو تو بھی چہرہ کھولنا درست نہیں ہے، جبکہ "فصل زروق بین الجمیلة فیجب، وغیر الجمیلة فیستحب لها الستر" (دردیر مالکی الشرح الکبیر ۱/۱۰۵) (زروق مالکی نے تفریق کی ہے حسین عورت کے درمیان، چنانچہ اس پر اپنے چہرہ اور ہاتھ کا چھپانا واجب ہے، اور بدصورت عورت کے درمیان تو اس کے لئے چھپانا مستحب ہے)۔

اور معاشرہ کے فساد کا علم اخلاق اور دینداری وغیرہ میں گراوٹ سے ہوسکتا ہے۔

اور اگر عورت کی طرف سے فتنہ کا اندیشہ ہو تو پھر اس پر چہرہ اور ہاتھ کا چھپانا واجب ہے، "واعلم أنه إن خشي من المرأة الفتنة یجب علیها ستر الوجه والکفین" (ابوعبداللہ محمد بن محمد بن عبدالرحمن المعروف بالحطاب (۹۵۴ھ) مواہب الجلیل شرح مختصر خلیل ۱/۴۹۹، ط: مطبعۃ السعادۃ بمصر، الطبعۃ الاولی ۱۳۲۸ھ)۔

اسی طرح جمہور، یعنی اوزاعی، شافعیہ، حنابلہ وغیرہم کے نزدیک عورت کے لئے دونوں پیر کو اجنبیوں کے سامنے ظاہر کرنا جائز نہیں ہے، ہاں حاجت کی بنا پر کھول سکتی ہے، جیسے زمین میں کام کرنے والی دیہاتی عورت جو ننگے پیر چل رہی ہو، یا جس کے پاس پیر میں پہننے کے لئے جوتے چپل نہ ہوں (المبسوط ۱۰/۱۵۳، الام ۱/۸۹، المغنی ۱/۶۰۱-۶۰۲)۔

جبکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک دونوں پیر ستر میں داخل نہیں، یہ حسن کی امام ابوحنیفہ سے ایک روایت ہے، جبکہ ظاہر الروایہ میں ستر میں داخل ہیں، لیکن فتوی امام صاحب کے قول پر ہے، "أن القدمین لیستا عورة علی القول المعتمد في المذهب" (الدر المختار ۱/۴۰۵) (مذہب حنفی میں معتمد قول کے مطابق دونوں پیر ستر نہیں)۔

Marfat.com

جبکہ مالکیہ کے نزدیک ایک قول یہ ہے کہ قدمین ستر ہیں، جبکہ راجح قول یہ ہے کہ قدمین ستر نہیں، کیونکہ چلنے کے وقت ظاہر ہوتے ہیں، اور ان کے چھپانے میں مشقت ہے (مواہب الجلیل ۱/۴۹۹، ابوعبداللہ محمد بن یوسف الشہیر بالمواق المالکی (۸۹۷ھ) التاج والاکلیل لشرح مختصر خلیل بہامش مواہب الجلیل ۱/۴۹۹، ط: مطبعۃ السعادۃ بمصر ۱۳۲۸ھ)۔

بہرحال اگر مشترک خاندان اختیار کیا گیا جس میں قریبی رشتہ داروں کا ایک دوسرے سے آمنا سامنا ہوتا رہتا ہے، تو ایسی صورت میں عورت حاجت کی بنا پر چہرہ کھول سکتی ہے، جبکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو ورنہ مکمل پردہ لازم ہے۔

اور آیت حجاب: "یا أیھا النبی قل لأزواجک وبناتک ونساء المؤمنین یدنین علیھن من جلابیبھن ذلک أدنی أن یعرفن فلا یؤذین" (الاحزاب: ۵۹) (اے نبی! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں کو ہدایت کر دیجئے کہ وہ اپنے اوپر اپنی بڑی چادروں کے گھونگھٹ لٹکا لیا کریں، یہ اس بات کے قرین ہے کہ وہ پہچان لی جائیں اور نہ ستائی جائیں)۔

گھر سے باہر منہ کھولے نہ پھرنے یا فتنہ کی حالت پر محمول ہے، آلوسی تحریر کرتے ہیں:

"وأخرج عبد الرزاق وجماعة عن أم سلمة قالت: لما نزلت ھذا الآیة: "یدنین علیھن من جلابیبھن" خرج نساء الأنصار، کأن علی رؤوسھن الغربان من السکینة وعلیھن أکسیة سود یلبسنھا" (روح المعانی ۱۱/۲۶۴، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۵ھ) (عبدالرزاق اور ایک جماعت نے روایت کی ہے کہ حضرت ام سلمہ نے فرمایا جب یہ آیت: اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں، نازل ہوئی تو انصار کی عورتیں اس حالت میں نکلیں کہ گویا ان کے سروں پر سکینت کی وجہ سے کوے بیٹھے ہوں اور ان کے اوپر سیاہ چادریں تھیں جنہیں وہ اوڑھ رہی تھیں)۔

"وعن ابن عباس: أمر اللہ نساء المؤمنین إذا خرجن من بیوتھن فی

Marfat.com

حاجة أن يغطين وجوههن من فوق رؤوسهن بالجلابيب، ويبدين عيناً واحدة" (تفسیر ابن کثیر ۳/ ۱۸۸۹) (حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالی نے مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دیا ہے کہ جب وہ کسی حاجت کے سلسلہ میں اپنے گھروں سے باہر نکلیں تو اپنے سروں کے اوپر سے اپنے چہرہ ڈھانپ لیں اور ایک آنکھ ظاہر کریں)۔

اور آلوسی تحریر کرتے ہیں: "يرخين عليهن، يقال: إذا زل الثوب عن وجه المرأة أدني ثوبك علي وجهك" (روح المعانی ۱۱/ ۲۶۴) (اپنی چادر اوڑھ کر اوپر سے گھونگھٹ ڈال لیا کریں، کہا جاتا ہے کہ جبکہ کپڑا عورت کے چہرہ سے ہٹ جائے تو اپنا کپڑا اپنے چہرہ پر ڈال لے)۔

خلاصہ بحث:

۱- آدمی کا اصل خاندان وہ ہے جو اس کی بیوی اور بال بچوں پر مشتمل ہو، بھائی بہنوں پر مشتمل خاندان اس کے باپ کا خاندان ہے، نہ کہ اس کا۔

۲- اسلام کی نگاہ میں جداگانہ زندگی بسر کرنے کا طریقہ زیادہ بہتر ہے۔

۳- جداگانہ خاندانی نظام کے باوجود خدمت کے محتاج ماں باپ اور خاندان کے بزرگ حضرات اور یتیم بچوں کے تنہا پڑنے کا خدشہ غلط ہے، اس لئے کہ حسب مراتب خاندان کے مالدار افراد پر ان کا نفقہ واجب ہے۔

۴- مشترکہ خاندان کے افراد پر ان کے بچوں کی تعداد کے لحاظ سے اخراجات عائد کرنا عدل سے قریب ہے، مگر یہ کہ وہ آپس میں تسامح سے کام لیں تو ایسا کرنے کا ان کو حق ہے۔

۵- اگر گھر کے اخراجات کی رقم کا والد کو ہبہ کرکے مالک بنا دیا گیا، تو اخراجات سے بچی ہوئی رقم سے خرید کردہ سامان والد کا ہے، اور ان کے مرنے کے بعد سبھوں کا حصہ برابر ہوگا۔

۶- بھائی اپنی آمدنی کا خود مالک ہے۔

۷- ہر ایک بھائی اپنی آمدنی کا خود مالک ہے، گھر کے کام دیکھنے والے بھائی کی تنخواہ

Marfat.com

مقرر کردینی چاہئے، البتہ باپ کی متروکہ جائداد کو ہی سب مل کر بڑھا رہے ہوں، تو اس صورت میں آمدنی سب کے درمیان یکساں تقسیم ہوگی۔

۸- والدین کی کفالت اور خدمت بیٹا اور بیٹی دونوں پر واجب ہے۔

۹- بہو پر شوہر کے والدین کی خدمت واجب نہیں۔

۱۰- گھریلو کام میں بہو کا ساس کا ہاتھ بٹانا واجب نہیں ہے، لیکن عرف وعادت کے مطابق اگر وہ تعاون کرے تو زیادہ بہتر ہے۔

۱۱- بوڑھے اور محتاج ماں باپ کی خدمت کے لئے اولاد پر خادم فراہم کرنا ضروری ہے، اور اگر استطاعت نہ ہو تو اپنے پاس رکھ کر ان کی خدمت اور دیکھ بھال لازم ہے۔

۱۲- مشترک خاندان کے قریبی رشتہ داروں کے سامنے بقدر حاجت عورت چہرہ کھول کر رہ سکتی ہے، بشرطیکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، جو گھر کے حالات، معاشرہ کی روش دینداری اور اخلاقی گراوٹ کی عام حالت سے معلوم ہو سکتی ہے۔

Marfat.com

مشترکہ اور جداگانہ خاندانی نظام شریعت کی روشنی میں

مولانا محمد ارشد فاروقی ☆

تمہید:

مشترکہ اور جداگانہ خاندانی نظام کو اگر اقدار اسلامی اور سیکولرائزیشن کے تناظر میں دیکھا جائے تو ایک کشمکش کی تصویر سامنے آتی ہے۔

اسلام خلق خدا کو اللہ کا ایک کنبہ (الخلق عيال الله) انسانوں کو یکساں حقوق دینے والا، پڑوسی مسلم ہو کہ غیر مسلم اسے بھوکا چھوڑ دینے پر تنبیہ کرنے والا، دنیا کے مسلمانوں کو ایک "امۃ" کا نام دینے والا، بنیان مرصوص سے تشبیہ دینے والا، ماں باپ، قرابت والوں، یتیموں، فقیروں، قریب ہمسایہ، اجنبی ہمسایہ، پاس بیٹھنے والے اور مسافر کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دینے والا ہے۔

ان اسلامی اقدار کے اعتبار سے پوری دنیا ایک بڑے مشترک گھرانے کا نام ہے ایک مشترکہ خاندان ہے ایک جسم ہے کہ ایک عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو پورا جسم کراہ اٹھتا ہے۔

دوسری طرف سیکولرائزیشن براہ شہری آبادکاری یا تعمیراتی نظام ہے اس نظریہ کے تحت گاؤں اجاڑے اور شہر آباد کئے جارہے اور رہنے کے لئے پیوست کالونیاں تعمیر ہو رہی ہیں اور ان میں LIG اور MIG کوارٹرز تعمیر کئے جارہے ہیں، اب ٹاوروں کی تعمیر بھی عام ہوتی جارہی ہے

☆ معہد امام انور شاہ، دیوبند، سہارنپور۔

Marfat.com

اور عالمی دور کا یہ بھی حصہ بن چکا ہے کہ کس ملک میں کتنا بلند ٹاور ہے "یتطاولون فی البنیان" کا مظاہرہ ہے۔

پیچیدہ سازش:

غور کیا جائے تو سیکولرائزیشن کے منصوبے کے تحت یہ ایک بڑی پیچیدہ سازش ہے، اس عمل کے ذریعہ عالمی اجتماعیت کو توڑ کر انسان کو فرد کی سطح تک لاکر تنہا کر دیا جاتا ہے، چنانچہ سیکولرائزیشن اس کا متقاضی ہے کہ انسان خلافت، قومی حکومت، علاقائی اتحاد، حتی کہ گھرانہ پھر خاندان کو تباہ کر دے، ہو سکے تو زوجین مزید نیچے آکر پھر مرد اور عورت تک سطح تک کی تنہا ہو جائیں۔

چنانچہ سیکولرائزیشن کا تعمیراتی عمل ایسی رہائشی صورت حال پیدا کرتا ہے جس سے خاندان ٹوٹ جائیں۔ گھرانے کے بندھن اور معاشرتی بندھن کمزور پڑ جائیں، حتی کہ زوجین اور چھوٹے بچے ہی یکجا رہ جائیں، اگر ہو سکے تو وہ بھی ٹوٹ جائیں، تاکہ صرف ایک فرد پر گھر متصور ہو۔ چنانچہ موجودہ عہد میں ان تمام امور کا لحاظ رکھا جاتا ہے، اسکائی اسکریپر اور میگا سیٹی پلاننگ اس کی آخری شکلیں ہیں (عالم اسلام کی اخلاقی صورت حال)۔

فرد و خاندان کے متعلق اسلام کی ہدایات کے تقاضوں سے سیکولرائزیشن کا عمل نہ یہ کہ صرف ہم آہنگ نہیں ہے، بلکہ متصادم ہے۔

جوابات:

اس تمہیدی تحریر میں فرد و خاندان اور ایک دوسرے کے حقوق اور اسلامی اقدار پر مبنی خاندان کی تشکیل کی صورت حال اور سیکولرائزیشن کے عمل کے نتیجے میں جو کشمکش پائی جاتی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام فرد و خاندان کے لئے کونسا طریقۂ رہائش پسند کرتا ہے۔

۱- اسلام کی نظر میں مشترکہ خاندانی نظام بہتر ہے یا جداگانہ زندگی بسر کرنے کا طریقہ؟

☆ اس سوال کا جواب دوٹوک انداز میں نہیں دیا جاسکتا، بلکہ افراد علاقے وسائل

Marfat.com

وحالات کے اعتبار سے حکم لگے گا۔ اور یہ بات قدر مشترک رہے گی کہ اسلام نے جوان معاملات میں اشخاص کے حقوق بیان کئے ہیں ان کا احترام باقی رہے۔

بطور مثال اگر ہندوستان کے مسلمانوں کی رہائشی صورت حال کا جائزہ سامنے رکھا جائے تو ستر فیصد سے زیادہ لوگ جداگانہ خاندانی نظام پر قدرت ہی نہیں رکھتے، تو اب ان کے لئے اور ان کی بیگمات کے سکن یا سکنی ایسا کہ وہ مقفل کر سکیں کا نظم کیسے ہو، جبکہ ممبئی کے ایک چہار در چہار (دس بائی دس) کمرے میں والدین، بہو بیٹا، بیٹی داماد تین خاندان ننھے بچوں کے ساتھ آباد عام طور پر دیکھے جاتے ہیں دو منزلہ بیڈ گراؤنڈ فلور کے ساتھ ان کے لئے عمر بتانے کے لئے کافی ہے، بلکہ ہندوستان کے جن مدارس میں حسن انتظام کا مظاہرہ کیا گیا ہے اور اساتذہ کے لئے رہائشی مکانات تعمیر کرائے گئے یا مہیا کئے گئے وہ روسی فیکٹریوں سے ملحق کالونیوں سے زیادہ مختلف نہیں، ان ذمہ داروں کی بات الگ ہے جن کے لئے فتوحات کا دروازہ کھل چکا ہے یا کھول لیا گیا ہے۔

ہندوستان میں زمیندارانہ نظام رائج رہا ہے اور اس کے اثرات ہنوز پائے جاتے ہیں، ان میں مشترکہ خاندانی نظام کو اہمیت حاصل رہی ہے۔ جداگانہ نظام کو معیوب تصور کیا جاتا ہے۔

اس لئے اسلام میں اصل مطلوب ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی ہے، چاہے وہ مشترکہ خاندانی نظام میں پوری ہوتی ہو یا جداگانہ نظام میں، فی نفسہ جداگانہ نظام یا مشترکہ نظام نہ محمود ہے اور نہ مذموم، بلکہ اس کی قباحت لغیرہ ہے اور اس کا حسن بھی لغیرہ فقہاء کی اصطلاح کے مطابق کہلائے گا۔

ایک بڑی حویلی ہو، مشترکہ خاندانی نظام ہو، لیکن والدین کے حقوق عقوق ونافرمانی میں تبدیل ہو جائیں تو یہ مذموم ہوگا۔

والدین ایک فلیٹ میں بیٹا بہو دوسرے فلیٹ میں رہائش پذیر ہوں اور والدین کے حقوق ادا کر رہے ہوں تو یہ انفرادی وجداگانہ نظام قابل ستائش ہوگا، لیکن اگر والدین کمزور

Marfat.com

وناتواں ہیں تو پھران کے ساتھ رہنا ضروری ہوگا اور والدین کوضعف وبڑھاپے کے عالم میں بوڑھوں کے گھر کے حوالہ کردینا ناجائز ہوگا۔

اس لئے خلاصہ یہ کہ مشترکہ خاندانی نظام کو اپنایا جائے یا جداگانہ خاندانی نظام کو اختیار کیا جائے اس میں فی نفسہ کوئی حرج اس وقت نہیں ہے جب حقوق ضائع نہ ہوتے ہوں، شرعی حد بندیاں نہ ٹوٹتی ہوں۔

قرآن کریم نے بیوی کی رہائش کی ذمہ داری شوہر پر ڈالی ہے: ”واسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم“ (سورہ الطلاق:٦)، اس آیت کے ذیل میں علامہ کاسانی لکھتے ہیں: ”ولو أراد الزوج أن یسکنها مع ضرتها أو مع أحمائها، کأم الزوج واخته وبنته من غیرها وأقاربه فأبت ذلک، علیه أن یسکنها فی منزل مفرد؛ لأنهن ربما یؤذینها ویضرون بها فی المساکنة، وإباؤها دلیل الأذی والضرر، ولأنه یحتاج إلی أن یجامعها ویعاشرها فی أی وقت یتفق، ولا یمکنه ذلک إذا کان معهما ثالث، حتی لو کان فی الدار بیوت ففرغ لها بیتا وجعل لبیتها غلقا علی حدة، قالوا: إنها لیس لها أن تطالبه ببیت آخر“ (بدائع الصنائع للکاسانی ۳/ ۴۲۸)۔

(اگر شوہر بیوی کی رہائش کا نظم سوکن یا اس کی سسرالی رشتہ داروں، ساس نند سوتیلی بیٹی وغیرہ کے ساتھ کرنا چاہے اور بیوی اسے قبول نہ کرے تو شوہر کے لئے ضروری ہے کہ وہ علیحدہ مکان کا انتظام کرے، کیونکہ اسے ان سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے، دوسرے شوہر کا جب موڈ ہو وہ سامان تسکین مہیا کرسکتا ہے اور خوشگوار آزادانہ بے محابا مل جل سکتا ہے، جبکہ تیسرے کی موجودگی کانٹا بن کر چبھے گی)۔

ہاں اگر مکان میں کئی کمرے ہوں اور ایک کمرہ تالے کنجی کے ساتھ بیوی کی تحویل میں دے دے تو فقہاء کی رائے ہے کہ اب مستقل مکان کا مطالبہ اس کے لئے جائز نہیں۔

علامہ کاسانی کی یہ تحریر جہاں بیوی کے لئے حق رہائش کے وجوب پر دلالت کرتی ہے

Marfat.com

وہیں مشترکہ وانفرادی نظام خاندان کے جواز کی طرف بھی رہنمائی کرتی ہے اور یہ بھی وضاحت کرتی ہے کہ شوہر کی مالی حیثیت ووسعت کا بھی خیال رکھا جائے گا۔ اور یہ بھی بتاتی ہے کہ بیوی شوہر کے رشتہ داروں کے ساتھ رہنا چاہے تو یہ درست ہے، لیکن اگر وہ ان کے ساتھ رہنے پر آمادہ نہ ہو تو مستقل رہائش کا نظم کرنا شوہر کی ذمہ داری ہے۔

خلاصہ یہ کہ اسلامی معاشرت کی روح کو باقی رکھتے ہوئے اور سیکولرائزیشن کے نقصانات سے بچتے ہوئے جداگانہ اور مشترکہ خاندانی دونوں نظام مباح ہے۔

۲- اخراجات کی برابری کا مسئلہ:

☆ عام طور پر مشترکہ خاندان کے افراد کسی ایک فرد کو ذمہ دار بنا کر اس کے حوالے اخراجات کر دیتے ہیں اور اس کے ہاتھ میں رقم حسب وسعت بھیجتے رہتے ہیں اور یہ طریقہ بقائے باہم وقرابت رائج ہے، اس میں تسامح اور توسع ہر فرد کے مدنظر ہے اور تبرع واحسان کی بنیاد پر خاندان کی گاڑی منزل کی طرف رواں رہتی ہے، شرعی اصول بہ نظر استحسان اس طرز کو دیکھتے ہیں۔

لیکن اگر بات تبرع واحسان اور تسامح وتوسع کی نہ ہو، بلکہ افراد خاندان خالص تاجرانہ یا حسابانہ ذہنیت رکھتے ہوں تو ان کے لئے شریعت کا حساب بھی بالکل صاف ہے کہ وہ تمام افراد کے اخراجات کو تقسیم کریں اور فی کس کے حساب سے ہر شخص مصارف دے جس کے افراد زیادہ ہوں گے یا اولاد زیادہ ہوں گی وہ اسی حساب سے خرچ دے گا۔

۳- اسی صورت میں اگر مختلف بھائیوں نے مل کر اپنے والد یا کسی بھائی کے پاس آمدنی جمع کی اور گھر کے اخراجات سے بچی ہوئی رقم سے کوئی چیز خریدی گئی تو اس میں سب کا حصہ برابر ہوگا یا ہر ایک کی آمدنی کے لحاظ سے ہوگا؟

☆ اگر یہ مشترکہ خاندان ایک فرد کے پاس رقم جمع کرتا ہے اور جمع وصرف تبرع وتسامح پر مبنی ہے تو خریدی ہوئی چیز کے سب برابر کے حصہ دار ہوں گے۔

اور اگر جمع وصرف کی بنیاد حساب پر ہے تو اسی حساب سے اس خریدی ہوئی چیز میں ہر کا

Marfat.com

حصہ ہوگا۔

۴- اگر تین بھائی ہیں، دو بھائی اپنی پوری تنخواہ، مثلاً دس ہزار روپے گھر میں دے دیتے ہیں اور تیسرا بھائی بیس ہزار روپے کماتا ہے وہ بھی دس ہزار روپے گھر میں دیتا ہے اور دس ہزار الگ بچا کر رکھتا ہے تو وہ بچی ہوئی رقم صرف اس کی ملکیت ہوگی یا تمام بھائیوں کی؟

☆ "وأن ليس للإنسان إلا ما سعى" (سورہ نجم:۳۹)، "ولكل امرئ منهم ما اكتسب" (سورہ نور:۱۱) اور اس جیسی نصوص کا تقاضا ہے کہ بیس ہزار روپے کمانے والے بھائی نے جو رقم جمع کی ہے وہ اس کی ملکیت ہے اس میں دیگر دونوں بھائیوں کا حصہ بقرہ میں لگے گا۔

۴- بچی ہوئی رقم سے خرید کردہ اشیاء کی ملکیت کا مسئلہ:

☆ اس کی کئی صورتیں ہیں:

۱- ایک صورت یہ ہے کہ باپ کی موجودگی میں اس کے لڑکے اس کے ساتھ کاروبار کرتے ہیں اور باپ ہی کے ساتھ ان کا کھانا پینا اور رہنا سہنا ہے تو اس صورت میں تمام آمدنی باپ کی ملکیت شمار ہوگی۔

"ردالمحتار" میں ہے: "الأب وابنه يكتسبان في صنعة ولم يكن لهما شيئ فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله لكونه معينا له، ألا ترى لو غرس شجرة تكون للأب" (کتاب الشرکہ ۳۲۵/۴)۔

(باپ بیٹے کمائی کر رہے ہوں اور ان کا علیحدہ سے کچھ نہیں ہے) تو پوری کمائی باپ کی ملکیت ہے بشرطیکہ بیٹا باپ کی کفالت میں ہو اور اسے باپ کا معاون تسلیم کیا جائے گا۔ جیسے اگر بیٹا پودا لگائے (باپ کی زمین میں) تو درخت کا مالک باپ ہوگا)۔

۲- دوسری صورت یہ ہے کہ دو بھائی یہ طے کر لیتے ہیں ایک سال ایک باہر جاکر سامان تجارت فروخت کرے گا دوسرا گھر پر رہے گا، دوسرے سال دوسرا باہر جائے پہلا گھر رہے اور منافع طے ہو جائیں وہ بھی نصف ثلث کے طور پر چاہے باہر رہنے والا اپنے لئے منافع زیادہ

Marfat.com

طے کرے جائز ہے اور یہ شرکت کی درست صورت ہے: "واشتراط الربح متفاوتا عندنا صحیح" (درمختار ۳؍۵۲۰)۔

۳- تیسری صورت جس کے بارے میں سوال کیا گیا ہے وہ ہے۔

اس صورت کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم یہ کہ گھر پر رہ کر کام کرنے والے جو کام باہر رہنے والوں کا کرتے ہیں اس کا باضابطہ معاوضہ طے کرلیں۔ اس صورت میں ان کو ان کے عمل کی اجرت مل جاتی ہے، اس لئے باہر رہنے والوں کی آمدنی میں ان کا سوائے اجرت کے کوئی حصہ نہ ہوگا۔

دوسری قسم یہ ہے کہ کسی معاہدے کے بغیر کچھ لوگ گھر کے کام کاج دیکھتے ہیں اور کچھ لوگ باہر رہ کر کماتے ہیں اور سب بال بچے ایک ساتھ رہتے ہیں۔

اس صورت میں گھر رہنے والے لوگوں کے اخراجات باہر رہنے والوں کی آمدنی سے پورے ہوتے ہیں اور باہر رہنے والوں کی ضروریات کی تکمیل گھر رہنے والوں کے ذریعہ ہوتی ہے۔

گویا یہ ایک طے کئے بغیر عملی معاہدہ ہے جس کی بنیاد تعلقات وصلہ رحمی پر ہے، اس طرح گزر بسر درست ہے، البتہ گھر رہنے والوں کا باہر رہنے والوں کی آمدنی میں الگ سے کوئی حصہ نہیں ہوگا، کیونکہ وہ ان کی محنت کی کمائی ہے وہ اس کے مالک ہیں۔

لیکن باہر رہنے والوں کے لئے مناسب ہوگا کہ وہ گھر رہنے والوں کے معاشی مسائل کا حل نکالتے رہیں۔

۶- ساس اور سسر کے تئیں بہو کی ذمہ داری:

☆ انسان کی فطرت کا تقاضا ہے کہ والدین کی خدمت کو سعادت سمجھے، خالق فطرت کا حکم عالی مرتبت ہے: "وبالوالدین إحسانا" (سورہ اسراء: ۲۳) (اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو)۔ فرمان رسالت ہے: "رضی الرب فی رضی الوالد وسخط الرب فی سخط الوالد" (الحدیث)۔

Marfat.com

ظاہر ہے قرآن کا خطاب بیٹوں اور بیٹیوں دونوں کو شامل ہے جس طرح بیٹوں پر والدین کی کفالت وخدمت واجب ہے اسی طرح بیٹیوں پر بھی واجب ہے۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں: "ولو كان له ابنان فنفقته عليهما على السواء، وكذا إذا كان له ابن وبنت ولا يفضل الذكر على الأنثى في الفقة لاستوائهما في سبب الوجوب وهو الولاد، ولو كان له بنت وأخت فالنفقة على البنت، لأن الولاد لها" (بدائع الصنائع ۴۴۳/۳)۔

(اگر کسی شخص کے دو بیٹے ہوں تو ان دونوں کے ذمہ یکساں طور پر اس کا (باپ) نفقہ واجب ہے۔ اسی طرح جب ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہو (بیٹے بیٹی دونوں پر نفقہ یکساں طور پر واجب ہے) اور نفقہ کے باب میں مرد کا حصہ عورت کے مقابلہ میں دوگنا نہ ہوگا چونکہ نفقہ کے وجوب کا جو سبب اولاد ہونا ہے وہ دونوں میں یکساں طور پر پایا جاتا ہے)۔

اور اگر اس کی بیٹی بھی ہو اور بہن بھی تو نفقہ بیٹی کے ذمہ ہوگا کہ سبب وجوب اسی میں پایا جاتا ہے۔ "ہدایہ" میں ہے: "فكان أولى باستحقاق نفقتهما عليه، وهي على الذكور والإناث بالسوية في ظاهر الرواية، وهو الصحيح" (۴۵۱/۲)۔

☆ بیٹے اور بیٹی دونوں کی ذمہ داری ہے کہ والدین کی خدمت اور حسب ضرورت کفالت کریں اور یہ ان کی خوش نصیبی کا ذریعہ اللہ کی خوشنودی کے حصول باعث ہے۔

سوال میں اس بابت "بہو" کی ذمہ داری کے متعلق استفسار کیا گیا ہے اس سلسلہ کی اصولی بات یہ ہے کہ بیوی کے لئے شوہر کی فرماں برداری ضروری ہے اور زندگی کی خوشی کا راز اسی میں مضمر ہے، اس لئے جب ضرورت کے مواقع پر شوہر بیوی سے اپنے والدین میں سے کسی کی خدمت کے لئے کہے تو اس کی تعمیل بہو کی ذمہ داری ہوگی، جسے وجوب سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ فقہاء کی یہ عبارت کہ شوہر کی اطاعت بیوی پر ان امور ہی میں واجب ہے جن کا التزام اس کے لئے ضروری ہے۔ قانون کی ایک شق کی وضاحت کرتی ہے۔

Marfat.com

☆ جب بوڑھی ساس بیمار ضرورت مند خدمت وتعاون کی مستحق ہو تو بہو کی دینی ذمہ داری ہے کہ وہ خدمت کرے، مدد کرے۔ "من لم یوقر کبیرنا فلیس منا" (الحدیث)، "ما کان العبد فی عون أخیه کان الله فی عونه، من نفس کربة من کرب الدنیا الخ" (الحدیث) کے پیش نظر بہو کا یہ انسانی واجبی حق ہے۔

یقیناً زوجین کے حقوق کے باب میں فقہاء نے قانونی گفتگو دفعہ وار کی ہے اور خالص قانونی مسئلہ کا لب ولہجہ کبھی خشک و بے لچک بھی ہو جاتا ہے، لیکن شریعت کا پورا نظام اور اخلاقی اقدار کا ڈھانچہ خوشگوار لچک دار طرز حیات عطا کرتا ہے۔

لطیفہ:

مولانا تھانویؒ نے جب کسی وعظ میں فرمایا "کہ عورتوں کے ذمہ بچوں کو دودھ پلانا نہیں ہے، تو مردوں کو دقت کا سامنا کرنا پڑا، تب دوسرے وعظ میں فرمایا کہ عورتوں کے علاج کی ذمہ داری شوہر پر نہیں ہے، تب ماحول میں اعتدال پیدا ہوا۔

۷- غیر محرم سے پردے کے احکام:

☆ اسلام نے مرد وعورت کے مابین نقطۂ اعتدال قائم رکھنے کے لئے پردے وستر کا حکم دیا ہے اور انسدادی تدابیر کے طور پر لباس اور ستر کے احکام، استیذان، تخلیہ ولمس کی ممانعت، محرموں اور غیر محرموں کے درمیان فرق، غض بصر، اظہار زینت کی ممانعت اور اس کے حدود، چہرہ کا حکم حاجات کے لئے گھر سے نکلنے کی اجازت کے احکام بیان کیا ہے۔

خاص طور پر "اظہار زینت" کا جو مفہوم "إلا ماظهر منها" (سورہ نور: ۳۱) سے مترشح ہوتا ہے اس کی تعیین میں مفسرین کے دو قول واضح طور پر سامنے آتے ہیں، ایک یہ کہ عورت کے پردے میں چہرہ بھی شامل ہے، دوسرا یہ کہ چہرہ کا پردے میں شمار نہیں۔

یہ ضرور ہے کہ مفسرین وفقہاء کے ارشادات کے تتبع سے چہرے کی شمولیت کا قول

Marfat.com

راجح قابل عمل وتقلید ہے، لیکن مجتہد فیہ مسئلہ کی اصولی حیثیت پر بھی نگاہ رہنی چاہئے کہ اختلاف رائے وسعت وگنجائش کی کلید لے کر رحمت کے دروازے کھولتا ہے۔

آج وہ مسلم ممالک جہاں کی خواتین پردے کی پابند ہیں ان میں انڈونیشا اور ملیشیا وغیرہ میں پردہ نام ہے اسکارف کا کہ سر ڈھکا رہتا ہے چہرہ اور گٹوں سمیت ہاتھ کھلے رہتے ہیں اس روش کو اگر غیر اسلامی قرار دیں تو مسلم خواتین کی بڑی جماعت کو جو اسلام کی تعلیمات کی پابند ہیں بے پردگی کے گناہ کا مرتکب مانیں جو شریعت کے مزاج سے میل نہیں کھاتا، اس لئے مفسرین وفقہاء کے دوسرے قول پر کاربند سمجھنا چاہئے۔

تخلیفہ سے گریز:

اس روشنی میں مشترک خاندان کی صورت حال کو دیکھا جائے:

۱۔مشترک خاندان میں رہنے والے اس بات کا ضرور لحاظ رکھیں کہ جو رشتہ کی بہن یا بھائی ہوں جن کے رشتے ایک دوسرے سے ہوسکتے ہیں وہ شریعت کی رو سے اجنبی اور اجنبیہ ہیں، اس لئے مکان کی تنگی اور اشتراک کے باوجود تنہائی میں جمع نہ ہوں اور خلوت گزینی سے گریز کریں۔

"عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه عن النبی ﷺ قال: لا یخلون رجل بامرأة إلا کان ثالثهما الشیطان" (الترمذی)۔

"لا یخلون رجل بامرأة الا ذو محرم" (صحیح البخاری)، **"لا تلجوا علی المغیبات، فإن الشیطان یجری من أحدکم مجری الدم"** (سنن ترمذی باب کراہیة الدخول علی المغیبات)۔

(شوہروں کی غیر موجودگی میں عورتوں کے پاس نہ جاؤ، کیونکہ شیطان تم میں سے کسی کے اندر خون کی طرح گردش کررہا ہے کوئی مرد کسی عورت (اجنبی) سے تخلیہ نہ کرے کہ وہاں تیسرا شیطان ضرور موجود ہوتا ہے)۔

Marfat.com

عن عقبة بن عامر أن رسول الله ﷺ قال: "إياكم والدخول على النساء، فقال رجل من الأنصار: يا رسول الله أفرأيت الحمو؟ قال: الحمو الموت" (بخاری ۲/۷۸۷)۔

(عقبہ ابن عامر سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا خبردار عورتوں کے پاس تنہائی میں نہ جاؤ۔ انصار میں سے کسی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول دیور اور جیٹھ کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ فرمایا وہ تو موت ہے)۔

۲۔لمس سے گریز: "قال النبی ﷺ من مس كف امرأة ليس منها بسبيل وضع على كفه جمرة يوم القيمة (تکملہ فتح القدیر)۔

(حضور ﷺ نے فرمایا: "جو شخص کسی ایسی عورت کا ہاتھ چھوئے گا جس کے ساتھ اس کا جائز تعلق نہ ہو اس کی ہتھیلی پر قیامت کے روز انگارہ رکھا جائے گا)۔

۳۔ہنسی مذاق بے تکلفی سے پوری احتیاط رکھیں۔

۴۔اسکارف کا استعمال ضرور کریں۔

سر و بال چھپائیں پھر چہرہ کھلا رہے تو اس صورت حال میں مفسرین کے اس قول پر کہ چہرہ پردے میں داخل نہیں ہے، عمل کی گنجائش ہے، اس لئے کہ ان مشترک خاندانوں کے لئے چہرہ سمیت پردہ کرنا دشوار ترین ہے اور سخت حرج ہے، خاص طور پر جب کئی خاندان ایک کمرے یا تنگ ترین مکان میں گزر بسر کر رہے ہوں۔ جس کی مثالیں ممبئی جیسے گنجان آبادی والے شہروں میں ملتی ہیں۔

اور ہمارے ملک کی مسلم آبادی کا بہت بڑا حصہ مشترک خاندانی نظام پر مشتمل ہے، اس لئے اگر ایک گھر میں رہنے والی عورتوں، لڑکیوں کو ہر خالہ زاد، ماموں زاد جیسوں سے ہر وقت چہرہ چھپانے، نقاب میں رہنے کا حکم حرج سے خالی نہیں اور نہ کرنے کی صورت میں ان کو گنہگار قرار دینا اور دائمی جرم کرتے رہنے کی بات کرنا قرین قیاس شرعی نہیں۔

Marfat.com

اس لئے اس باب میں فیصلہ لیتے وقت ان تمام پہلوؤں پر نگاہ ڈالنا ضروری ہے "وهو اللطيف الخبير"۔

قرآن نے شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی کا محتاط باحیا موسی علیہ السلام کے پاس اپنے والد کا پیغام لے کر آنا یوں نقل کیا ہے:"فجاءته إحداهما تمشي على استحياء" (القصص:۲۵) (پھر آئی اس کے پاس ان دونوں میں سے ایک چلتی تھی شرم سے) یہ ہے شریف اور پاکباز عورتوں کا قاعدہ۔ پردے کے بنیادی مقاصد میں عفت و پاکدامنی کی مثالی صفت کا حاصل کرنا ہے۔

Marfat.com

خاندانی نظام سے متعلق
عصری مسائل اور ان کا شرعی حل

مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی ☆

اسلام دین فطرت ہے جس نے زندگی کے تمام شعبے میں ہماری رہنمائی کی ہے، مسلمان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کس طرح گزارے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں واضح ہدایات موجود ہیں جب ہم انسان کے اجتماعی نظام میں مشترکہ اور جداگانہ خاندانی نظام پر غور کرتے ہیں تو قرآن واحادیث کے مطالعہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ معاشرتی زندگی کی شائستگی اور انضباط کے لئے ضروری ہے کہ خاندان کی یونٹ مختصر ہو اور ہر شادی شدہ کا مکان، گھریلو انتظامات اور مالی معاملات جدا جدا ہوں، جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

"یأیها الذین امنوا لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستأنسوا وتسلموا علی أهلها" (النور:۲۷)۔

(اے ایمان والو! تم اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں مت داخل ہو جب تک کہ اجازت حاصل نہ کرلو اور ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو)۔

"وإذا بلغ الأطفال منکم الحلم فلیستأذنوا کما استأذن الذین من قبلهم کذلک یبین الله لکم ایٰته والله علیم حکیم" (النور:۵۹)۔

☆ نائب مفتی امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ۔

Marfat.com

(اور جب تمہارے بچے بلوغیت کو پہنچ جائیں تو چاہئے کہ جس طرح ان سے بڑے اجازت لے کر داخل ہوا کرتے تھے اسی طرح وہ بھی اجازت لے کر داخل ہوں اس طرح اللہ تعالیٰ کھول کر احکام بیان کرتا ہے وہ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے)۔

مذکورہ بالا آیات سے جہاں ایک طرف دوسرے کے گھروں میں بلا اجازت داخلہ کی ممانعت ہے وہیں دوسری طرف بالغ اولاد کے علیحدہ گھر ہونے کا بھی اشارہ ملتا ہے۔

اسلام نے نہ صرف یہ کہ ہر شادی شدہ کے لئے الگ مکان کی بات کی ہے، بلکہ اگر کسی شخص کی چند بیویاں ہوں تو ہر ایک کے لئے علیحدہ مکان ہو، جیسا کہ خود حضور اقدس ﷺ کی تمام ازواج کے لئے الگ الگ مکانوں کا ذکر ملتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وقرن في بيوتكن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الأولى" (الاحزاب: ۳۳)۔

(تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم زمانۂ جاہلیت کے دستور کے مطابق مت پھرو)۔

اسی طرح دوسری آیت میں اللہ رب العزت نے ازواج مطہرات کی عبادت اور ذکر واذکار کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

"واذكرن ما يتلى في بيوتكن من آيات الله والحكمة" (الاحزاب: ۳۴)۔

اور تم ان آیات الٰہیہ کو اور اس علم کو یاد رکھو جس کا تمہارے گھروں میں چرچا ہے۔

مذکورہ بالا آیات میں "بیوتکن" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو جمع ہے۔ جس سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ ازواج مطہرات کے لئے الگ الگ مکان تھا۔ جس کی تائید احادیث سے بھی ہوتی ہے "بخاری شریف" کی حدیثوں میں اس کی صراحت موجود ہے۔

"بخاری شریف کتاب الجہاد باب ماجاء فی بیوت ازواج ﷺ" کا مطالعہ کیا جائے اس کی پوری تفصیل وہاں موجود ہے (الصحیح للبخاری ۱/ ۴۳۷)۔ نیز کتب فقہ میں یہ جزئیہ صراحۃً مذکور ہے کہ بیوی اپنی رہائش کے لئے الگ مکان کا مطالبہ کرسکتی ہے۔ "ہدایہ" میں ہے۔

Marfat.com

”وعلی الزوج أن یسکنها فی دار مفردة لیس فیها أحد من أهله إلا أن تختار“ (ہدایہ باب النفقۃ ۲/ ۴۴۴)۔

اسی طرح حضرت محمد ﷺ کا یہ عمل کہ جب اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا عقد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کردیا تو ان دونوں کے لئے ایک الگ مکان دیدیا۔ حالانکہ حضور ﷺ حضرت فاطمہؓ سے غیر معمولی تعلق تھا ان کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”عن المسور بن مخرمة أن رسول الله ﷺ قال: فاطمة بضعة منی فمن أغضبها فقد أغضبنی“ (الصحیح البخاری مناقب فاطمۃ ۱/ ۵۳۲)۔

(مسور بن مخرمہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جس نے اس کو ناراض کیا اس نے مجھ کو ناراض کیا)۔

دوسری جگہ آپ نے دنیا کے تمام لوگوں میں انہیں اپنے سے سب سے زیادہ محبوب وعزیز قرار دیا۔

”عن عائشة سئلت أی الناس کان أحب إلی رسول الله ﷺ قالت: فاطمة“ (السنن للترمذی باب ماجاء فی فضل فاطمۃ ۲/ ۲۲۶)۔ دوسری جانب جب ہم غور کرتے ہیں تو آپ ﷺ کے داماد حضرت علیؓ جو آپ کی پرورش ونگرانی میں تھے آپ کے چچازاد بھائی بھی تھے ان کے والد ابوطالب کا آپ پر بے پایاں احسان بھی تھا اور خود حضرت علی سے غیر معمولی تعلق تھ۔ روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں۔

”قال النبی ﷺ لعلی: أنت منی وأنا منک“ (الصحیح للبخاری مناقب علی بن ابی طالب ۱/ ۵۲۵)۔

لیکن حضرت فاطمہؓ وحضرت علیؓ سے ان چند در چند قربت وتعلق کے باوجود شادی کے بعد ان دونوں کا مکان الگ کردیا۔

Marfat.com

مذکورہ بالا آیات وروایات سے یہ بات واضح ہوکر سامنے آتی ہے کہ اسلام میں مشترکہ خاندانی نظام بہتر نہیں ہے۔ ایک مختصر سی یونٹ جس میں میاں بیوی غیر شادی شدہ اولاد اور حاجت وضرورت مند ماں باپ شامل ہوں، پر مشترکہ خاندانی نظام کے ساتھ زندگی بسر کرنا بہتر ہے۔ نیز پردہ کا بھی یہی تقاضا ہے، اس لئے کہ مشترکہ خاندنی نظام میں پردہ شرعی کی مکمل رعایت ناممکن نہیں تو مشکل ترین ضرور ہے۔ عورتوں کا پردہ کے مطلوبہ طرز معاشرت کا اہم ترین جزء ہے، قرآن نے اس کے احکام بڑی تفصیل سے بیان کئے ہیں ''سورۂ نور'' میں گھر کے پردہ کے احکام کی تفصیل کرتے ہوئے یہ بات کہی ہے کہ آدمی دوسرے کے گھر میں سلام واجازت کے بغیر داخل نہ ہو، اگر کوئی نہ ہو یا اجازت نہ ملے تو واپس آجائے ''یا أیها الذین آمنوا لا تدخلوا بیوتاً غیر بیوتکم حتی تستأنسوا وتسلموا علی أهلها ذلکم خیر لکم لعلکم تذکرون، فإن لم تجدوا فیها أحداً فلا تدخلوها حتی یؤذن لکم وإن قیل لکم ارجعوا فارجعوا هو أزکی لکم والله بما تعملون علیم'' (النور: ۲۷-۲۸)۔

سوال ۲ کا جواب:

اس سلسلہ میں کوئی صریح جزئیہ تو نہیں، ملا البتہ حالات وعرف کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اگر مشترک خاندانی نظام ہو اور افراد خاندان کی ضروریات کے لئے سب مل کر خرچ کریں تو ایسی صورت میں تمام افراد پر اخراجات برابر عائد ہونے چاہئیں، بچوں کی تعداد کے تناسب سے اخراجات لازم نہیں ہونی چاہئے، اس لئے کہ عرف اور سماج میں جب مشترک خاندان کے تحت آدمی زندگی بسر کرتا ہے تو ہر ایک کے ذہن ودماغ میں یہ بات ملحوظ رہتی ہے کہ اخراجات سب مل کر برابر ادا کریں گے کمی بیشی کا شائبہ بھی کسی کے دل میں پیدا نہیں ہوتا ہے، گویا عملاً اخراجات برابر ادا کرنے کی شرط ہوتی ہے اور اصول فقہ کے مسلمہ ضابطہ ''المعروف کالمشروط'' کے تحت یہ معاملہ ہے، لہٰذا ایسی صورت میں اگر کسی کی اولاد کم ہے اور وہ زیادہ خرچ دیتا ہے تو جتنا زائد وہ دے رہا ہے وہ اس کی جانب سے تبرع واحسان سمجھا جائے گا۔

Marfat.com

سوال ۳ کا جواب:

سوال میں جو صورت ذکر کی گئی ہے اس کی دو حالتیں ہیں (۱) لڑکے گارجین کے معاون ہیں (۲) معاون نہیں ہیں۔ دونوں کے احکام الگ الگ ہیں۔

پہلی صورت یعنی اگر خاندان مشترک ہو اور لڑکے سب مل کر کماتے ہیں کھانا پینا رہنا سہنا سب ایک ساتھ ہو لڑکے والد کی ماتحتی میں ہو اور کفالت میں ہوں تو لڑکوں کو والد کا معاون سمجھا جائے گا اور تمام آمدنی والد کی سمجھی جائے گی، علامہ شامی نے لکھا ہے:

"فی القنیة: الأب والابن یکتسبان فی صنعة واحدة ولم یکن لهما شیئ فالکسب کله للأب، إن کان الابن فی عیاله لکونه معینا" (ردالمحتار ۳/۳۴۹)۔

مذکورہ جواب کی تائید اکابر کے فتاوی سے بھی ہوتی ہے، چنانچہ حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوری "فتاوی رحیمیہ" میں اس طرح کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"لیکن اگر زید والدین کے ساتھ رہتا تھا اور رہنا سہنا کھانا پینا ان کے ساتھ تھا اور ان کے ماتحت رہ کر کمائی ہوئی رقم سے زمین خریدی ہے تو وہ جگہ والد کی شمار ہوگی (فتاوی رحیمیہ ۶/۱۵۹)۔

دوسری صورت یہ ہے کہ خاندان مشترک ہے کھانا پینا رہنا سہنا مشترک ہے، لڑکے والد کی ماتحتی اور کفالت میں نہیں ہیں اور آمدنی کی تقسیم کے سلسلہ میں کوئی تناسب مقرر نہیں ہے تو ایسی صورت میں مشترکہ اخراجات کے بعد جو آمدنی بچے گی وہ تمام لوگوں کے درمیان برابر تقسیم ہوگی۔ علامہ شامی نے شرکت فاسدہ کی بحث کے تحت یہ جزئیہ صراحۃ لکھا ہے کہ باپ اور بیٹے دونوں ایک گھر میں رہتے ہوں اور دونوں کا ذریعہ معاش الگ ہو اور دونوں اپنی آمدنی ایک جگہ اس طرح جمع کرتے ہوں کہ اس میں تمیز و تفاوت مشکل ہو تو ایسی صورت میں آمدنی میں دونوں برابر کے شریک ہوں گے۔

"فی الخیریة: فی زوج امرأة وابنها اجتمعا فی دار واحدة وأخذه کل منهما یکتسب علی حدة ویجمعان کسبهما، ولا یعلم التفاوت ولا التساوی

Marfat.com

ولا التمیز، فأجاب بأنه بینهما سویة" (ردالمحتار ۳/۳۴۹)۔

علامہ شامی نے اس بات کی بھی صراحت کی ہے کہ اگرچہ کام اور رائے میں ان لوگوں کے درمیان تفاوت ہو، لیکن آمدنی برابر تقسیم ہوگی اور خیریہ کے حوالہ سے اسی پر فتوی نقل کیا ہے، عبارت ملاحظہ ہو:

"فی فتاوی الحانوتی: فإذا کان سعیهم واحداً ولم یتمیز ماحصله کل واحد منهم بعمله یکون ماجمعوه مشترکا بینهم بالسویة، وإن اختلفوا فی العمل والرأی کثرة وصوابا، کما أفتی به فی الخیریة" (ردالمحتار ۳/۳۳۸)۔

لہٰذا اگر تمام بھائیوں نے اپنی آمدنی ایک بھائی کے پاس جمع کی تو اس صورت میں بھی تمام بھائی اس میں برابر کے شریک ہوں گے۔

سوال ۵ کا جواب:

اس کا جواب بھی راقم الحروف کے نزدیک یہی ہے کہ جب خاندان کے کچھ افراد کماتے ہیں اور کچھ گھریلو کاموں کی دیکھ بھال کرتے ہیں تو اس صورت میں بھی تمام بھائی آمدنی میں برابر کے شریک ہوں گے، اس کی دلیل جواب ۳ کے تحت ذکر کردی گئی ہے۔

سوال ۴ کا جواب:

اس کا جواب یہ ہے کہ ایک بھائی نے جو اپنی کمائی کا کچھ حصہ بچالیا تو یہ بچی ہوئی رقم اسی بھائی کی ملکیت شمار ہوگی، اس میں دوسرے بھائیوں کا حصہ نہیں ہوگا، البتہ یہ طریقہ وعدہ خلافی ہوگا اور امانت ودیانت کے خلاف ہونے کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔ اس لئے کہ مشترکہ خاندان میں قولاً نہ سہی تو عملاً یہ عہد وپیمان ہوتا ہے کہ ہم سب مل جل کر رہیں گے، اجتماعی اخراجات ہوں گے اور جو بھی آمدنی ہم لوگوں کی ہوگی وہ ایک جگہ جمع ہوگی۔

مذکورہ جواب کی تائید حضرت مولانا مفتی محمود الحسن علیہ الرحمہ کے فتاوی سے بھی ہوتی

Marfat.com

ہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ اس طرح کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

اس میں بھائیوں کا حق نہیں۔

علیحدہ ہونا اس کو جائز ہے، لیکن ماں باپ اور بھائیوں کے ساتھ رہ کر کھانا، پہننا اور اپنی کمائی علیحدہ جمع کرنا بہت بڑی بے مروتی اور انتہائی احسان فراموشی ہے جس کا نتیجہ بہت خراب ہے" (فتاوی محمودیہ ۱۴/ ۱۹۴)۔

سوال ۶ کا جواب:

والدین اگر معذور و مجبور ہوں تو ان کا نفقہ ظاہر روایت کے مطابق بیٹا اور بیٹی دونوں پر برابر واجب ہے بشرطیکہ دونوں موسر ہوں۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ دونوں پر بقدر میراث نفقہ واجب ہوگا، یعنی نفقہ کا دو حصہ لڑکا ادا کرے گا اور ایک حصہ لڑکی۔ صاحب "ہدایہ" نے پہلے قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ "ہدایہ" میں ہے:

"وهی علی الذكور والإناث بالسوية فی ظاهر الرواية، وهو الصحيح" (ہدایہ ۲/ ۴۴۶)۔

علامہ شامی نے خلاصہ کے حوالہ سے اس قول کو مفتی بہ لکھا ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو:

"ثم النفقة لأصوله ...... الفقراء ...... بالسوية بين الابن والبنت وقيل: كالإرث" (الدر المختار ۵/ ۳۵۵)۔

"(قوله بالسوية بين الابن والبنت) هو الظاهر، وهو الصحيح هدايه، وبه يفتى خلاصه، وهو الحق فتح" (رد المحتار ۵/ ۳۵۵)۔

لہٰذا صحیح اور مفتی بہ قول کے بموجب لڑکا اور لڑکی دونوں پر محتاج و ضرورتمند والدین کا نفقہ برابر برابر واجب ہے۔ جہاں تک والدین کی خدمت کا تعلق ہے تو یہ بیٹوں پر واجب ہے۔ لیکن اگر والدین خدمت کے محتاج ہوں کوئی دوسرا ان کی خدمت کرنے والا نہ ہو تو ایسی صورت میں فقہاء کرام نے یہ صراحت کی ہے کہ شادی شدہ لڑکی پر ایسے والدین کی خدمت واجب ہے وہ

Marfat.com

ہفتہ میں ایک مرتبہ جا کر ان کی خدمت کرے گی شوہر اس کو منع نہیں کر سکتا ہے، اگر وہ منع کرے تو بھی جا سکتی ہے۔

"ولا يمنعها من الخروج إلى الوالدين في كل جمعة إن لم يقدرا على إتيانها على ما اختاره في الاختيار، ولو أبوها زمنا مثلاً فاحتاجها، فعليها تعاهده، ولو كافراً وإن أبى الزوج" (الدر المختار ۵/ ۳۲۳-۳۲۴)۔

"(قوله فعليها تعاهده) أي بقدر احتياجه إليها، وهذا إذا لم يكن له من يقوم عليه" (رد المحتار ۵/ ۳۲۴)۔

بہو پر خوش دامن کی خدمت واجب ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں کتب فقہ میں یہ مسئلہ مصرح ہے کہ بہو پر خوش دامن کی خدمت واجب نہیں ہے۔ البتہ جبکہ خوش دامن بالکل مجبور ہو اور کوئی اس کی خدمت کرنے والی نہ ہو تو ایسی صورت میں اس کا اخلاقی فریضہ یہ ہے کہ وہ اس کی خدمت کرے، یہ اس کے لئے بڑی سعادت اور ثواب کا کام ہوگا۔ مسلمانوں پر بحیثیت مسلمان صرف انہیں کاموں کا کرنا واجب نہیں ہوتا ہے جو اس کے ذمہ شریعت نے واجب قرار دیئے ہیں، بلکہ بہت ساری ایسی مجبوریاں ہیں جہاں مسلمان اس خدمت کے واجب نہ ہونے کے باوجود انسانیت کے تقاضہ اور اخلاقی ذمہ داری سمجھتے ہوئے اسے اپنے اوپر واجب سمجھتا ہے۔

حضرت مولانا عبد الرحیم صاحبؒ اس طرح کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"شوہر کی والدہ اور اس کے بھائی بہن کے لئے کھانے کا انتظام کرنا عورت پر شرعاً لازم وضروری نہیں ہے، البتہ اگر عورت اپنی ساس کی ضعیفی اور کمزوری کی وجہ سے ان کی خدمت کرے اور ان کے لئے کھانا پکائے تو یہ اس کے لئے سعادت مندی ہوگی اور یہ خدمت انشاء اللہ اس کے لئے باعث اجر وثواب ہوگی" (فتاوی رحیمیہ ۸/ ۴۵۷)۔

Marfat.com

سوال ۷ کا جواب:

پردہ کے جو احکام کتاب وسنت میں تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں وہ یہاں بھی لاگو ہوں گے اور ان حالات میں بھی پردۂ شرعی کی مکمل رعایت لازم وضروری ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے سوال ۱ کے جواب کے تحت یہ لکھا ہے چونکہ مشترکہ خاندانی نظام کی صورت میں پردۂ شرعی کی مکمل رعایت مشکل ہے، اس لئے یہ نظام اسلام کا مطلوب ومقصود نہیں ہے۔

Marfat.com

کلفت ومشقت سے آزاد خاندانی نظام

محمد ابرار خان ندوی☆

اسلام میں خاندان کا تصور:

اسلام میں خاندان شوہر، بیوی، اولاد کے مجموعہ کا نام ہے، مرد کو اس خاندان کا نگراں مقرر کیا گیا ہے، اور پھر سب پر ایک دوسرے کے بے شمار حقوق وفرائض عائد کئے گئے ہیں، مرد پر کسب معاش کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے، عورت پر تدبیر منزل کی، اولاد پر والدین کی اطاعت وفرمانبرداری، خدمت وکفالت، اور نگہداشت کی، اولاد کی صحیح تعلیم وتربیت کو والدین پر فرض قرار دیا ہے، وہیں اولاد کو والدین کے ساتھ حسن سلوک (سورۃ العنکبوت ۲۰/۸) اور ان کے لئے دعاء رحمت مانگنے کا حکم اور تاکید کی گئی ہے (سورہ بنی اسرائیل ۱۵/۲۵) اور والدین کی نافرمانی حتی کہ ان کو "اف" تک کہنے سے منع کیا گیا ہے (سورۃ بنی اسرائیل ۱۵/۲۳)۔

اسلام اس مختصر خاندانی نظام کا تصور پیش کرتا ہے، اور اسی کا حامی وداعی ہے، بالفاظ دیگر جداگانہ نظام معاشرت بہتر وپسندیدہ ہے- مشترکہ خاندانی نظام جس میں تمام بھائی، ان کے بیوی بچے، چچا ان کی اولاد وغیرہ سب ایک ساتھ رہیں، قیام وطعام مشترک ہو، گھر کے اخراجات اجتماعی طور پر انجام دیئے جائیں کچھ لوگ محنت ومشقت سے کمائیں اور تمام افراد خاندان کے اخراجات پورے کریں، کچھ لوگ گھر کے کام کاج دیکھیں اور کوئی ناکارہ بن کر بیٹھا رہے کہ کیا ضرورت ہے، گھر کی ضروریات تو پوری ہو ہی رہی ہیں- اسلامی تعلیمات کے مزاج ومذاق کے

☆ جامعۃ الہدایہ، جے پور۔

Marfat.com

لحاظ سے یہ نظام معاشرت پسندیدہ نہیں ہے- اسلام اس کی پرزور دعوت دیتا ہے کہ ہر شخص محنت ومشقت کرے، کسب معاش کے لئے جدوجہد کرے، تلاش رزق کی کوشش کرے (سورۃ الجمعہ ۱۰/۲۸) اپنے اور اپنے بیوی بچوں کے اخراجات خود برداشت کرے، کسی کا دست نگر ومحتاج نہ بنے۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لأن يحتطب أحدكم حزمةً على ظهره خير له من أن يسأل أحدا فيعطيه أو يمنعه" (مسند احمد ۱/۱۶۷)۔

تم میں سے جو لکڑی کا ایک بوجھ اپنی پیٹھ پر لاد کر لائے، یہ اس کے لئے اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی سے سوال کرے، تو وہ اس کو دے یا منع کرے۔

دوسری حدیث میں ہے:

"ما أكل أحد طعاماً قط خيراً من أن يأكل من عمل يده" (کنز العمال ۴/۸، رقم الحدیث ۹۲۲۳)۔

کسی شخص نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کھانا کبھی نہیں کھایا۔

مدینہ منورہ میں انصار ومہاجرین کے مابین مواخات کا قیام اس جانب کھلا ہوا اشارہ ہے کہ ہر شخص اپنا ذریعہ معاش اختیار کرے، اپنی اور اپنے ماتحت افراد کی ضروریات کو پورا کرنے کی مکمل سعی وجدوجہد کرے، اور اپنے معاش کا نظم انفرادی طور پر انجام دے، مشترکہ نظام معاشرت کے مقابلہ "انفرادی نظام معاشرت" کے مستحسن وبہتر ہونے کی یہ واضح دلیل اور بین اشارہ ہے۔

مشترکہ خاندان- مصالح ومفاسد:

مشترکہ خاندانی نظام کے کچھ فائدے بھی ہیں جن سے انکار نہیں کیا جاسکتا، مثلاً خاندان کے معذور وبے سہارا، یتیم وبوڑھے افراد، بیوہ مطلقہ عورتیں، بیمار وپریشان حال لوگ جن کا کوئی ذریعۂ معاش نہیں، ایک ساتھ رہنے میں ان کی تعلیم وتربیت کفالت ونگہداشت بہتر طریقہ

Marfat.com

پر ہو جاتی ہے۔

مگر ان فوائد کے مقابلہ مفاسد زیادہ ہیں، مثلاً ایک ساتھ مالی معاملات ہونے کی بناء پر بدگمانیاں پیدا ہوں گی، آپسی تعلقات متاثر ہوں گے، صلہ رحمی کے بجائے قطع رحمی کا خطرہ ہوگا، پردہ کے احکام پامال ہوں گے، ان کے علاوہ اور بہت سے شرعی مفاسد ہیں، الغرض مشترکہ خاندانی نظام میں مصالح کم مفاسد زیادہ ہیں "إثمهما أكبر من نفعهما" (سورۃ البقرہ ۲۱۹) ان دونوں کا گناہ ان کے نفع سے زائد و بڑا ہے۔

مشترکہ خاندانی نظام اور باہمی منازعت:

مشترکہ خاندانی نظام میں باہم حقوق تلفی ہوتی ہے، آپس میں نزاع اور بیوی بچوں کے سلسلہ میں ایک دوسرے سے بدگمانی، دلوں میں کدورت اور بُعد پیدا ہوتا ہے، اور جو چیز نزاع کا باعث ہو اس سے اجتناب لازم ہے (۲) الغرض مشترکہ خاندان کے مصالح کے مقابلہ مفاسد و مضروتوں کو دیکھتے ہوئے اسے بہتر و قابل عمل قرار نہیں دیا جاسکتا، اس کا خاتمہ ہی بہتر ہے۔

"درء المفاسد أولى من جلب المصالح، فإذا تعارضت مفسدة ومصلحة قدم المفسدة غالباً" (الأشباہ والنظائر لابن نجیم المصری ۳۲۲، مکتبہ فقیہ الأمت)۔

مفاسد کا دور کرنا، حصول مصالح سے بہتر ہے، جب (کسی مسئلہ میں) مفسدہ و مصلحت میں تعارض پیدا ہو جائے تو اکثر ازالۂ مفسدہ کو ترجیح دی جاتی ہے۔

جداگانہ نظام معاشرت اور اصحاب حاجت کے حقوق:

اگر افراد خاندان و اہل قرابت میں ایک دوسرے کے حقوق و فرائض کے اداء کرنے کا احساس و جذبہ پیدا ہو جائے، صلہ رحمی و تعاون و امداد کا اسلامی تصور قلب و ذہن میں موجزن ہو، اہل حاجت و معذورین کے سلسلہ میں شریعت کی تعلیمات کی بجا آوری ہو، تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ معاشرت کا جداگانہ نظام قائم ہو ے باوجود معذور و بے سہارا، یتیم و بیوہ، ضعیف و بوڑھے،

Marfat.com

بیمار اور مالی بدحالی میں مبتلا افراد پریشان ہوں، اور ان کا کوئی پرسان حال وخیر خواہی کرنے والا نہ ہو، اسلام میں تو رشتہ دار، مسکین ومسافر سب کے ساتھ ہمدردی وتعاون کا حکم دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"وآت ذا القربی حقّه والمسکین وابن السبیل" (سورۃ بنی اسرائیل:۲۶)۔

اہل قرابت ورشتہ داروں کی امداد وتعاون پر تو دوہرے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔

"الصدقة علی المسکین صدقة، وعلی ذی القرابة ثنتان: صدقة وصلة" (ابن ماجہ؛ ابواب الزکوۃ حدیث نمبر:۱۸۴۹)۔

مسکین پر صدقہ کا صرف ایک ثواب ہے (صدقہ کا) اور رشتہ دار پر صدقہ (کی دوہری فضیلتیں ہیں) ایک صدقہ کا، اور دوسرے صلہ رحمی کا، (کا دوہرا اجر ہے)۔

مشترکہ خاندانی نظام میں اخراجات کی تقسیم:

اگر مشترکہ خاندانی نظام قائم ہے، اور کسی کے بچے زیادہ ہیں اور کسی کے کم تو بہتر ومناسب یہی ہے کہ جس کے بچے زائد ہیں وہ زیادہ روپیہ دے، اس لئے کہ اس کے بیوی بچوں کے اخراجات کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے۔

علامہ ابن ہمام تحریر فرماتے ہیں:

"ونفقة الأولاد الصغار علی الأب لایشارکه أحد" (تفصیل کے لئے دیکھئے، فتح القدیر ۴/۴۱۰، دار الفکر، بیروت، لبنان، نیز دیکھئے بدائع الصنائع ۴/۳۲)۔

چھوٹے بچوں کا نفقہ والد کے ذمہ واجب ہے، اس میں کوئی اس کا شریک نہیں ہوگا۔

ہاں: والد کی مالی حیثیت اچھی نہیں ہے اور وہ اپنے بچوں کے اخراجات برداشت کرنے کا متحمل نہیں ہے، تو قریبی رشتہ دار مثلاً اس کے بھائی، چچا، وغیرہ اس کے اخراجات برداشت کریں گے، اور بعد میں جب اس کی اقتصادی حالت بہتر ہوگی تو اپنی رقم واپس لے لیں گے۔

"وإذا لم یف کسبه بحاجتهم أو لم یکتسب لعدم تیسیر الکسب أنفق

Marfat.com

علیهم القریب ورجع علی الأب إذا أیسر" (تفصیل کے لئے دیکھئے: فتح القدیر ۴؍۴۱۰، دار الفکر بیروت، لبنان)۔

جب اس کی (یعنی والد کی) کی کمائی ان کی ضروریات کے لئے ناکافی ہو، یا کوئی ذریعۂ معاش نہ ہونے کی وجہ سے وہ کچھ نہ کماتا ہو، تو ان پر اولاد پر) قریبی رشتہ دار خرچ کرے گا، اور جب ان کے والد خوشحال ہوں گے تو وہ ان سے واپس لے گا۔

عرف کا اعتبار ہوگا (اخراجات میں):

مشترکہ خاندانی نظام میں اصولی طور پر تو بچوں کی تعداد کے اعتبار سے اخراجات ہونا چاہئے، لیکن اس سلسلہ میں وہاں کے عرف کو بھی دیکھا جائے گا، اگر وہاں کا عرف یہ ہے کہ بچوں کی تعداد کے لحاظ سے نہیں، بلکہ ہر ایک حسب ضرورت خرچ کرتا رہتا ہے، اور جو بھائی زائد خرچ کرتا ہے، وہاں کے عرف میں اسے قرض تصور نہیں کیا جاتا، اور نہ ہی اس کی نیت واپس لینے کی ہوتی ہے، تو یہ زائد رقم بھائی کی جانب سے تبرع ہوگی، اور اس کی واپسی لازم نہ ہوگی اور اگر کسی علاقہ میں زائد خرچ کی جانے والی رقم قرض سمجھی جاتی ہے، یا وہاں کا عرف تو قرض کا نہیں ہے، مگر اس بھائی نے اس شرط کے ساتھ خرچ کیا ہے کہ بعد میں اس کی زائد رقم اس کو لوٹانا ہوگی، تو ایسی صورت میں یہ زائد رقم واجب الاعادہ ہوگی۔

علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

وفی جوامع الفقه: "إذا لم یکن للأب مال، والجد والأم أو الخال أو العم موسر، یجبر علی نفقة الصغیر، ویرجع بها علی الأب إذا أیسر" (تفصیل کے لئے دیکھئے: فتح القدیر ۴؍۴۱۰، دار الفکر بیروت، لبنان، نیز دیکھئے بدائع الصنائع ۴؍۳۲)۔

"جوامع الفقہ" میں ہے، کہ جب باپ کے پاس کچھ بھی مال نہ ہو، اور دادا، ماں، ماموں یا چچا خوشحال ہوں، تو ان کو چھوٹے بچوں کے اخراجات برداشت کرنے کے لئے مجبور کیا جائے گا، بعد میں جب ان کے والد، صاحب حیثیت ہوں گے تو وہ ان سے اپنا پیسہ واپس لے لے گا۔

Marfat.com

مشترکہ رقم سے خریدی ہوئی چیز سب کی ملکیت ہے:

بھائیوں نے اپنی آمدنی والد یا بڑے بھائی کے پاس جمع کی، تاکہ اس سے گھر کے اخراجات پورے کئے جائیں، گھر کی ضروریات پوری ہونے کے بعد باقی ماندہ رقم سے کوئی جائداد، منقولہ یا غیر منقولہ یا کوئی سامان خرید لیا جائے، تو وہ تمام بھائیوں کی ملکیت ہوگی، یعنی سب بھائی اس میں برابر کے شریک ہوں گے، کسی کا حصہ کم یا زائد نہیں ہوگا، خواہ کسی بھائی نے زائد رقم دی ہو، اس لئے کہ انہوں نے والد یا بڑے بھائی کو جو رقم دی ہے وہ اپنے اختیار و مرضی سے بطور تبرع دی ہے، نہ کہ بطور قرض۔

تنخواہ میں دوسرے بھائی کا حق نہیں ہے:

تین بھائی ہیں، دو بھائی اپنی پوری تنخواہ مثلاً دس دس ہزار روپے گھر میں دیدیتے ہیں، اور ایک بھائی بیس ہزار روپے کماتا ہے، وہ بھی دس ہزار روپے گھر میں دیتا ہے، اور دس ہزار روپے الگ بچا کر اپنے پاس رکھتا ہے، تو وہ بچی ہوئی رقم اس کی ذاتی ملکیت ہے، اپنی محنت سے اس نے کمایا ہے، دوسرے بھائیوں کا اس میں کچھ بھی حصہ نہیں۔

وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیہ (کویت) کے تحت قائم "قطاع الافتاء والبحوث الاسلامیہ" میں ایک شخص نے استفتاء بھیجا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کی پندرہ سال سے کم عمر تھی، جب اس کے والد کا انتقال ہوگیا، تقریباً پندرہ سال کی عمر میں اس نے کویت جا کر کمایا اور پھر اپنی ذاتی کمائی سے ایک زمین خرید کر اس میں عمارت تعمیر کرائی جس کے تمام کاغذات وشواہد اس کے پاس ہیں، اس کے والد نے ورثہ میں ایک زمین وغیرہ چھوڑی تھی، اس نے بھائیوں سے جب میراث میں اپنا حصہ مانگا، تو بھائیوں نے کہا کہ تمہاری اس عمارت میں ہمارا بھی حصہ ہے، پہلے تم اس میں حصہ دو اس شخص نے پوری تفصیل "قطاع الافتاء والبحوث الاسلامیہ" میں بھیجی، استفتاء کا جواب مع ترجمہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

اُجابت اللجنۃ:

"بأنه مادام المستفتي قد اشترى الأرض من ماله، وبنى عليها من ماله ولم يشاركه أحد في أي عمل من أعمال العمارة، فتكون ملكاً خاصاً له، وليس من حق أخيه أن يشاركه في أي قدر من الأرض ولا بناء" (مجموعۃ الفتاوی الشرعیۃ ۴/۱۸۸)۔

مستفتی نے اپنے پیسے سے زمین خرید کر اپنے پیسہ سے اس پر عمارت تعمیر کرائی ہے، اور عمارت کے کسی بھی کام میں کسی نے حصہ نہیں لیا ہے، تو وہ اس کی خاص ملکیت ہے، اور اس کے بھائی کو حق نہیں ہے کہ زمین اور عمارت میں کچھ بھی حصہ دار بنے۔

کمانے والے افراد کی آمدنی میں گھر کا کام دیکھنے والوں کا حصہ نہیں ہے:

خاندان کے کچھ افراد کماتے ہیں اور کچھ گھر کا کام کاج دیکھتے ہیں، گھر کی نگرانی، ضروریات کا سامان لانا، مریض و بیمار افراد کی دواء و علاج کا نظم کرنا اور وہ دیگر گھریلو ضروریات و چیزوں کا فوری انتظام کرتے ہیں، ان کا خود کا کوئی پیشہ، تجارت یا ملازمت وغیرہ کچھ نہیں ہے، سارا وقت اہل خاندان کی دیکھ ریکھ اور ان کے مطالبات کی تکمیل میں صرف ہوتا ہے، اس کے برعکس کچھ افراد خاندان تجارت و ملازمت کے پیشہ سے منسلک ہیں، وہ اپنی آمدنی کا کچھ حصہ اہل خاندان کی ضروریات میں بھی خرچ کرتے ہیں، لیکن کچھ ان کی ذاتی ملکیت ہوتی ہے، تو ان کی یہ آمدنی ان کی ذاتی محنت سے حاصل شدہ مال ہے، اس میں ان افراد کا کچھ بھی حق نہیں جو گھر کا کام دیکھتے ہیں، اور اگر یہ کمانے والے افراد گھریلو ضروریات کے لئے بھی کچھ نہ دیں (علاوہ اپنے ماتحتوں کے نفقات کے) تب بھی ان کی یہ آمدنی ان کی ذاتی ملکیت ہوتی، کسی دوسرے کا اس میں کچھ بھی حصہ نہ ہوگا - البتہ بہتر ہوگا، کہ جو افراد صرف گھریلو کاموں میں مصروف رہتے ہیں ان کی اجرت طے کردی جائے، تاکہ ان کا نقصان نہ ہو، اور بعد میں کسی قسم کا نزاع نہ پیدا ہو، اور اگر کمانے والے افراد کا خود کا کوئی کاروبار نہیں ہے، بلکہ والد محترم کی دوکان ہے، جس میں یہ

Marfat.com

تجارت کرتے ہیں، تو ایسی صورت میں دوکان سے حاصل ہونے والی آمدنی سب بھائیوں کی مشترکہ ملکیت ہوگی، البتہ ضروری ہوگا کہ دوکان میں کام کرنے والے بھائیوں کی حیثیت متعین کردی جائے، کہ ان کی حیثیت ملازم کی ہے یا شریک کی، تاکہ بعد میں نزاع پیدا نہ ہو۔

والدین کی کفالت لڑکا و لڑکی دونوں پر ہے:

حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد میں سب سے پہلے والدین کا حق ہے، والدین کے ساتھ حسن سلوک اچھا برتاؤ، (سورۃ الأحقاف ۲۶/۱۵)۔ ان کی اطاعت وتابعداری اور خدمت ونگہداشت کا حکم دیا گیا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

"وقضی ربک أن لا تعبدوا إلا إیاہ وبالوالدین إحسانا" (سورہ بنی اسرائیل ۱۵/ ۲۳)۔

(اور تمہارے رب نے فیصلہ کردیا ہے کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو)۔

والدین بوڑھے ہوں، معذور و بیمار ہوں تو ان کی خدمت ونگہداشت، علاج ومعالجہ کے اخراجات ودیگر ضروریات وحاجات کی ذمہ داری اولاد پر ہے، اور یہ ذمہ داری لڑکے ولڑکی دونوں پر واجب وضروری ہے۔

معروف فقیہ علامہ داماد آفندی رقمطراز ہیں:

"تجب علی الموسر نفقة أبويه ...... الفقراء ...... بالسوية بين الإبن والبنت" (مجمع الأنہر ۱/ ۴۹۹)۔

بعض فقہاء کرام نے امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کی جانب منسوب یہ قول نقل کیا ہے کہ میراث میں استحقاق کے حساب سے لڑکا دو تہائی اور لڑکی ایک تہائی (والدین کے) اخراجات اداء کریں گے۔

Marfat.com

علامہ ابن ہمام تحریر فرماتے ہیں:

”لا یشارک الولد فی نفقة أبویه ...... أحد ...... فی ظاهر الروایة، لأنه أقرب الناس إلیهما ...... فمن کانت أقرب فهو أولی بالإستحقاق له وعلیه، وهی علی الذکور والإناث بالسویة فی ظاهر الروایة، وروی الحسن عن أبی حنیفة أن النفقة بین الذکر والأنثی أثلاثاً، للذکر مثل حظ الأنثین علی قیاس المیراث“ (فتح القدیر ۴/۴۱۸، دار الفکر، بیروت لبنان)۔

ظاہر الروایہ کے مطابق والدین کے نفقہ میں لڑکے کا کوئی دوسرا رشتہ دار شریک نہ ہوگا، کیونکہ تمام لوگوں میں وہ ان سب کے نزدیک قریب ہے ......تو جو سب سے زیادہ قریب ہے تو میراث میں اس کا استحقاق زیادہ ہے اور والدین کے اخراجات کی بابت) کا حق بھی اس پر زیادہ اور ظاہر الروایہ کے مطابق لڑکے ولڑکی دونوں پر برابر برابر ہے، حسن بن زیادہ نے امام ابوحنیفہ سے نقل کیا ہے کہ میراث، میں مرد ولڑکیوں کے برابر لڑکے کا حصہ ہے اس پر قیاس کرتے ہوئے نفقہ میں بھی لڑکے پر دو تہائی اور لڑکی پر ایک تہائی ہوگا۔

البتہ مفتی بہ قول اور ظاہر الروایہ یہی ہے کہ لڑکے ولڑکی دونوں پر برابر برابر نفقہ واجب ہوگا۔

”ولایفضل الذکر علی الأنثی فی النفقة لإستوائهما فی سبب الوجوب، وهو الولاد“ (بدائع الصنائع ۴/۳۲)۔

نفقہ کے سلسلہ میں لڑکے کو لڑکی پر برتری نہ ہوگی، یعنی لڑکی کے مقابلہ لڑکے پر زیادہ نہ ہوگا، کیونکہ سبب وجوب میں دونوں برابر ہیں۔

ساس کی خدمت اور بہو کی ذمہ داری

والدین کی خدمت لڑکے ولڑکی دونوں کی ذمہ داری ہے، لیکن لڑکی شادی کے بعد سسرال چلی جاتی ہے، اور میکے اور سسرال میں فاصلہ اور دوری ہے تو اس کے لئے والدین کی

Marfat.com

خدمت دشوار ہوتی ہے، لڑکے کے لئے اس طرح کی پریشانی نہیں ہوتی ہے، لیکن بعض خدمتیں ایسی ہوتی ہیں جسے صرف عورت ہی انجام دے سکتی ہے، تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لڑکا اس سے کس طرح عہدہ برآ ہو، اور کیا وہ اس خدمت کے لئے اپنی بیوی کو مامور کرسکتا ہے؟ یعنی بہو کی ذمہ داری اس سلسلہ میں کیا ہے؟ -فقہاء کرام نے صراحت کی ہے کہ اگر باپ کو دوسری شادی کی ضرورت ہو تو بیٹے پر باپ کی منکوحہ کے اخراجات پورے کرنے کی ذمہ داری ہوگی، اس لئے کہ بیٹے کی ذمہ داری ہے کہ والد کی خدمت خود کرے یا کسی کو اجرت دے کر کرائے۔

علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں:

"ولا تحب على الإبن نفقة منكوحة أبيه؛ لأنها أجنبية عنه، إلا أن يكون الأب محتاجاً إلى من يخدمه، فحينئذ يجب عليه نفقة امرأته، لأنه يؤمر بخدمة الأب بنفسه أو بالأجير" (بدائع الصنائع ۴ / ۳۲، دار الکتب العلمیة، بیروت)۔

والد کی منکوحہ کے اخراجات بیٹے پر واجب نہیں ہیں، اس لئے کہ وہ اس کے لئے اجنبیہ ہے، البتہ والد کو خادم کی ضرورت ہو تو ایسی صورت میں بیٹے پر والد کی منکوحہ کے اخراجات لازم ہوں گے، اس لئے کہ اس کو حکم دیا گیا ہے...... والد کی خدمت کرنے کا وہ خود اس خدمت کو انجام دے یا اجیر کے ذریعہ انجام دے۔

نیز علامہ داماد آفندی نقل فرماتے ہیں:

"وفي الجوهرة: إن احتاج الأب إلى زوجة والإبن موسر وجب عليه أن يزوجه أو يشتری له جارية ويلزمه نفقتهما وكسوتهما" (مجمع الأنہر ۱ / ۵۰۱، دار إحیاء التراث العربی)۔

جوہرۃ میں ہے کہ اگر والد کو (خدمت کے لئے) بیوی کی ضرورت ہو اور بیٹا خوشحال ہے تو اس پر ضروری ہے کہ وہ والد کی شادی کرائے یا اس کے لئے باندی خریدے، اور ان دونوں کے اخراجات اور لباس وغیرہ اس کے ذمہ لازم ہوں گے۔

Marfat.com

مذکورہ بالا جزئیات پر قیاس کرتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو اخلاقی طور پر ماں کی خدمت پر آمادہ کرے، اور بہو کی بھی اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ ساس کی خدمت کرے۔

بعض امور ایسے ہیں جو عورت (بیوی) پر دیانۃً واجب ہیں، قضاءً واجب نہیں ہیں، جیسے عورت کھانا پکانا جانتی ہے اور کھانا پکانے میں اسے کوئی جسمانی پریشانی یا کسی قسم کی مجبوری نہیں ہے تو دیانۃً اس پر لازم ہے کہ شوہر کے لئے کھانا پکائے، قضاءً واجب نہیں ہے، اور نہ ہی اس پر کھانا پکانے کے لئے جبر کیا جائے گا، عورت منع کردے تو شوہر دوسرا نظم کرے گا۔ اس سلسلہ میں علامہ فقیہ ابو اللیث نے عمدہ بحث کی ہے۔

علامہ ابن ہمام مصری نقل فرماتے ہیں:

"قال الفقيه: هذا إذا كان بها علة، لاتقدر على الطبخ والخبز أو كانت ممن لا تباشر ذلک بنفسها، فإن كانت ممن تخدم بنفسها وتقدر على ذلک لايجب عليه أن يأتيها بمن يفعله، وفي بعض المواضع تجبر على ذلک: قال السرخسي: لاتجبر، ولكن إذا لم تطبخ لم يعطيها الإدام وهو الصحيح، وقالوا: إن هذه الأعمال واجبة عليها ديانة، ولايجبرها القاضي" (فتح القدیر ۴/۳۸۸، دار الفکر، بیروت)۔

(فقیہ ابو اللیث کہتے ہیں کہ (شوہر پر کھانا پکانے کے لئے دوسرے کا نظم کرنا) یہ اس صورت میں ہے جب کہ عورت کو کوئی ایسی مجبوری لاحق ہو کہ وہ کھانا اور روٹی نہ پکا سکتی ہو یا وہ ان خواتین میں سے ہو جو خود اس کام کو نہ انجام دیتی ہوں، اگر وہ ایسی خواتین سے تعلق رکھتی ہے جو اس خدمت کو خود بجالاتی ہیں اور وہ اس پر قادر بھی ہے تو شوہر پر اس کام کو کرنے کے لئے کسی دوسرے کا انتظام کرنا واجب نہیں ہے۔ اور بعض صورتوں میں تو اس پر اس کے لئے جبر کیا جائے گا، امام سرخسی کہتے ہیں اس پر جبر تو نہیں کیا جائے گا، البتہ اگر وہ کھانا نہ پکائے تو اسے سالن نہیں دیا

Marfat.com

جائے گا، اور یہی صحیح ہے، اور فقہاء کی رائے ہے کہ یہ اعمال اس پر دیانۃً واجب ہیں، قاضی اس کو مجبور نہیں کرے گا)۔

الغرض ساس کی خدمت کرنا بہو کی اخلاقی ذمہ داری ہے۔

مشترکہ خاندان میں پردہ کے احکام:

مشترکہ خاندانی نظام شرعی مفاسد کی وجہ سے مستحسن و پسندیدہ نہیں ہے، پردہ جس کی اسلام میں نہایت تاکید آئی ہے، اس کی خلاف ورزی ہوتی ہے، قرآن کریم میں جابجا اس کا حکم دیا گیا ہے، ارشاد خداوندی ہے:

"یأیها النبي قل لأزواجک وبناتک ونساء المؤمنین یدنین علیهن من جلابیبهن، ذلک أدنی أن یعرفن فلا یؤذین، وکان الله غفوراً رحیماً" (سورۃ الأحزاب:۵۹)۔

(اے نبی، اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلوں لٹکالیا کریں، یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے، تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور نہ ستائی جائیں، اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے)۔

لیکن کیا کیا جائے کہ آج زیادہ تر نظام معاشرت اجتماعی ہے، چچازاد بھائیوں کا بے تکلف گھر میں آنے جانے کی وجہ سے بے پردگی ہوتی ہے- دوسری طرف عورتوں کا گھر کے اندر مکمل پردہ کے ساتھ رہنا اور پردہ میں ہی خانگی امور انجام دینا مشقت و پریشانی کا باعث ہے، اسی تنگی و حرج دقت و پریشانی کے سبب شریعت نے محرم رشتہ داروں کے لئے عورت کے سر، گردن، چہرہ، کان، بازو، پنڈلی وغیرہ پر پڑنے والی نگاہ کو ناجائز و ممنوع قرار نہیں دیا ہے۔

علامہ داماد آفندی نقل فرماتے ہیں:

"فحل النظر للمحارم إلی تلک الأعضاء؛ لأن المرأۃ تکون فی بیتها فی ثیاب مهنتها عادۃً ولاتکون مستترۃً، ویدخل علیهن بعض المحارم من غیر

Marfat.com

استیذان، فلو حرم النظر إلی هذه المواضع یودی إلی الحرج، وکذا الرغبة نقل للحرمة الموبدة فقلما تشتهی" (مجمع الانہر ۲ / ۵۹۲)۔

لیکن غیر محرم کے لئے ان اعضاء کو دیکھنے کی اجازت نہیں ہے، لڑکیاں گھر سے الگ جداگانہ زندگی تو گزار نہیں سکتی ہیں، اور نہ ہی "المشقة تجلب التیسیر" اور "إذا ضاق الأمر اتسع" جیسے قواعد کا سہارا لے کر عورتوں کو کھلی چھوٹ دی جاسکتی ہے کہ وہ جیسے چاہیں گھر کے اندر رہیں، اور غیر محرم مردوں کو بھی اس کی قطعاً اجازت نہیں کہ بلا اجازت گھر میں جب چاہیں داخل ہوتے رہیں، تو ایسی صورت حال میں دونوں کو چاہئے کہ غایت درجہ احتیاط کریں اس کے بعد اگر کچھ بے حجابی ہوجاتی ہے تو اللہ کی ذات سے امید قوی ہے کہ مواخذہ وگرفت نہ ہوگی، نیز درج ذیل امور کو ملحوظ رکھا جائے۔

۱- مرد خصوصاً غیر محرم بلا اجازت واطلاع اندر داخل نہ ہوں، داخل ہونے سے پہلے کنڈی کھٹکھٹالیں، یا بیل بجائیں، تاکہ عورتیں پردہ کا اہتمام کرلیں۔

۲- عورتویں جہاں تک ممکن ہو پردہ کا اہتمام کریں، اس کے بعد پھر بھی بے حجابی ہوجاتی ہے تو انشاء اللہ قابل مواخذہ نہ ہوگا۔

۳- کوشش کی جائے کہ جداگانہ نظام معاشرت قائم ہو، اور تمام لوگ اصحاب ضرورت، معذورین، بیوہ ویتیم، بے سہارا، اور ضعیف وسن رسیدہ افراد رشتہ دار وغیرہ رشتہ دار لوگوں کے اسلام نے جو حقوق بیان کئے ہیں، ان کو ادا کریں۔

خلاصہ کلام: پردہ کا حکم منصوص ہے، اس میں رعایت نہیں دی جاسکتی ہے، اور نہ ہی پردہ کے حکم میں تبدیلی ممکن ہے، ورنہ بہت سے مفاسد جنم لیں گے، اور معاشرہ میں انارکی وبے راہ روی کو راہ ملے گی۔

Marfat.com

چند اہم معاشرتی مسائل کا شرعی حل

مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی ☆

۱- اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام نے جس طرح عبادات، اخلاق، معاملات اور عقاید کے میدان میں انسانوں کی صحیح اور مکمل رہنمائی کی ہے ٹھیک اسی طرح معاشرت کا بھی عمدہ اور بہترین طریقہ پیش کیا ہے، جس کے مطابق زندگی گزارنے سے قلب کو اطمینان اور روح کو سکون حاصل ہوتا ہے۔

معاشرتی نظام دو طرح کے ہیں (۱) مشترکہ خاندانی نظام (۲) جداگانہ اور انفرادی زندگی گزارنے کا طریقہ۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دونوں اختیار دیا ہے۔ البتہ دیکھنا یہ ہے کہ بہتر اور عمدہ کون سا نظام زندگی ہے۔ چنانچہ ایک ساتھ زندگی بسر کرنے سے اپنے عزیز واقارب کے ہر سکھ دکھ میں شریک رہنا آسان ہوتا ہے، ہر ایک کے حقوق کی ادائیگی بسہولت ہوجاتی ہے، بڑوں کی تعظیم اور چھوٹوں پر شفقت کے مواقع زیادہ میسر ہوتے ہیں، آپسی اخوت، محبت اور الفت میں اضافہ ہوتا ہے اور ایک ساتھ زندگی گزارنے سے جو مشکلات اور پریشانیاں پیش آتی ہیں ان پر صبر کرکے عند اللہ خیر مسلم کہلانے کا حق حاصل ہوتا ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"عن ابن عمرؓ المسلم إذا كان يخالط الناس ويصبر على أذاهم خير من المسلم الذى لايخالط الناس ولايصبر على أذاهم" (ترمذی باب صفة القيامة حديث ۲۵۰۷) (جو مسلمان لوگوں کے ساتھ اختلاط رکھتا ہے اور ان کی جانب سے پہنچنے والی تکلیف پر صبر کرتا ہے وہ اس مسلمان سے بہتر ہے جس کا نہ تو لوگوں سے اختلاط رہتا ہے اور نہ ہی ان کی طرف سے پہنچنے

☆ جامعہ اسلامیہ جلالیہ، ہوجائی، نوگاؤں، آسام۔

Marfat.com

والی تکلیف پر صبر کرتا ہے)۔

مزید یہ کہ شریعت کا مزاج بھی یہی ہے کہ وہ ہر کام میں انفرادیت کے مقابلہ میں اجتماعیت کو ترجیح دیتی ہے، چنانچہ تنہا نماز ادا کرنے سے جو ثواب ملتا ہے جماعت کے ساتھ وہی نماز پڑھنے سے ۲۷؍گنا زیادہ ثواب ملتا ہے "عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ قال صلاة الجماعة أفضل من صلاة الفذ بسبع وعشرين درجة" (مسلم ۱؍۲۳۴ مکتبہ بلال دیوبند)۔

(تنہا نماز پڑھنے کے مقابلہ میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا ۲۷ گنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے)۔ ہفتہ کی عید، یعنی نماز جمعہ اور سالانہ عیدین، یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے لئے بڑی مسجد یا عید گاہ کا افضل ہونا بھی اجتماعیت کے محبوب ہونے کی علامت ہے، اسی طرح فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے دنیا کے تمام مسلمانوں کا ایک تاریخ اور ایک جگہ جمع ہونا بھی عند اللہ اجتماعیت کے پسندیدہ ہونے کی واضح دلیل ہے۔

مگر ان تمام خوبیوں اور اچھائیوں کے باوجود اس طریقہ معاشرت سے کچھ ایسی دشواریاں اور پیچیدگیاں پیدا ہو رہی ہیں کہ بظاہر جن کا کوئی حل نہیں اور جن سے بچنے کی کوئی سبیل نہیں۔ مثلاً جب سارے افراد خانہ ایک ساتھ زندگی گزارتے ہیں اور کثرت سے اختلاط ہوتا ہے تو مزاج کے ہم آہنگ نہ ہونے کی وجہ سے آپس میں اختلافات ہونے لگتے ہیں۔ گھریلو جھگڑوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، محبت نفرت میں اور نزدیکی دوری میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ ماں، باپ اور بھائی بہن پر مشتمل مختصر کنبہ بہت ممکن ہے کہ اس نحوست سے محفوظ رہ جائے۔ لیکن جب بھائیوں کی شادی ہو جاتی ہے اور مختلف جگہوں سے مختلف الخیال والمزاج عورتوں کا گھر میں ورود ہوتا ہے تو عموماً اس لاعلاج مرض سے بچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے آپسی اختلافات کی بڑی مذمت فرمائی ہے۔ فرمان نبوی ہے: "ألا أخبركم بأفضل من درجة الصيام والصلاة والصدقة؟ قالوا: بلى يا رسول الله! قال: إصلاح ذات البين وفساد ذات البين الحالقة" (ابوداؤد ۶۷۳ مکتبہ بلال دیوبند کتاب الادب باب فی اصلاح ذات البین)

Marfat.com

(صلح و مصالحت کے ساتھ زندگی بسر کرنا روزہ نماز اور صدقہ سے زیادہ بہتر ہے۔ اس کے مقابلہ میں آپسی جھگڑے اور نفرتیں مونڈنے والے ہیں)۔

علاوہ ازیں عموماً آج کل مکانات چھوٹے اور تنگ ہوا کرتے ہیں، مشترک خاندان میں عموماً چچازاد بھائی بہن اور دیور بھابھی یا اس طرح کے دوسرے قریبی رشتہ داروں کا ایک دوسرے سے آمنا سامنا ہوتا ہے، جس کی بنا پر خصوصاً عورتوں کے لیے پردہ کا اہتمام کرنا نہایت ہی مشکل ہو جاتا ہے۔ اپنے مشکلات کو دور کرنے کے لیے عورت اگر علی حدہ مکان کا مطالبہ کرلے تو شوہر پر اس کا انتظام کرنا واجب ہے "فإن کان للرجل والدة أو أخت أو ولد من غیرھا فی منزلھا، فقالت: صیرنی فی منزل علی حدة کان لھا ذلک" (فتاوی قاضی خاں علی ہامش العالمگیریہ کتاب النکاح باب النفقة ۱/۴۲۸، مکتبہ رشیدیہ وکذا فی الہدایہ ۲/۴۴۱)۔

مزید برآں مشترکہ خاندانی نظام کو کسی نہ کسی مرحلہ میں پہنچ کر انفرادیت کا شکار ہونا ہے، ورنہ تو سارے انسان ایک ہی مشترک خاندان کے افراد ہوں گے جس کا نظام سنبھالنا کسی فرد بشر کے بس کی بات نہیں۔

اسی طرح جب خاندان مشترک ہوتا ہے تو عموماً ہر ایک کی ملکیت کو ممتاز نہیں کیا جاتا ہے، جس کی بنا پر والدین یا کسی ایک کی وفات کے بعد تقسیم میراث میں وارثوں کے درمیان ختم نہ ہونے والا اختلاف اور جھگڑا شروع ہو جاتا ہے۔ آپس میں بات چیت بند اور ایک دوسرے کی صورت کو دیکھنا گوارہ نہیں، جو کہ شرعاً حرام ہے، ارشاد نبوی ہے: "لا یحل للرجل أن یھجر أخاہ فوق ثلث لیال یلتقیان فیعرض ھذا ویعرض ھذا" (متفق علیہ بحوالہ مشکاۃ ۲/۴۲۷)۔

خلاصہ یہ کہ عموماً مشترکہ نظام زندگی دشواریوں اور پریشانیوں کا باعث ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ خواہ مخواہ کسی کو تنگی اور دشواری میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا ہے: "یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر" (سورہ بقرہ:۱۸۵)۔

اس تفصیل کو پیش کرنے کے بعد بندہ کی رائے یہ ہے کہ موجودہ ماحول میں جداگانہ

Marfat.com

زندگی بسر کرنا ہی بہتر ہے، البتہ ہر شخص پر ضروری ہیکہ الگ رہ کر بھی حق داروں کے جملہ حقوق کو صحیح طور پر ادا کرے، ورنہ عند اللہ جواب دینا ہوگا۔

۲- خاندان کے مشترک ہونے کے مفہوم کم از کم دو ہیں الف باپ بیٹے سب ایک ساتھ مل کر زندگی بسر کرتے ہوں، کھانا پینا بھی ایک ہی ساتھ ہوتا ہو اور کاروبار میں بھی سب مشترک ہوں، اس صورت میں ساری کمائی باپ کی شمار ہوگی اور وہ گھر کے تمام افراد پر یکساں خرچ کرنے کے ذمہ دار ہوں گے "الأب وابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شئ فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله لكونه معينا له" (شامی ۳/ ۴۸۳ فصل فی الشرکۃ الفاسدۃ مکتبہ زکریا دیوبند، دار الکتاب ۶/ ۳۹۲ وکذا فی العالمگیریۃ ۲/ ۳۲۹ کتاب الشرکۃ دار الکتاب دیوبند)۔

(ب) بود و باش اور رہائش، نیز کھانا پینا تو ایک ساتھ ہو، لیکن کاروبار سب کا جدا ہو اور گھر کا خرچ سب مل کر برداشت کرتے ہوں۔ اس صورت میں ہر کوئی صرف اپنے اہل وعیال اور معذور والدین کے نفقہ کا ذمہ دار ہوگا "وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف" (سورہ بقرہ: ۲۳۳) رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا: "ولهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف" (تمہارے اوپر بیویوں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق لازم ہے) (مسلم باب حجۃ الوداع) اسی مسئلہ کو صاحب ہدایہ یوں بیان فرماتے ہیں: "النفقة واجبة للزوجة على زوجها مسلمة كانت أو كافرة" بیوی چاہے مسلمان ہو یا کافر شوہر پر اس کا نفقہ لازم ہے (ہدایہ ۲/ ۴۴۱ مکتبہ بلال دیوبند) ایسے ہی اولاد کے نفقہ کے متعلق صاحب ہدایہ رقم طراز ہیں: "ونفقة الأولاد الصغار على الأب لا يشاركه فيها أحد كما لا يشاركه في نفقة الزوجة" (ہدایہ ۲/ ۴۴۷، مکتبہ بلال دیوبند)۔

لہٰذا صرف اپنے اہل وعیال کی تعداد کے حساب سے ہر شخص پر اخراجات عائد ہوں گے۔ اس کے علاوہ مشترکہ نظام زندگی کا استحکام بھی اسی میں ہے کہ معاشرت برادرانہ ہو لیکن معاملات اجنبی جیسا ہو: "تعاشروا كالاخوان تعاملوا كالاجانب" اور اگر ہر شخص برابر اخراجات عائد کئے جائیں تو جس کی فیملی مختصر ہے وہ اپنے اوپر خرچ کا بار محسوس کرے گا اور

Marfat.com

پھر بہت جلد بنیان مرصوص جیسا خاندان تاش کے پتوں کی مانند بکھر جائے گا۔

۳- اگر مشترکہ نظام زندگی کی صورت میں سب بھائیوں نے مل کر اپنے والد یا کسی بھائی کے پاس آمدنی جمع کی ہوں اور پھر اس سے کوئی چیز خریدی گئی تو اس میں سب کا حصہ برابر ہوگا۔ جیسا کہ ابن عابدین فرماتے ہیں: "یوخذ من هذا ما أفتي به في الخيرية في زوج امرأة وابنها اجتمعا في دار واحدة، وأخذ كل منهما يكسبان على حدة ويجمعان كسبهما، ولا يعلم التفاوت ولا التساوي والتمييز، فأجاب بأنه بينهما سوية ...... وكذا لو اجتمع اخوة يعملون في تركة أبيهم ونمى المال فهو بينهم سوية، ولو اختلفوا في العمل والرأي" (ردالمحتار ۳/ ۳۶۰)۔

۴- اسلام کا اصول یہ ہے کہ "للرجال نصيب مما اكتسبوا وللنساء نصيب مما اكتسبن" (النساء: ۳۲) (مردوں کی کمائی ان کا حق ہے اور عورتیں اپنی کمائی کی حق دار ہیں)، لہٰذا تین بھائی مثلاً ایک ساتھ رہتے ہوں اور سب کی آمدنی کے ذرائع مختلف ہوں، مقدار آمدنی میں خواہ تفاوت ہو یا نہ ہو ہر کوئی اپنی مکمل آمدنی کا مالک ہوگا۔

اب اگر سب بھائیوں نے مل کر اتفاق کیا ہو کہ ہم سب اپنی کمائی کا مکمل حصہ خانگی ودیگر ضروریات کے لیے ایک جگہ جمع کریں گے تو سب پر اپنی تنخواہ یا انکم کا پورا حصہ جمع کرنا لازم ہوگا۔ اور اگر رقم کی کوئی خاص مقدار جمع کرنے پر معاہدہ نہ ہوا ہو تو صرف اپنے اہل وعیال کی تعداد کے صرفہ کے مطابق آمدنی جمع کرنا لازم ہوگا، مزید جو بچ جائے اس پر خالص اسی کی ملکیت ہوگی، دوسرے کا اس میں کوئی حق نہیں ہوگا۔

اگر کسی نے گھر کے دوسرے افراد کے تعاون سے اپنا ذریعہ معاش اختیار کیا ہو۔ تعاون خواہ مالی ہو یا اخلاقی صراحۃ ہو یا دلالۃ۔ پھر اس سے حاصل ہونے والی آمدنی کی تقسیم عمل میں نہ آئی ہو، تو اس کی کمائی گھر کے سارے افراد کے درمیان مشترک سمجھی جائے گی، تنہا اس کی ملکیت نہیں ہوگی۔ اور تمام افراد خانہ گھر کی معاشی وکاروباری ترقی میں ایک دوسرے کے معاون شمار

Marfat.com

ہوں گے۔ اور اگر کمانے والے نے اپنا ذریعہ معاش از خود اختیار کیا ہو، گھر کے کسی فرد کی جانب سے کسی طرح کا کوئی مالی یا اخلاقی تعاون نہ ملا ہو اور آمدنی کے متعلق بھائیوں کے مابین کوئی معاہدہ نہ ہوا ہو تو پھر مکمل آمدنی اسی کی ہوگی۔ گھر کے تمام افراد کا کھانا پینا ایک ساتھ ہونے کے باوجود وہ مشترک نہ سمجھی جائے گی۔ البتہ کمانے والے حضرات کو چاہئے کہ گھر کے کام کاج دیکھنے والے افراد کو بطور تبرع واحسان اپنی کمائی کا ایک مخصوص حصہ دے دیا کرے "إن الله يحب المحسنين" (سورہ بقرہ: ۱۹۵)، اس مسئلہ کو صاحب "درر الحکام" نے ۴۴۵/۳ پر اس طرح بیان کیا ہے: "فإذا كان الأب مزارعا والابن صانع أحذية، فكسب الأب من الزراعة والابن من صناعة الحذاء فكسب كل واحد منهما لنفسه وليس للأب المداخلة في كسب ابنه لكونه في عياله" (باپ کاشت کار ہو اور لڑکا جوتا بنانے کا کام کرتا ہو تو ہر ایک کی کمائی پر خالص اس کا حق ہوگا۔ محض اس وجہ سے کہ بیٹا باپ کے زیر پرورش ہے باپ کو بیٹے کی کمائی میں مداخلت کا حق نہیں ہوگا)، بے شمار اور ان گنت احسانات کے باوجود باپ کا جب یہ حال ہے تو ایک بھائی کو دوسرے بھائی کی کمائی میں کیسے شریک سمجھا جا سکتا ہے۔

۶- والدین کی خدمت واطاعت والدین ہونے کی حیثیت سے کسی زمانہ اور کسی عمر کے ساتھ مقید نہیں ہر حال اور ہر عمر میں ان کے ساتھ اچھا سلوک واجب ہے، خاص طور پر والدین کے بڑھاپے کا زمانہ، جبکہ وہ اولاد کی خدمت کے محتاج ہو جائیں، ان کی زندگی اولاد کے رحم وکرم پر رہ جائے اس وقت اگر اولاد کی طرف سے ذرا سی بھی بے رخی محسوس ہو تو وہ ان کے دل کا زخم بن جاتی ہے۔ ان ہی امور کی جانب قرآن کی اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے "وقضى ربك أن لا تعبدوا إلا إياه وبالوالدين إحساناً إما يبلغن عندك الكبر أحدهما أو كلاهما فلا تقل لهما أف ولا تنهرهما وقل لهما قولاً كريما واخفض لهما جناح الذل من الرحمة وقل رب ارحمهما كما ربياني صغيرا" (سورہ اسراء: ۲۳-۲۴)۔

(اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور اپنے والدین

Marfat.com

کے ساتھ بھلائی کرو، اگر تیرے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اف نہ کہو اور نہ ہی جھڑکو اور ان سے نرم بات کرو، اور ان کے سامنے عاجزی کے کندھے نیازمندی کے ساتھ جھکا دو اور دعا کرو اے رب ان پر اسی طرح رحم فرما جس طرح انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی)۔

جہاں تک مسئلہ ہے والدین کی کفالت اور نفقہ کا تو معلوم ہونا چاہئے کہ فقہاء کے یہاں وجوب نفقہ کے تین اسباب ہیں (الف) زوجیت (ب) قرابت (ج) ملک۔ یعنی رشتہ زوجیت کی وجہ سے بیوی کا نفقہ شوہر پر، ملکیت کی بنا پر غلام کا نفقہ آقا پر اور قرابت ورشتہ داری کی بنیاد پر اولاد کا نفقہ والدین پر اور والدین کا نفقہ اولاد پر واجب ہے۔ والدین کا نفقہ اولاد پر کب لازم ہوتا ہے، صاحب "ہدایہ" فرماتے ہیں: "وعلى الرجل أن ينفق على أبويه وأجداده وجداته إذا كانوا فقراء، وإن خالفوه في دينه" (ہدایہ ۲/ ۴۸۸، مکتبہ بلال دیوبند) (جب والدین اور دادا دادی محتاج ہوں تو دین کے اختلاف کے باوجود ان کا نفقہ انسان پر واجب ہوتا ہے)۔ اسی طرح یہ عبارت بھی ملاحظہ ہو: "ويجبر الولد على نفقة الأبوين المعسرين مسلمين كانا أو ذميين قدرا على الكسب أو لم يقدر" (عالمگیری ۱/ ۶۶۴ دار الکتاب دیوبند)۔

لہٰذا والدین اگر محتاج ہوں یا کسب سے معذور ہوں تو اولاد پر ان کا نفقہ واجب ہے اگر نرینہ اولاد ہوں تو وہ اسے برداشت کریں اور اگر صرف لڑکیاں ہوں یا لڑکے تو ہوں، لیکن نکھے ہوں تو اس صورت میں اپنی وسعت کے بقدر لڑکیاں والدین کی جملہ نگہداشت کریں گی۔

اب ایک پہلو رہ جاتا ہے کہ اس سلسلہ میں بہو کی کیا ذمہ داری ہے تو واضح ہو کہ شریعت میں احکام کے دو درجے ہیں اخلاقی واحسانی اور فقہی وقانونی، یعنی کچھ چیزیں دیانۃ انسان پر واجب ہیں ان کی تعمیل ضروری ہے اور تعمیل نہ کرنا موجب گناہ ہے۔ لیکن قانوناً اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، جیسے ایک طرفہ وعدہ کو پورا کرنا۔ اور بہت سے احکام وہ ہیں جن کی تعمیل قانوناً واجب ہے، اگر وہ اس پر عمل نہ کرے تو گنہ گار بھی ہوگا اور قانوناً بھی اس کام پر مجبور کیا جائے گا۔

Marfat.com

شوہر کے والدین کی خدمت عورت پر اس وقت دیانۃً واجب ہوگی جب کوئی اور خدمت کرنے والا...... میسر نہ ہو، اور اگر کوئی دوسرا خدمت کرنے والا ہو تب بھی عورت کو چاہئے کہ اپنے ساس سسر کی خدمت سے دامن نہ کھینچے کہ یہ اس کا اپنے شوہر کے ساتھ تعاون ہے کیونکہ اصل میں والدین کی خدمت اس کے شوہر پر واجب ہے اور شوہر اپنی بیوی بچوں کی ضروریات کے لیے مشغول ہے تو اخلاق و دیانت کا تقاضہ ہے کہ وہ اس فریضہ کی ادائیگی میں اپنے شوہر کی مدد کرے "تعاونوا علی البر والتقوی" (سورہ مائدہ:۲)۔

۷-حجاب اور پردہ کے احکام قطعی ہیں شریعت نے اس کے مسائل کو بڑی تفصیل سے بیان کردیا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں پردہ نسواں سے متعلق سات آیتیں نازل ہوئی ہیں چار سورہ احزاب میں اور تین سورہ نور میں۔ اسی طرح ستر سے زیادہ احادیث رسول میں قولاً وعملاً پردہ کے احکام بتلائے گئے ہیں۔ لہٰذا بغیر کسی شرعی عذر کے غیر محرم سے پردہ نہ کرنے یا اس میں تساہل برتنے کی ہرگز اجازت نہیں دی جائے گی۔ جہاں تک مکانات کے تنگ یا چھوٹے ہونے کی بات ہے تو شریعت نے کسی کو اس بات کا پابند نہیں بنایا ہے کہ پورا خاندان ایک ساتھ ایک گھر میں اقامت پذیر رہے۔ بلکہ ایک ساتھ رہنے کی وجہ سے اگر حجاب میں رکاوٹ پیش آرہی ہو تو شوہر پر ضروری ہے کہ وہ اپنی بیوی کے لیے ایسی جگہ رہائش کا انتظام کرے جہاں وہ مکمل پردہ کا اہتمام کر سکے۔ ایسے ہی بیوی اگر اس طرح کی دشواریوں سے نجات پانے کے لیے الگ مکان کا مطالبہ کرے تو شریعت نے اسے یہ حق دیا ہے: "فإن كان للرجل والدة أو أخت أو ولد من غيرها في منزلها، فقالت: صيرني في منزل على حدة كان لها ذلك"، اگر شوہر کی ماں، بہن اور دوسری بیوی کی اولاد اور موجود بیوی ایک مکان میں ہو اور بیوی کہے کہ الگ مکان کا میرے لئے انتظام کرو تو یہ اس کا حق ہے (فتاوی قاضی خاں علی ہامش العالمگیریۃ ۱/۴۲۸، مکتبہ رشیدیہ)۔

اس مسئلہ میں قریب اور دور کے رشتہ دار میں ہرگز فرق نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ احادیث رسول کی روشنی میں تو قریبی رشتہ داروں سے زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے "عن عقبة بن عامر

Marfat.com

أن رسول الله ﷺ قال: إیاکم والدخول علی النساء، فقال رجل من الأنصار: یا رسول الله أفرأیت الحمو قال: الحمو الموت" (عقبہ بن عامر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورتوں کے پاس جانے سے پرہیز کرو۔ ایک انصاری مرد نے کہا کہ یا رسول اللہ آپ دیور کے بارے میں فرمائیں آپ نے جواب دیا دیور تو موت ہے) (بخاری ۷۸۷/۲)"باب لایخلون رجل بامرأة الا ذو محرم" (ترمذی ۱۳۹/۱، مکتبہ رشیدیہ، دہلی)۔

لفظ "الحمو" کی تحقیق کے متعلق صاحب "فتح الباری" فرماتے ہیں: "اتفق أهل العلم باللغة علی أن الأحماء أقارب زوج امرأة کأبیه وأخیه وابن أخیه وابن عمه ونحوهم" (فتح الباری ۲۸۹/۲، مکتبہ یوسفی، دیوبند)۔ علماء لغت اس پر متفق ہیں کہ حمو کا اطلاق شوہر کے قریبی رشتہ دار مثلاً اس کے والد، بھائی، بھتیجا اور چچازاد بھائی وغیرہ پر ہوتا ہے۔

صاحب مرقات نے "حمو" کو موت قرار دینے کی وجہ یوں تحریر کی ہے: "لأن الخوف من الأقارب أکثر والفتنة منهم أوقع لتمکنهم من الوصول إلیها والخلوة بها من غیر نکیر علیهم وعادة الناس المساهلة فیه" (قریبی رشتہ داروں سے خوف اور فتنہ کے وقوع کا امکان زیادہ رہتا ہے، اس لئے کہ وہ بآسانی عورت کے پاس پہنچ سکتے ہیں۔ تنہائی کے مواقع بھی زیادہ ہوتے ہیں اس پر نکیر بھی نہیں کیا جاتا، بلکہ عموماً لوگ اس حوالہ سے تساہل پسندی کے شکار ہیں) (مرقات شرح مشکاۃ ۴۰۹/۳، باب النظر الی المخطوبۃ)۔

ان تفصیلات کی روشنی میں بندہ کی رائے اس مسئلہ میں یہ ہے کہ قریبی رشتہ دار جب کہ غیر محرم ہو، مثلاً دیور، جیٹھ، نندوئی، بہنوئی، خالہ زاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد اور چچازاد سب سے پردہ لازم ہے۔ اگر مکان تنگ ہو اگر مکان تنگ ہو تو اتنا کافی ہے کہ چہرہ نہ کھولا جائے۔ گھونگھٹ کرلیا جائے۔ بے تکلفی ہنسی اور مذاق سے مکمل پرہیز کیا جائے اور ایک جگہ تنہائی نہ ہونے پائے۔

واضح ہو کہ فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کی بھی یہی رائے تھی (فتاویٰ محمودیہ ۱۰۶/۲۸، زکریا بک ڈپو دیوبند)۔

Marfat.com

مشترکہ خاندانی نظام میں رہائشی اصول وآداب

مولانا محمد یاسر قاسمی ☆

خاندانی نظام:

دنیا میں خاندانی زندگی گذارنے کے دو طریقے رائج ہیں، ایک طریقہ یہ ہے کہ ایک مختصر خاندان کے تمام افراد، جیسے اس کے والدین، بیوی، بچے اور بھائی، بہن ایک ساتھ رہیں، جب کہ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ انسان صرف اپنے بال بچوں کے ساتھ رہے، پہلے طریقہ سے مراد مشترکہ خاندانی نظام ہے، جبکہ دوسرے طریقہ سے مراد جداگانہ خاندانی نظام ہے۔

زیر نظر مقالہ میں شریعت اسلامیہ کی ہدایات اور فقہ اسلامی کی تصریحات کی روشنی میں یہ تحقیق کی گئی ہے کہ شریعت کی نظر میں مشترکہ خاندانی نظام بہتر ہے یا جداگانہ نظام۔

حقوق زوجین کے اقسام:

کسی بھی نظام کی بقاء اور دوام کے لئے کچھ اصول وضوابط کا سہارا لیا جاتا ہے، شریعت اسلامیہ نے بھی عقد زواج کو استوار بنانے اور مستحکم کرنے کے لئے زوجین کو کچھ حقوق دے رکھا ہے، ان حقوق کی تین قسمیں ہیں: (۱) دونوں کے مابین مشترکہ حقوق، (۲) حقوق زوجہ، (۳) حقوق زوج۔

☆ مدرسہ بیت العلوم سرائے میر، اعظم گڈھ یوپی۔

Marfat.com

بیوی کا رہائشی حق:

حقوق زوجہ میں ایک اہم حق حق سکنی بھی ہے، یعنی بیوی کا رہائشی حق، چنانچہ اللہ تعالی نے بیوی کے لئے رہائش کے انتظام کو واجب قرار دیا ہے، ارشاد ہے: "اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم" (الطلاق:٦) (تم ان عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق رہنے کا مکان دو جہاں تم رہتے ہو)۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: "عاشروھن بالمعروف" (النساء:١٩) (عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ گذران کرو)۔

احادیث طیبہ میں بھی عورتوں کے ساتھ خیر خواہی اور ان کے حقوق کی ادائیگی پر زور دیا گیا ہے، چنانچہ حکیم بن معاویہ قشیری اپنے والد حضرت معاویہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ ہم پر بیوی کا کیا حق واجب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "جب تم کھاؤ تو اس کو کھلاؤ جب تم لباس زیب تن کرو تو اس کو بھی پہناؤ، اس کے چہرہ پر مت مارو، اس کو برا بھلا نہ کہو، اور اسے علیحدہ نہ کرو، مگر گھر ہی میں" (ابوداؤد:٢٩١)، یہ حدیث بیوی کے روٹی، کپڑے اور مکان کا انتظام کرنے کے بارے میں صریح ہے۔

بیوی کے سکنی کے بارے میں فقہاء کی تصریحات:

"موسوعہ" میں ہے: بیوی کی رہائش کا انتظام شوہر کے ذمہ واجب ہے، یہ حکم فقہاء کے مابین متفق علیہ ہے، اس لئے کہ اللہ تعالی نے مطلقہ رجعیہ کے لئے اس کے شوہر پر اس کی رہائش کو واجب قرار دیا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: "تم ان عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق رہنے کا مکان دو جہاں تم رہتے ہو" (الطلاق:٦) تو اصل نکاح میں سکنی بدرجۂ اولی واجب ہوگا، نیز اس لئے کہ اللہ تعالی نے معروف طریقہ پر بیوی کے ساتھ معاشرت کو واجب کیا ہے، ارشاد باری تعالی

Marfat.com

ہے: تم ان کے ساتھ معروف طریقہ پر گذران کرو (النساء:۱۹)۔

معروف طریقہ جس کا حکم شوہر کو دیا گیا ہے اس میں یہ بھی داخل ہے کہ بیوی کو ایسے مکان میں رہائش دے جہاں وہ اپنے شوہر کے ساتھ تمتع کر سکے اور ساز و سامان کی حفاظت کے لئے بھی وہ سکنی سے بے نیاز نہیں ہے، اس لئے باجماع علماء بیوی کی رہائش کا انتظام کرنا شوہر کے ذمہ واجب ہے۔

"السكنى للزوجة على زوجها واجبة، وهذا الحكم متفق عليه بين الفقهاء، لأن الله تعالى جعل للمطلقة الرجعية السكنى على زوجها، قال تعالى: "اسكنوهن من حيث سكنتم من وجدكم" فوجوب السكنى التي هي في صلب النكاح أولى، ولأن الله تعالى أوجب المعاشرة بين الأزواج بالمعروف، قال تعالى: "وعاشروهن بالمعروف"، من المعروف المأمور به أن يسكنها في سكن تأمن فيه على نفسها ومالها، كما أن الزوجة لا تستغني عن المسكن للاستتار عن العيون، والاستمتاع وحفظ المتاع، فلذلك كانت السكنى حقا لها على زوجها، وهو حق ثابت بإجماع أهل العلم" (الموسوعۃ الفقہیہ ۲۵/۱۰۸، المحیط البرہانی ۴/۳۱۸، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/۸۰۳)۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالی نے معروف طریقہ پر بیوی کے ساتھ معاشرت کو واجب قرار دیا ہے، معروف طریقہ سے کیا مراد ہے؟

اس کا جواب امام ابوبکر جصاص رازیؒ دیتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

معروف سے مراد یہ ہے کہ شوہر بیوی کو پورا حق دیدے، جیسے مہر، نفقہ اور باری، نیز سخت کلامی، بیوی سے اعراض اور دوسری کی طرف مکمل جھکاؤ کے ذریعہ اس کو اذیت نہ دے اور بلا کسی جرم کے اس کے سامنے ترش روئی اختیار نہ کرے، غرض یہ کہ ایسی تمام باتوں سے گریز کرے جو بیوی کو بلاوجہ اذیت دیں۔

"ومن المعروف أن يوفيها حقها من المهر والنفقة والقسم وترك أذاها

Marfat.com

بالكلام الغليظ والإعراض عنها، والميل إلى غيرها وترك العبوس والقطوب في وجهها بغير ذنب، وما جرى مجرى ذلك" (احکام القرآن للجصاص ۲/ ۱۳۸)۔

عورتوں کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے ماتحتی قبول کرنے اور تابع بن کر زندگی بسر کرنے کی صلاحیت ودیعت کی ہے، مگر بایں ہمہ ان کی طبیعت میں ٹیڑھا پن بھی ہے، روٹھ جائیں تو منانا مشکل ہے، اس لئے بہت سنبھل کر بیوی کے ساتھ معاشرت اختیار کرنے کا احادیث میں بھی حکم آتا ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: عورتوں کے بارے میں خیر خواہی کی نصیحت قبول کرو (یعنی ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو) اس لئے کہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں اور پسلی میں بھی سب سے ٹیڑھا اوپر کا حصہ ہوتا ہے، اگر تم اسے سیدھا کرنا چاہو گے تو توڑ دو گے، اور اسی حالت پر چھوڑ دو گے تو ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی، لہذا عورتوں کے بارے میں بھلائی کی نصیحت قبول کرو۔

"عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: واستوصوا بالنساء خيراً، فإنهن خلقن من ضلع، وإن أعوج شيئ في الضلع أعلاه، فإن ذهبت تقيمه كسرته، وإن تركته لم يزل أعوج فاستوصوا بالنساء خيراً" (رواہ البخاری ۲/ ۷۷۹ ط ممبئی)۔

بیوی کی اسی فطرت کو سامنے رکھ کر شریعت اسلامیہ نے نفقہ کی ادائیگی کے سلسلہ میں بڑا اہتمام کیا ہے اور اس کے سکنی اور رہائش گاہ کے اوصاف کو بھی بیان کیا ہے، کسی بھی صالح خاندان کو وجود دینے کے لئے ان ہدایات کو روبہ عمل لانا ضروری ہے۔

بیوی کے حق سکنی کے اوصاف:

۱- رہائشی مکان کا مملوکہ ہونا ضروری نہیں، بلکہ عاریت یا کرایہ کا مکان بھی کافی ہے، چنانچہ علامہ شامی ارقام فرماتے ہیں:

"سواء كان ملكاً له أو إجارة أو عارية" (رد المحتار علی الدر ۵/ ۳۲۰ ط زکریا، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/ ۸۰۳)۔

Marfat.com

۲-معیار کے اعتبار سے مکان شوہر اور بیوی دونوں کے لائق ہو:

ردالمحتار میں ہے: "بقدر حالهما أى فى اليسار والإعسار فليس مسكن الأغنياء كمسكن الفقراء كما فى البحر" (ردالمحتار علی الدر ۵/۳۲۰)۔

البتہ رہائش کے انتظام میں عرف وعادت اور فریقین کے حالات کی بھی رعایت کی جائے گی، اور بیوی کے معیار کو بھی ملحوظ رکھا جائے گا، اس کے بارے میں علامہ شامی کا کلام ملاحظہ فرمائیں:

"بیویاں تین معیار کی ہوتی ہیں: (۱) مال دار شریف خاتون، (۲) متوسط الحال، (۳) تنگ دست، بیویوں کے اس معیار کے اعتبار سے ان کے مسکن کے اوصاف بھی مختلف ہو سکتے ہیں، لہذا اگر شریف مال دار خاتون سے اس کا نکاح ہوا ہے تو اس کے لئے ایک مستقل گھر کا انتظام کرنا لازم ہوگا اور اقارب واعزہ میں سے کسی کو بیوی کی مرضی کے بغیر اس مکان میں رکھنے کی شوہر کو اجازت نہیں ہوگی، اور اگر اس کی بیوی متوسط طبقہ سے تعلق رکھتی ہے، نہ زیادہ مال دار ہے، نہ زیادہ غریب، تو اس کے لئے گھر کا ایک کمرہ ہی کافی ہوگا، جس میں شوہر کے اقارب واعزہ یا دوسری بیوی کو رکھنے کی گنجائش نہیں ہوگی، البتہ گھر کے اور کمروں میں وہ قیام کرنا چاہیں تو بیوی کو اعتراض کا حق حاصل نہیں ہوگا، اگر عورت غریب گھرانے سے تعلق رکھتی ہو تو اس کے لئے ایک کمرہ کافی ہوگا، اگر اس کے ساتھ اس مکان میں شوہر کے رشتہ دار یا اس کی سوکن رہتی ہو، جیسا کہ اکثر اعراب اور دیہاتی، نیز شہروں میں رہنے والے غریب جو جھگیوں اور جھونپڑیوں میں رہتے ہیں، اور یہ تفصیل اس اصول کے موافق ہے کہ رہائش میں زوجین کے حالات کا اعتبار کیا جائے گا، اس لئے کہ ارشاد باری تعالی ہے: "اسكنوهن من حيث سكنتم من وجدكم" (الطلاق:۶) (تم عورتوں کو اپنی استطاعت کے مطابق سکونت دو جہاں تم رہتے ہو)، علامہ شامی فرماتے ہیں کہ آج کے ہمارے زمانہ میں اس تفصیل پر اعتماد کرنا چاہئے، اس لئے کہ طعام اور کسوہ زمان ومکان کے فرق سے بدلتے رہتے ہیں (ردالمحتار علی الدر ۵/۳۲۲)۔

Marfat.com

خلاصہ یہ کہ رہائش کے معیار کے سلسلہ میں عرف وعادت کی رعایت کی جائے گی اور فریقین کے حالات اور ان کے معیار کو بھی نگاہ میں رکھنا ہوگا۔

۳- اگر زوجین کا معیار زندگی جدا ہے کہ ایک مال دار ہے، جبکہ دوسرا تنگ دس تو شوہر پر متوسط سکنی لازم ہوگا۔

رد المحتار میں ہے: "لکن إذا کان أحدهما غنیاً والآخر فقیراً فقد مر أنه یجب لها فی الطعام الکسوة الوسط" (رد المحتار علی الدر ۵/ ۳۲۰)۔

۴- شوہر کی ذمہ داری ہے کہ بیوی کے لئے ایسے مکان کا انتظام کرے جس میں اس کی مرضی کے بغیر کسی کو رکھنے کا شوہر کو اختیار نہ ہو۔

ہدایہ میں ہے: "وعلی الزوج أن یسکنها فی دار مفردة لیس فیها أحد من أهله، إلا أن تختار ذلک" (ہدایہ ۲/ ۴۴۱، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/ ۸۰۳، الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید ۲/ ۱۲۵)۔

بیوی کے لئے مستقل مکان کا انتظام کیوں واجب ہے:

بیوی کے لئے مستقل مکان کا انتظام اس لئے ضروری ہے کہ زوجہ کے حق سکنی کا دوہی مقصد ہوا کرتا ہے:

(۱) اپنے شوہر کے ساتھ معاشرت اختیار کر سکے۔

(۲) اپنے سامان کی حفاظت سے مطمئن ہو، لہذا اس کے ساتھ کسی اور کی موجودگی میں شوہر کے ساتھ معاشرت کرنے اور لطف اندوز ہونے میں حیاء دامن گیر ہوگی۔

(۳) اور مقصد زوجیت، یعنی بیوی سے سکون حاصل کرنا بھی فوت ہو جائے گا، جیسا کہ سامان کی حفاظت کے بارے میں وہ ہمیشہ تشویش میں مبتلا ہوگی۔

چنانچہ "محیط برہانی" میں ہے:

"فإن أراد الزوج أن یسکنها مع أحد من أقربائه وطلبت المرأة منزلاً

Marfat.com

على حدة، فلها ذلك، لأن حق السكنى للمرأة إنما كان لمعنيين: أحدهما أن تعاشر مع الزوج، والثاني أن تأمن على متاعها، فإذا كان معها ثالث تستحي من المعاشرة مع زوجها وتخاف على متاعها" (المحیط البرہانی ۴/۳۱۸، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/۸۰، الموسوعۃ الفقہیہ ۲۵/۱۰۸)۔

۵- بیوی کی رہائش کے لئے دین دار محلہ یا آبادی کا انتخاب کیا جائے جہاں عزت وآبرو محفوظ ہو اور ظلم وزیادتی سے تحفظ مل سکے، اگر عورت اپنے شوہر کی ایذا رسانیوں کی قاضی سے شکایت کرے اور کسی محفوظ مکان کا مطالبہ کرے جہاں کے رہنے والے صلاح وتقوی میں معروف ہوں اور ان کے ذریعہ شوہر کو اس کے ظالمانہ برتاؤ سے روکنا یا نظر رکھنا ممکن ہو تو قاضی کو ایسا حکم دینا چاہئے، محیط برہانی میں ہے کہ:

"اگر شوہر نے بیوی کو کسی ایسے مکان میں سکونت دیا جہاں کوئی اور نہیں رہتا، اور اس نے قاضی سے شکایت کیا کہ شوہر مجھے مارتا ہے اور تکلیف دیتا ہے، اس لئے اس کو حکم دیجئے کہ مجھے اچھے لوگوں کے درمیان رکھے تو اگر قاضی کو بیوی کی صداقت کا علم ہو جائے تو اسے چاہئے کہ شوہر کو زجر وتنبیہ کرے اور ظلم سے اس کو روکے، اس لئے کہ قاضی کو یہ علم ہو گیا کہ شوہر نے ناجائز فعل کا ارتکاب کیا ہے اور اگر قاضی کو بیوی کی صداقت کا علم نہیں ہوا تو اگر اس مکان کے پڑوسی اچھے لوگ ہیں تو وہیں رہنے کا حکم دے، اس لئے کہ اگر اس کو وہاں سے منتقل ہونے کا حکم دے گا تو وہ اسی جیسے پڑوسیوں کے درمیان منتقل کر دے گا، جس کا کوئی فائدہ مرتب نہیں ہو سکتا، لہذا منتقل کرنے کا حکم دینے کے بجائے اس کو چاہئے کہ پڑوسیوں سے شوہر کے برتاؤ کے بارے میں تحقیق کرے اگر وہ لوگ عورت کی شکایت کی تصدیق کریں تو قاضی شوہر کو عورت پر زیادتی کرنے سے منع کرے اور اگر پڑوسی شکایت کی تصدیق کرنے کے بجائے یہ کہیں کہ شوہر اس کو اذیت نہیں دیتا تو قاضی اس کو وہیں رہنے دے، اور اگر پڑوسی قابل اعتماد نہ ہوں یا شوہر کی جانب داری کریں تو قاضی شوہر کو حکم دے کہ وہ اپنی زوجہ کو اچھے پڑوسیوں کے درمیان رکھے" (المحیط البرہانی ۴/۳۱۸، ردالمحتار علی الدر ۵/۳۲۲)۔

Marfat.com

۶- رہائش کے لئے ایسے مکان کا انتظام کیا جائے جہاں بالکل تنہائی نہ ہو، اگر شوہر نے اس کو ایسے مکان میں سکونت دیا جہاں بالکل تنہائی ہے اور یہ اندیشہ ہے کہ یہ تنہائی عورت کے لئے نفسیاتی مرض کا سبب بن سکتی ہے تو ایک ایسی عورت کا انتظام کرنا ضروری ہوگا جو اس کی مونس بن سکے اور اس کی وحشت دور کر سکے (ردالمحتار علی الدر ۵/ ۳۲۳)۔

۷- بیوی کے مخصوص مکان کی حاجات اور ضرورت اور اس کے منزلی حقوق کے بارے میں شریعت اسلامیہ نے اچھا خاصا مواد فراہم کیا ہے، ہم سطور ذیل میں اس کے خلاصہ پر اکتفا کرتے ہیں:

زوجہ کا گھر ایسا ہو جس میں ضروریات زندگی، آٹا پیسنے کا آلہ، توا، جگ، گلاس، چولہا، ہانڈی، چمچہ، چٹائی، فرش، لحاف، گدہ، کپڑا صاف کرنے کا برتن، صابن، شمپو، تیل، پاپوش اور روشنی کے آلات ٹیپ وغیرہ سب فراہم ہوں، زمانہ کے عرف وعادت کے مطابق اس میں تغیر اور تبدل کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ گھر کی لازمی ضروریات، یعنی باورچی خانہ، غسل خانہ، اور بیت الخلاء اور کپڑا پھیلانے کی جگہ کا معقول انتظام بھی تمام فقہاء کے نزدیک شوہر کے ذمہ واجب ہے۔

چنانچہ "درمختار" میں ہے:

"ویجب علیه آلة طحن وخبز وآنية شراب وطبخ ككوز وجرة وقدر ومغرفة، وكذا سائر أدوات البيت كحصر ولبد وطنفسة، وما تنظف به وتزيل الوسخ كمشط وأشنان وما يمنع الصابون ومداس رجلها وتمامه فى الجوهرة والبحر" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۷/ ۸۰۵، ردالمحتار علی الدر ۵/ ۲۹۱)۔

لیکن بیوی کے گھر کے مذکورۃ الصدر اوصاف اس وقت واجب ہیں جب شوہر مال دار یا متوسط معیار زندگی گذارنے والا ہو، البتہ اگر تنگ دست ہو جو متعدد کمروں پر مشتمل مکان کے کسی ایک کمرہ میں رہتا ہے تو گھر کی لازمی ضروریات، غسل خانہ، بیت الخلاء وغیرہ کا مشترک ہونا

Marfat.com

بھی کافی ہو جائے گا، بشرطیکہ اس کے پڑوسی نیک ہوں۔

چنانچہ "درمختار" میں ہے:

"زاد في الاختيار والعيني ومرافق ومراده لزوم كنيف ومطبخ وينبغي الإفتاء به بحر"۔

علامہ شامی "ولزوم کنیف ومطبخ" کے تحت رقم فرماتے ہیں: "أي بيت الخلاء وموضع الطبخ بأن يكونا داخل البيت أو في الدار لا يشاركها فيهما أحد من أهل الدار، قلت: وينبغي أن يكون هذا في غير الفقراء الذين يسكنون في ربوع والأحواش بحيث يكون لكل واحد بيت يخصه وبعض المرافق مشتركة كالخلاء والتنور وبئر الماء" (ردالمحتار علی الدر ۳۲۱/۵، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸۰۵/۷)۔

ایک طرف بیوی کے گھر کے یہ اوصاف ہیں تو دوسری طرف ہمارے معاشرہ میں ایک ہی ساتھ زندگی گذارنے کا طریقہ ہے کہ ایک بڑے گھر کے مختلف کمروں میں بیوی اور شوہر کے اقارب رشتہ دار، یعنی اس کے بھائی، بہن والدین وغیرہ رہتے ہیں جس میں گھر کی ضروریات، یعنی بیت الخلاء، غسل خانہ، باورچی خانہ، آنگن وغیرہ مشترک ہوتا ہے، اس طرح کے طریقۂ زندگی میں ایک طرف تو والدین، بھائی، بہن کی حاجات وضروریات کا بہترین تکفل ہو جاتا ہے، مگر اجنبی گھر سے آئی زوجہ کے حقوق بالکل پامال ہو کر رہ جاتے ہیں، اور وہ اس مشترکہ خاندان میں ایک لونڈی کی طرح زندگی گذارنے پر مجبور ہو جاتی ہے، ایسی صورت میں اس کے شرعی پردہ کا نظام بھی باقی نہیں رہ پاتا، اس لئے سطور ذیل میں اس کا جائزہ لیا گیا ہے کہ کیا شوہر کے اقارب کے ساتھ بیوی کو ٹھہرانا مسکن شرعی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے؟

بیوی کے رہائشی مکان میں شوہر کے والدین، بھائی، بہن، سوکن اور دوسری بیوی کے بچوں کا قیام:

بیوی کو بنیادی طور پر ایک مستقل کمرہ کا مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہے، جس کو وہ جب

Marfat.com

چاہے مقفل کر سکے اور تخلیہ کر سکے، لہذا اگر شوہر نے بیوی کو ایسے بڑے مکان کا ایک علاحدہ کمرہ دے دیا جہاں شوہر کے والدین اور دوسرے رشتہ دار، بھائی، بہن یا دوسری بیوی مکان کے دوسرے کمروں میں رہتے ہوں تو عام حالات میں بیوی کو علاحدہ مکان کا مطالبہ کرنے کا حق حاصل نہیں ہوگا، خصوصاً مرافق بیت، غسل خانہ، بیت الخلاء، اور باورچی خانہ وغیرہ علاحدہ علاحدہ ہوں، اور اگر مشترک بھی ہوں تو علاحدہ مکان کا مطالبہ نہیں کر سکتی، البتہ اگر شوہر کے رشتہ داروں یا اس کی سوکن سے اس کو اذیت پہنچتی ہو تو علاحدہ مکان کا مطالبہ کرنے میں بیوی حق بجانب ہوگی، اور بیوی شریف مال دار خاتون ہو تو اس کے لئے علاحدہ مکان اور علاحدہ مطارق کے مطالبہ کا حق حاصل ہوگا، اور متوسط الحال ہو تو مشترکہ مکان کا ایک کمرہ اور علاحدہ مرافق بیت کافی ہوں گے، واضح رہے کہ بیوی کے کمرہ میں والدین، بھائی، بہن وغیرہ کا قیام اس کے لئے باعث ضرر ہوگا، نیز بیوی کے کمرہ میں صنفی تعلق کا شعور رکھنے والے لڑکے کی سکونت کی گنجائش نہیں ہوگی (ردالمحتار علی الدر ۵/ ۳۲۰)، سطور بالا کی روشنی سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ بیوی کے کمرہ میں اگر کوئی تیسرا رہتا ہے تو یہ مسکن شرعی نہیں ہے۔

مشترکہ مکان میں پردہ کے احکام وحدود:

خاندانی نظام معاشرت کو پاکیزہ بنانے اور صنفی تعلقات کو ہوا دینے والے عوامل اور محرکات کا سدباب کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انسدادی تدابیر کو بیان کیا، تاکہ پورا خاندان اخلاق فاضلہ کے ساتھ متصف ہو اور گھر میں برائیوں کے اسباب بالکل ناپید ہو جائیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں مردوں اور عورتوں کو مستقلاً مخاطب کیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم ويحفظوا فروجهم ذلك أزكى لهم إن الله خبير بما يصنعون" (النور: ۳۰) (اے نبی ﷺ) مومن مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزہ

Marfat.com

طریقہ ہے، یقیناً جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر ہے)۔

"وقل للمؤمنات يغضضن من أبصارهن ويحفظن فروجهن ولا يبدين زينتهن إلا ما ظهر منها وليضربن بخمرهن على جيوبهن" (النور:۳۱)۔

((اے نبی ﷺ) مومن عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں بجز اس کے جو خود ظاہر ہو جائے اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں)۔

مذکور بالا دونوں آیتوں میں اللہ تعالی نے مردوں اور عورتوں کو غض بصر کا حکم دیا ہے، تاکہ فتنہ کا سد باب ہو جائے، اس لئے کہ نظر زنا کا پہلا زینہ ہے اور قاصد ہے، اسی لئے نظر کو ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہریلے تیر سے تعبیر کیا گیا ہے، اسی نظر سے مرد عورتوں کے حسن و جمال سے لذت اندوز ہوتا ہے، اور عورتیں بھی مردوں کو اپنا منظور نظر بناتی ہیں، چنانچہ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آدمی پر اس کے زنا کا حصہ لکھ دیا گیا ہے، یقینی طور پر اس کو کر کے رہے گا، چنانچہ دونوں آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے، زبان کا زنا بولنا ہے، دونوں کانوں کا زنا سننا ہے، دونوں ہاتھوں کا زنا پکڑنا ہے، دونوں پیروں کا زنا چلنا ہے، اور نفس آرزو اور خواہش کرتا ہے اور شرم گاہ یا تو اس کی تصدیق کرتی ہے یا تکذیب (بخاری و مسلم)۔

البتہ ہر نظر ممنوع نہیں ہے، بلکہ جہاں حسن محسوس ہو اور انسان پہلی نظر کے بعد دوبارہ اس کو دیکھنے لگے تو یہ ممنوع ہے، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: اے علی تمہارے واسطے جنت میں ایک خزانہ ہے، تم کو اس کا پورا حصہ ملے گا، اس لئے ایک مرتبہ دیکھنے کے بعد دوبارہ مت دیکھو، اس لئے کہ پہلی نظر تیرے لئے مباح ہے دوسری کی گنجائش نہیں ہے۔

"عن جرير قال: سألت رسول الله ﷺ عن نظر الفجأة فقال: اصرف بصرك" (ابوداؤد) (حضرت جریرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اچانک

Marfat.com

نظر پڑ جائے تو کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نظر پھیر لو)۔

یہ تو عمومی احوال کا حکم ہے، مگر بعض احوال میں اجنبیہ کو نظر بھر کر دیکھنے کی گنجائش ہے، مثلاً

۱- کسی عورت کو پیغام دیتے وقت دیکھنا، یہ جائز ہی نہیں، بلکہ مسنون ہے، اللہ کے نبی ﷺ نے اس کا حکم بھی صحابہ کو دیا ہے اور عملاً بھی اس کو ظاہر کیا ہے۔

"عن المغيرة بن شعبة أنه خطب امرأة فقال النبي ﷺ: انظر إليها، فإنه أحرى أن يؤدم بينكما" (رواہ الترمذی والنسائی وغیرہما، رد المحتار علی الدر ۵۳۲/۹)۔

مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا تو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اس کو دیکھ لو کیونکہ یہ تم دونوں کے مابین محبت اور اتفاق پیدا کرنے کے لئے مناسب تر ہوگا۔

"عن سهل بن سعد أن امرأة جاء ت إلى رسول الله ﷺ فقالت: يا رسول الله! جئت لأهب لک نفسي، فنظر إليها رسول الله ﷺ، فصعد النظر إليها" (رواہ البخاری)۔

(حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئی اور بولی کہ اپنے آپ کو حضور کے نکاح میں دینے کے لئے آئی ہوں اس پر رسول اللہ ﷺ نے نظر اٹھائی اور اس کو دیکھا)۔

"عن أبي هريرةؓ قال: كنت عند النبي ﷺ فأتاه رجل فأخبره أنه تزوج امرأة من الأنصار، فقال له رسول الله ﷺ: أنظرت إليها، قال: لا، قال: فاذهب فانظر إليها، فإن في أعين الأنصار شيئاً" (مسلم)۔

(حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں حضرت نبی اکرم ﷺ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے انصار میں سے ایک عورت کے ساتھ نکاح کا ارادہ کیا ہے، حضور ﷺ نے پوچھا کیا تم نے اس کو دیکھا ہے؟ اس نے عرض کیا نہیں، آپ ﷺ

Marfat.com

نے فرمایا جاکر اس کو دیکھ لو، کیونکہ انصار کی آنکھوں میں عموماً کچھ عیب ہوتا ہے)۔

۲-امانت دار ڈاکٹر کے لئے بغرض علاج عورت کو دیکھنا جائز ہے۔

۳-ختنہ کرنے والے کے لئے مختون کے فرج کو دیکھنا جائز ہے۔

۴-زنا کرنے والوں کے فرج کو تحمل شہادت کے لئے دیکھنا جائز ہے۔

۵-دایہ کو ولادت کے وقت فرج کو دیکھنا جائز ہے۔

۶-اگر کوئی عورت پانی میں ڈوب رہی ہو یا آگ میں گھر گئی ہو، تو اس کو دیکھنا ہی نہیں، بلکہ اس کی جان بچانے کے لئے پکڑ کر اٹھا لینا بھی جائز ہے (ردالمحتار علی الدر ۹/ ۵۳۲، احکام القرآن للجصاص ۳/ ۴۰۸)۔

اگر عورت کا پورا بدن مرض میں مبتلا ہے، حتی کہ شرمگاہ بھی، تو اگر کوئی معالج عورت مل جائے تو اسی سے علاج کرائے، ورنہ امانت دار ڈاکٹر اس کا علاج کرے اور اس کے جسم کے تمام اعضاء کو چھپا دے، صرف بیماری کی جگہ کو کھلا رکھے اور حتی المقدور زخم کے مقام کے علاوہ سے نگاہ نیچی رکھے (ردالمحتار علی الدر ۹/ ۵۳۳)۔

ستر کے حدود:

اسلامی معاشرت کی باطنی اصلاح کے لئے اللہ تعالی نے نگاہوں کو نیچی رکھنے اور ان کو غلط جگہوں سے بچائے رکھنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی ساتھ بدن کے ان حصوں کے چھپانے کا بھی حکم دیا جو لوگوں کو دعوت نظارہ دیتے رہتے ہیں کہ نگاہیں بہک نہ جائیں۔

اصطلاح شرع میں جسم کے ان حصوں کو ستر کہا جاتا ہے جن کا ڈھانکنا فرض ہے، ستر کی چار قسمیں ہیں:

(۱) مرد کا ستر مرد کے ساتھ:

مردوں کے لئے ناف اور گھٹنہ کے درمیان کا حصہ ستر قرار دیا گیا ہے، لہذا ان کے

Marfat.com

لئے دوسرے کے اس حصہ کو دیکھنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ دوسروں کے سامنے اس کو کھولنا ممنوع ہے، واضح رہے کہ گھٹنہ اور ران بھی ستر میں داخل ہے (رد المحتار علی الدر ۹/۲۶ ، المحیط البرہانی ۸/۲۴)۔

(۲) عورت کا ستر عورت کے لئے:

ایک مرد کا دوسرے مرد کے ساتھ جو ستر بیان کیا گیا یہی ایک عورت کا دوسری عورت کے لئے بھی ستر ہے، اس لئے کہ عورت کو دوسری عورت کے دیکھنے سے شہوت نہیں ہوتی جیسا کہ مردوں کا معاملہ ہے، البتہ اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو دیکھنا جائز نہیں ہے، مثلاً ذمیہ مسلمان عورت کے حق میں اجنبی مرد کی طرح ہے، لہذا عورت کے لئے ذمیہ عورت کے ساتھ بے پردہ ہونا جائز نہیں ہے، نیز نیک خاتون بھی فاجرہ فاسقہ عورتوں کے سامنے بے حجاب ہونے سے گریز کریں (رد المحتار علی الدر ۹/۵۳۴، المحیط البرہانی ۸/۵)۔

"عن عمر بن الخطاب أنه كتب إلى أبي عبيدة بن الجراح: أما بعد فإنه بلغني أن نسائاً من نساء المسلمين يدخلن الحمامات مع نساء أهل الشرك، فإنه من قبلك، فلا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن ينظر إلى عورتها إلا أهل ملتها" (سعید بن منصور، ابن المنذر ...)۔

(حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو فرمان بھیجا، حمد وصلاۃ کے بعد! مجھے خبر پہنچی ہے کہ مسلمان عورتیں مشرکوں کی عورتوں کے ساتھ حمام میں جاتی ہیں، آپ اپنی طرف سے ان کو منع کردو، اس لئے کہ جو عورت اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہے جائز نہیں ہے کہ غیر مذہب کا کوئی بھی فرد اس کے ستر کو دیکھے) (التفسیر المنیر ۹/۵۵۴)۔

(۳) مرد کا ستر اجنبیہ کے لئے:

الف- اگر مرد عورت کے حق میں اجنبی ہے تو اس کا ستر وہی ہے جو ایک مرد کا دوسرے مرد سے ہے، لہذا عورت مرد کے پورے بدن کو ضرورۃً دیکھ سکتی ہے، بجز ناف سے گھٹنہ کے

Marfat.com

درمیان کے حصہ کو، تاہم اگر ضرورت نہ ہو اور فتنہ کا اندیشہ ہو تو نوجوان مرد یا نوجوان عورت کے لئے ایک دوسرے کو نہ، چنانچہ حدیث میں حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ وہ اور حضرت میمونہؓ آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھی تھیں اتنے میں ابن ام مکتومؓ آئے جو نابینا تھے، حضور ﷺ نے فرمایا: ان سے پردہ کرو، حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا کیا یہ نابینا نہیں ہیں؟ نہ وہ ہم کو دیکھیں گے اور نہ ہی ہم کو پہچانیں گے تو رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا کہ تم دونوں بھی نابینا ہو؟ کیا تم انہیں نہیں دیکھتی ہو؟ (ابوداؤد، ترمذی، بدائع)۔

جبکہ صحیحین کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ کو آپ ﷺ نے حبشیوں کا کھیل دیکھنے کا موقع فراہم کیا تھا، جب حضرت عائشہؓ آپ ﷺ کی اوٹ سے ان کا کھیل دیکھ رہی تھیں (بخاری و مسلم)۔

لہذا پہلی روایت ندب پر محمول ہوگی، جبکہ دوسری روایت سے جواز مستفاد ہوتا ہے، البتہ نگاہیں نیچی رکھنا مرد و عورت سب کے لئے بہتر ہے (التفسیر المنیر ۹/۵۵۱)۔

مرد کا ستر بیوی کے لئے:

ب- اگر مرد عورت کا شوہر ہے تو سر سے پیر تک ہر ہر جز کو دیکھنا دونوں کے لئے جائز ہے، لیکن بہتر ہے کہ شرمگاہ کو نہ دیکھیں، حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ نہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کا مقام ستر کبھی دیکھا اور نہ آپ ﷺ نے کبھی مجھ سے دیکھا، باوجودیکہ میں آپ ﷺ کے ساتھ ایک لمبے عرصہ تک رہی، آنحضرت ﷺ نے دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس جائے تو جہاں تک ہو سکے ستر ڈھانکے، اور دونوں بالکل گدھوں کی طرح ننگے نہ ہو جائیں (ردالمحتار علی الدر ۹/۵۲۷، محیط برہانی ۸/۲۶)۔

(۴) محارم کا ستر مردوں کے لئے:

محارم سے مراد وہ عورتیں ہیں کہ نسبی یا سببی حرمت کی بنیاد پر ان سے نکاح کرنا مرد کے

Marfat.com

لئے کبھی حلال نہ ہو، جیسے ماں، بیٹی، پھوپھی، خالہ، بہن، بھتیجی، بھانجی وغیرہ، ذو رحم محرم، یعنی قریبی رشتہ داروں کے لئے ان کی ظاہری اور باطنی زینت کی جگہوں، یعنی سر، کان، چہرہ، گردن، سینہ، بازو، کلائی، ہتھیلی، پنڈلی، اور پیر کو دیکھنا جائز ہے، اور ان عورتوں کے لئے بھی ان کے سامنے ظاہری اور باطنی مواضع زینت کو ظاہر کرنا مباح ہے۔

چنانچہ ارشاد باری ہے:

"ولا یبذین زینتھن إلا لبعولتھن أو آبائھن أو آباء بعولتھن أو أبنائھن أو أبناء بعولتھن أو إخوانھن أو بنی إخوانھن أو بنی أخواتھن" (النور: ۳۱)۔

(اور عورتیں اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں، مگر ان لوگوں کے سامنے، شوہر، باپ، خسر، بیٹے، سوتیلے بیٹے، بھائی، بھتیجے، بھانجے)۔

اس آیت کریمہ میں زینت سے مراد نفس زینت نہیں ہے، اس لئے کہ نفس زینت تو بازاروں میں فروخت ہوتی ہے جس کو دیکھنا ہر ایک کے لئے مباح ہے، بلکہ اس سے مراد مواضع زینت ہیں۔

چنانچہ سر، تاج کا محل ہے، چہرہ، سرمہ کا محل ہے، گردن اور سینہ، ہار کا محل ہے، کان، بالی کا محل ہے، بازو، بازو بند کا محل ہے، کلائی، کنگن کا محل ہے، ہتھیلی، انگوٹھی اور مہندی کا محل ہے، پنڈلی، پایل کا محل ہے، اور پیر، مہندی اور انگوٹھی کا محل ہے، اور بال، چوٹی کا محل ہے (محیط برہانی ۸/۲۷، رد المحتار علی الدر ۹/۵۲۸، بدائع الصنائع ۴/۲۹۱)۔

الغرض محارم کے لئے ان کی رشتہ دار عورتوں کے یہ حصے ستر میں داخل نہیں ہیں، جس طرح عورتوں کو زینت کی ان جگہوں کو ظاہر کرنے کا اختیار ہے مردوں کو دیکھنا بھی مباح ہے، مگر شرط یہ ہے کہ دونوں شہوت سے مامون ہوں، اباحت کی وجہ ان کا کثرت سے میل جول ہے، عموماً ایک دوسرے کے پاس ان کی آمد و رفت ہوتی رہتی ہے، بالخصوص مشترکہ خاندانی نظام میں اس سے بچنا بہت مشکل ہے، اس لئے شریعت اسلامیہ نے اس نزاکت کو محسوس کرتے ہ

Marfat.com

زینت کے ان مقامات کو ذورحم محرم کے سامنے کھولنے کی اجازت دے دی، تاکہ لوگ حرج اور تنگی میں مبتلا نہ ہوں، نیز محارم ایک دوسرے کو بنظر شفقت دیکھتے ہیں جس میں شہوت کا شائبہ بھی نہیں ہوتا، لہذا اگر شہوت کے ساتھ دیکھنے تک نوبت پہنچ جائے تو دیکھنا مباح نہیں ہوگا (بدائع الصنائع ۴/ ۲۹۲، محیط برہانی ۸/ ۲۷)۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابوبکر جصاص رازی نقل کرتے ہیں کہ منذر ثوری نے روایت کیا ہے کہ محمد بن الحنفیہ اپنی ماں کے بال میں کنگھی کرتے تھے، ابوالبختری نے نقل کیا ہے کہ حسنؓ اور حسینؓ اپنی بہن ام کلثومؓ کے پاس اس حال میں جاتے کہ وہ کنگھی کر رہی ہوتیں، ابن زبیرؓ سے بھی ان کی محرم عورتوں کے بارے میں یہی منقول ہے، ابراہیم سے منقول ہے کہ اگر کوئی اپنی ماں، بہن، خالہ اور پھوپھی کے بالوں کو دیکھتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، جب کہ انہوں نے پنڈلیوں کے دیکھنے کو مکروہ قرار دیا، امام ابوبکرؒ نے فرمایا کہ آیت کے بموجب بال اور پنڈلیوں کے مابین فرق کی کوئی دلیل نہیں ہے، ہشام نے حضرت حسن سے اس عورت کے بارے میں ان کا قول نقل کیا ہے جو اپنا دوپٹہ اپنے بھائی کے سامنے اتار دیتی ہے، فرمایا: بخدا اس کے لئے مباح نہیں ہے، حضرت سفیان نے لیث سے انہوں نے طاوس سے روایت کیا ہے کہ وہ بیٹی اور بہن کے بال دیکھنے کو مکروہ قرار دیتے تھے، حضرت جریرؒ نے مغیرہؒ سے اور انہوں نے شعبی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا بیٹی یا بہن کے بال کو سیدھی نظر سے دیکھنا مکروہ ہے۔

امام ابوبکر فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس حالت پر محمول ہے جب آدمی شہوت کا اندیشہ رکھتا ہو، اس لئے کہ اگر شہوت سے مامون ہونے کی حالت پر اس کو محمول کیا جائے گا تو اس کا آیت اور سنت کے خلاف ہونا لازم آئے گا، اور عورت کے حق میں ذورحم محرم اور اجنبی سب برابر ہو جائیں گے (احکام القرآن للجصاص ۳/ ۴۱۰)۔

زینت کی ان جگہوں کے علاوہ بقیہ بدن کے کسی بھی حصہ کو دیکھنا محرم کے لئے بھی جائز نہیں ہے، خواہ پیٹ پیٹھ، گھٹنہ ہی ہو (درمختار ۹/ ۵۲۸)۔

Marfat.com

ماتحتوں اور شہوت نہ رکھنے والوں کے سامنے اظہار زینت کا حکم:

اس سلسلہ میں اللہ تعالی بنے ارشاد فرمایا: "أو التابعين غير أولي الإربة من الرجال" (النور: ۳۱) (یعنی عورتیں ان خدمت گاروں کے سامنے زینت کا اظہار کرسکتی ہیں جو عورتوں سے کچھ حاجت نہیں رکھتے)۔

آیت کریمہ کے اس جز کی تفسیر میں امام ابوبکر جصاصؒ رقم طراز ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ قتادہ اور مجاہد سے منقول ہے کہ ان حضرات نے فرمایا اس سے مراد تابع لوگ ہیں، جو تمہارا بچا کھچا کھانا حاصل کرنے کے لئے تمہارے پیچھے لگے رہتے ہوں، جن کو عورتوں سے کوئی مطلب نہیں ہوتا، حضرت عکرمہؒ کا بیان ہے کہ اس سے مراد عنین ہے، مجاہد، طاؤس، عطاء اور حسن کا خیال ہے کہ اس سے مراد ناقص العقل ہے، بعض کا کہنا ہے کہ اس سے مراد وہ احمق ہے جس کو عورتوں سے کوئی حاجت نہیں ہوتی، زہری نے حضرت عروہ سے اور وہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کی ازواج کے پاس ایک مخنث آیا جایا کرتا تھا، جس کے متعلق لوگوں کا یہ خیال تھا کہ اس کو عورتوں کی کچھ حاجت نہیں، حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ ایک دن آنحضرت ﷺ گھر میں تشریف لائے اور یہ بیٹھا کسی عورت کے اوصاف بیان کررہا تھا، آپ ﷺ نے ازواج مطہرات کو وارننگ دیا میں نہیں مناسب سمجھتا کہ یہ یہاں کے احوال سے واقف ہو، آئندہ یہ تمہارے پاس ہرگز نہ آئے، لہذا لوگ اس سے پردہ کرنے لگے، حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک مرتبہ میرے پاس تشریف لائے جب میرے پاس ایک مخنث بیٹھا ہوا تھا تو وہ میرے بھائی عبداللہ کو مخاطب کرکے کہنے لگا، اگر اللہ تعالی نے ہم کو طائف کی فتح سے ہمکنار کیا تو میں مادیہ بنت غیلان کو تمہیں دکھاؤں گا، جس کا حال یہ ہے کہ جب سامنے سے آتی ہے تو اس کے پیٹ میں چار بل نظر آتی ہے اور جب پیچھے پلٹتی ہے تو آٹھ بل تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نہیں مناسب سمجھتا کہ یہ یہاں کے احوال سے واقف ہو

Marfat.com

آئندہ یہ تمہارے پاس نہ آئے۔

امام ابوبکر جصاص رازی اس واقعہ کونقل کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ کا اس مخنث کے بارے میں یہ گمان تھا کہ عورتوں سے اس کو کچھ مطلب نہیں تو ازواج مطہرات کے پاس اس کے جانے کی اجازت دے دیا تھا، اور جب آپ ﷺ کو یہ پتہ چلا کہ یہ عورتوں کے احوال اور ان کے اوصاف سے خوب واقف ہے تو یہ آپ ﷺ کو یہ یقین ہو چلا کہ اس کو تو عورتوں سے مطلب ہے تو آپ نے اس سے پردہ کرنے کا حکم دیا (احکام القرآن للجصاص ۳/۴۱۱)۔

آیت اور حدیث سے یہ پتہ چلا کہ ایسے مرد بھی عورتوں کے پاس جا سکتے ہیں جن کو صنفی معاملات سے کچھ لینا دینا نہیں ہے، اور اگر ان کے متعلق کبھی یہ اندیشہ ہو جائے کہ یہ تو عورتوں کے سراپا سے دلچسپی رکھتے ہیں تو عورتیں ان کے سامنے اپنی زینت کو ظاہر نہیں کر سکتیں، بلکہ ان کے ساتھ بھی اجنبی مردوں کا ہی معاملہ کریں گی اور اپنی زینت کی جگہوں کو ظاہر کرنے سے گریز کریں گی۔

چنانچہ "درمختار" میں ہے:

"والخصی والمجبوب والمخنث فی النظر إلی الأجنبیة کالفحل، وقیل: لا بأس بمجبوب جف مائه لکن فی الکبری أن من جوزه فمن قلة التجربة والدیانة" (رد المحتار علی الدر ۹/۵۳۶)۔

جس کے خصیتین نکال دیئے گئے ہوں، یا وہ مقطوع الذکر ہو، یا مخنث اور اجنبیہ دیکھنے کے مسئلہ میں ان کا حکم بھی مرد کی طرح ہے، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس مقطوع الذکر کے بارے میں کوئی حرج نہیں ہے جس کی منی خشک ہوگئی ہو، لیکن "کبری" میں ہے کہ جس نے بھی اس کے لئے جائز قرار دیا ہے وہ ناتجربہ کاری اور فقدان دیانت پر مبنی ہے۔

دور حاضر کے نوکروں، خانساماؤں اور پرائیوٹ ملازموں، ہجڑوں اور بوڑھوں کے

Marfat.com

سلسلہ میں احتیاط ہی مناسب ہے، ان کا گھروں میں آنا خطرات سے خالی نہیں ہے، جیسا کہ روزمرہ کے واقعات اس پر شاہد عدل ہیں، اس لئے کہ اگر وہ خود کچھ نہ کرسکے تو دلالت اور ایجنٹی کے ذریعہ سے دور حاضر کی عورتوں کو نقصان پہنچانا کسی پر بھی مخفی نہیں ہے، اس لئے ان کا حکم بھی اجنبی مردوں کا ہی حکم ہے اور ان سے نگاہیں نیچی رکھنا اور مقام زینت کو چھپانا واجب ہوگا۔

علامہ شامی ''عنایہ'' سے نقل کرتے ہیں کہ اصح یہ ہے کہ باری تعالی کا قول: ''أو التابعين'' (النور:۳۱) از قبیل متشابہات ہے اور اس کا فرمان: ''قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم'' (النور:۳۰) محکم ہے، اس لئے ہم اسی محکم پر عمل کریں گے (عنایہ، رد المحتار علی الدر ۹/۵۳۶)۔

دیور، چچازاد، پھوپھی زاد، ماموں زاد وغیرہ سے پردہ:

دیور، جیٹھ، چچازاد، پھوپھی زاد، ماموں زاد، خالہ زاد، بہنوئی، نندوئی سب غیر محرم ہیں، لہذا عورت کے لئے لازم ہے کہ ان کے سامنے آنے سے گریز کرے، ان سے خلوت سے گریز کرے، اگر کچھ اعزہ مشترکہ مکان میں رہتے ہوں تو ایک دوسرے سے پردہ لازم ہے، چہرہ بھی کھولنے سے گریز کریں، اگر کوئی اندر آئے تو اجازت لے کر آئے، پھر عورتیں ان سے مکمل پردہ کریں۔

''بدائع'' میں ہے: ''وأما النوع السابع وهو ذوات الرحم بلا محرم فحكمهن حكم الأجنبيات الحرائر'' (بدائع ۴/۲۹۷) یعنی نامحرم رشتہ داروں کا حکم آزاد اجنبی عورتوں کا حکم ہے۔

حدیث میں دیور کو موت سے تعبیر کیا گیا ہے، چنانچہ عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خبردار عورتوں کے پاس تنہائی میں نہ جاؤ انصار میں سے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ دیور اور جیٹھ کے متعلق کیا ارشاد ہے، فرمایا وہ تو موت ہے (بخاری ۲/۷۸۷، مسلم، ترمذی)۔

Marfat.com

''لمعات''میں ہے:

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں دیوروں سے ایسے ہی بچیں جیسے وہ موت سے بچتی ہیں، اس لئے کہ رشتہ داروں سے اندیشہ زیادہ ہوتا ہے اور فتنہ ان سے ہی زیادہ رونما ہوتا ہے، اس لئے کہ عورتوں کے پاس بلا روک ٹوک ان کی آمدورفت رہتی ہے اور خلوت کی نوبت آتی رہتی ہے (لمعات علی ہامش المشکاۃ)، البتہ عورت ایسے بچوں کے سامنے اظہار زینت کرسکتی ہیں جو ابھی صنفی احساسات سے نابلد ہیں، قرآن میں ہے:''أو الطفل الذی لم یظهروا علی عورات النساء'' (النور:۳۱)۔

محارم سے اجازت لے کر گھر میں آنا:

جس طرح اجنبیوں کے لئے شریعت اسلامیہ نے استیذان کا حکم دیا ہے کہ گھر میں آنے سے پہلے تین مرتبہ اجازت لیں، اگر اجازت مل جائے تو اندر آئیں، ورنہ دروازہ پر بیٹھے نہ رہیں، بلکہ وہاں سے چلے جائیں، ٹھیک اسی طرح ذورحم محرم رشتہ داروں کے لئے بھی گھر میں آنے سے پہلے اجازت مانگنے کا حکم ہے، تاکہ عورتوں کو اس حال میں نہ دیکھیں جس حال میں وہ ان کو دیکھنا پسند نہ کرتے ہوں، چنانچہ مسلم بن یزید سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے حضرت حذیفہؓ سے دریافت کیا کہ کیا مجھے اپنی بہن سے اجازت لینا ہوگا، انہوں نے جواب دیا کہ اگر تم اس سے اجازت لئے بغیر اندر داخل ہوگے تو تم اس کو اس حال میں دیکھو گے جو تمہیں بری لگے۔

حضرت عطاء سے منقول ہے کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا کہ میں اپنی بہن سے اجازت لے کر اندر جاؤں؟ آپ نے جواب دیا، ہاں، حضرت عطاء بولے کہ میں اور وہ ایک کمرہ میں رہتے ہیں اور اس کا نفقہ بھی میرے ذمہ ہے، حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ تم کو اس سے اجازت لیناہی ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ایک شخص نے پوچھا کیا میں اپنی ماں سے اجازت لوں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں اجازت لینا ہوگا۔

Marfat.com

حضرت عطا بن یسار سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ میں اپنی ماں سے اجازت لے کر گھر میں جاؤں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ ہاں کیا تم اسے ننگی دیکھنا پسند کرو گے؟

محارم سے استیذان کی دلیل ارشاد باری ہے:

"إذا بلغ الأطفال منكم الحلم فليستأذنوا كما استأذن الذين من قبلهم" (النور:۵۹) (جب تمہارے لڑکے سن بلوغ کو پہنچ جائیں تو چاہئے کہ وہ اس طرح اجازت لے کر گھر میں آئیں جس طرح ان کے بڑے ان سے پہلے اجازت لے کر آتے تھے)، چنانچہ اطفال کے سلسلہ میں اجنبی اور محارم کے مابین حکم کے حوالہ سے کوئی تفریق نہیں کی گئی، بس فرق اتنا ہے کہ محارم کے باب میں کسی قدر تخفیف دی گئی، اس لئے کہ مواضع زینت کا دیکھنا ان کے لئے جائز ہے، جبکہ اجنبیوں کے لئے جائز نہیں ہے (احکام القرآن للجصاص ۳/۴۰۵، بدائع الصنائع ۴/۳۰۰)۔

مشترکہ خاندانی نظام میں ستر پوشی اور استیذان کے ان احکام کو ملحوظ رکھنا از حد ضروری ہے، تاکہ گھر کا ماحول اسلامی آداب سے آراستہ ہو، ہر ایک کے حقوق کا پورا خیال کیا جائے، اگر "مشترکہ عائلی نظام" میں ان آداب اور تحفظات کا خیال نہ رکھا جاتا ہو تو ایسی زندگی گذارنے کے مقابلہ جداگانہ نظام ہی ہمارے لئے موزوں اور بہتر ہوگا، اس طرح کے نظام زندگی میں آپسی رسہ کشی، مخاصمات اور منازعات سے عافیت، سب وشتم اور ظلم وجور کے امکانات کم پائے جاتے ہیں۔

آج والدین کی رضا کے لئے انسان خالق کائنات کی ناراضگی کو برداشت کر لیتا ہے، اور اسلامی طرز معاشرت کو یکسر نظر انداز کر دیتا ہے، جبکہ اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق" (پیدا کرنے والے مالک کو ناراض کر کے کبھی مخلوق کی اطاعت نہ کرو، لہذا حقوق اسلامی اور آداب معاشرت اسلامیہ کو پامال کرنے والے مشترکہ عائلی

Marfat.com

نظام سے اگر کوئی کنارہ کش ہوکر، جداگانہ خاندانی نظام میں اپنی عزت وآبرو کی حفاظت کرنا چاہتا ہے تو والدین کو چاہئے کہ اس کا تعاون کریں، نہ کہ اس کی زندگی میں مشکلات پیدا کریں۔

والدین اور قرابت کے نفقہ کا وجوب:

بایں ہمہ والدین اور اہل قرابت کے حقوق کی نگہداشت اور ان کی ادائیگی بھی ہر انسان کے ذمہ لازم ہے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مشترکہ خاندانی نظام کا فرد ہے یا جداگانہ خاندانی نظام سے تعلق رکھتا ہے، آج والدین اور اہل قرابت کے تئیں ہمدردی کا جذبہ معدوم ہوتا جارہا ہے، جس کی وجہ سے ان کے حقوق کی ادائیگی سے معاشرہ میں بیزاری پائی جاتی ہے، بالخصوص والدین جن کے ساتھ حسن سلوک پر قرآن وحدیث میں بہت زور دیا گیا ہے، ان کے کھانے، پینے، کپڑے، اور رہائش کے انتظام کو اولاد پر لازم قرار دیا گیا ہے، مگر ساری آسائشوں کے باوجود آج اولاد والدین کو (اولڈ ہاؤسیز) میں مرنے کے لئے بے یارومددگار چھوڑ دیتے ہیں، جو اپنے کو دنیا میں رہتے ہوئے بھی خارج از دنیا تصور کرتے ہیں، یقیناً احسان فراموشی اور حقوق سے چشم پوشی کی اس سے بڑی کوئی مثال نہیں مل سکتی، اسی لئے شریعت اسلامیہ نے اس باب پر خصوصی توجہ دی ہے، چنانچہ قرابت کی بنیاد پر جن لوگوں کا نفقہ کسی فرد پر عائد ہوتا ہے ان میں والدین کا نفقہ بھی ہے، اولاد کے ذمہ اس کے وجوب پر تمام اہل علم کا اجماع ہے، چنانچہ ابن المنذر رقم طراز ہیں: ”وأجمعوا على أن نفقة الوالدين الذين لا كسب لهما، ولا مال، واجبة في مال الولد“ (المغنی لابن قدامہ ۷/۵۸۳)۔

ایسے والدین جن کے پاس کوئی ذریعۂ آمدنی نہ ہو تو ان کا نفقہ اولاد کے مال میں واجب ہے:

علامہ کاسانی اس حق کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں، والدین کے نفقہ کے وجوب کی دلیل ارشاد باری ہے:

”وقضى ربك ألا تعبدوا إلا إياه وبالوالدين إحسانا“ (سورہ اسراء: ۲۳)

Marfat.com

(تیرے رب نے حکم دیا کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو) والدین جب محتاج ہوں تو ان کو نفقہ دینا ان کے ساتھ سب سے بڑا احسن سلوک ہے، دوسری جگہ ارشاد ہے: "ووصینا الإنسان بوالدیه إحسانا" (سورہ عنکبوت: ۸) (ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا)، اللہ تعالی نے ایک جگہ فرمایا: "أن اشکر لی ولوالدیک" (سورہ لقمان: ۱۴) (میری اور اپنے والدین کی شکر گذاری کر) والدین کی شکر گذاری یہی ہے کہ ان کے احسانات کا انسان اچھا بدلہ دے، جس طرح انہوں نے اس کی پرورش کیا، شفقت کا برتاؤ کیا، اور اس کی ہر تکلیف سے حفاظت کیا، ان دونوں کے محتاج ہونے کی حالت میں بطور شکرانۂ نعمت کے اس کی بھی ذمہ داری ہے کہ ان کے ساتھ یہی برتاؤ کرے، اللہ تعالی نے کافر والدین کے بارے میں وصیت فرمایا: "وصاحبهما فی الدنیا معروفاً" (سورہ لقمان: ۱۵) (دنیا میں ان دونوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ بسر کر) جب کافر والدین کے بارے میں یہ حکم ہے تو مسلمان والدین تو بدرجہ اولی مستحق ہوں گے، اور بوقت احتیاج ان کا نفقہ دینا ان کے ساتھ سب سے بڑی نیکی ہے۔

نیز فرمان باری تعالی: "ولا تقل لهما أف ولا تنهرهما" (سورہ اسراء: ۲۳) (ان دونوں سے اف بھی مت کہو اور نہ ان کو جھڑکو) ایسی گفتگو سے کنایہ ہے جس میں ایذاء رسانی کی جھلک محسوس ہو، اور یہ بات معلوم ہے کہ والدین کے لاچار ہونے کے وقت ان کے نفقہ کا انتظام نہ کرنا زیادہ باعث اذیت ہے، جبکہ اولاد نفقہ دینے پر قدرت بھی رکھتے ہوں، لہذا جس طرح اف کہنے کی ممانعت، گالی گلوج اور مار پیٹ کی ممانعت کو دلالۃً مستلزم ہے، ٹھیک اسی طرح والدین کے نفقہ کے انتظام نہ کرنے کی ممانعت کو بھی مستلزم ہوگی۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص اپنے والد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ میرے پاس مال ہے اور میرا یک والد ہیں ان کے پاس بھی مال ہے وہ چاہتے ہیں کہ میرا مال لے لیں، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "أنت ومالک لأبیک" (مسند احمد، سنن ابی داود، ابن ماجہ) (تو اور تیرا مال سب تیرے

Marfat.com

والد کا ہے)۔

آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں بیٹے کے مال کو لام تملیک کے ساتھ والد کی طرف اضافت کی ہے، بظاہر اس کا مقتضی یہ ہے کہ والد حقیقتاً بیٹے کے مال کا مالک ہو، تاہم اگر حقیقت ملک ثابت نہ ہو تو بوقت ضرورت کم از کم مالک بنائے جانے کا حق تو ضرور ثابت ہونا چاہئے۔

حضرت نبی اکرم ﷺ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انسان کا سب سے پاکیزہ کھانا وہ ہے جسے کما کر کھائے اور اس کا لڑکا بھی اس کی کمائی کا حصہ ہے، لہٰذا اگر تمہیں ضرورت پڑے تو لڑکوں کی کمائی سے معروف طریقہ پر کھاؤ۔

حدیث سے پتہ چلا کہ سب سے پاکیزہ کھانا انسان کی کمائی کا کھانا ہے، اور جب لڑکے کی کمائی اس کی کمائی ہے تو اسے اپنے اوپر لڑکے کے مال سے خرچ کرنے کا اختیار ہوگا، اس لئے کہ انسان ان کمائی سے اپنے اوپر خرچ کرتا ہے (بدائع الصنائع ۴۴۰/۳)۔

والدین اور اہل قرابت کا نفقہ اولاد پر کب واجب ہوتا ہے؟

والدین اور اہل قرابت اگر تنگ دست ہوں جن کے اندر اپنی ضروریات کی تکمیل کی صلاحیت نہیں ہے اور اولاد کے پاس اتنا مال ہے جو ان کی اپنی ضرورت سے زائد ہے، تو ان کی ذمہ داری ہے کہ ان کی کفالت کریں اور ان کے کھانے پینے، پہننے اوڑھنے اور رہنے سہنے کا انتظام کریں، اس سے فرق نہیں پڑتا کہ والدین کمانے کی صلاحیت رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں، ''فتاوی تاتارخانیہ'' میں ہے:

"ویجبر الولد الموسر علی نفقة أبیه وأمه إذا كانا محتاجین، هكذا ذكر الإمام خواهر زاده وشمس الأئمة السرخسي" (الفتاوی التاتارخانیہ ۲۸۰/۳)۔

"ثم یفرض علی الابن نفقة الأب إذا كان الأب محتاجاً والابن موسراً

Marfat.com

سواء كان الأب قادراً على الكسب أو لم يكن" (الفتاوی التاتارخانیہ ۲۸۱/۳، رد المحتار علی الدر ۳۵۵/۵)۔

والدین کے نفقہ میں اولاد ہی مقدم ہیں، ان کے ساتھ کوئی اور شریک نہیں ہوگا، اگر اولاد مذکر اور مؤنث دونوں مال دار ہوں تو والدین کا نفقہ سب پر برابر برابر واجب ہوگا، نیز اگر ایک لڑکے کی آمدنی زیادہ ہو، جبکہ دوسرے کی آمدنی اس سے کم ہو تو اگر دونوں کی آمدنی میں معمولی فرق ہے تو دونوں پر یکساں طریقہ پر نفقہ واجب ہوگا، اور اگر دونوں کی آمدنی کے تناسب میں زیادہ فرق ہے، تو زیادہ آمدنی والے پر زیادہ اور کم آمدنی والے پر کم ہی واجب ہوگا (رد المحتار علی الدر ۳۵۵/۵، الفتاوی التاتارخانیہ ۲۸۱/۳)۔

اگر لڑکا مال دار ہے اور صاحب عیالی والد محتاج ہیں جن کے چھوٹے بچے ہیں، اور اس لڑکے کی سوتیلی ماں بھی والد کے ساتھ رہتی ہیں تو والد سوتیلی ماں کی خدمت کے محتاج ہیں تو بیٹے کو والد اور ان کے عیال کے نفقہ پر مجبور کیا جائے گا، "تارتارخانیہ" میں ہے:

"وفي الغياثية: محتاج له أولاد صغار محاويج وله ابن كبير موسراً أجبر على نفقة أبيه وعلى نبفقتهم أيضاً، لأن الأب كالميت لفقره ولو مات فنفقتهم عليه كذا هنا" (۲۸۰/۳)۔

"رد المحتار" میں ہے: "نعم لو كان الأب محتاجاً إليها قد مر أن نفقة زوجته حينئذ على ابنه، وهذا يشمل ما لو كانت موسرة" (رد المحتار علی الدر ۳۵۵/۵)۔

اگر بیٹا زیادہ مال دار نہیں، بلکہ اس کے اندر والدین میں سے ایک کا نفقہ دینے کی صرف صلاحیت ہے، جبکہ والدین میں سے ہر ایک نفقہ دیئے جانے کے لائق ہیں تو شریعت اسلامیہ بیٹے پر صرف ماں کے نفقہ کے واجب کرنے پر اکتفا کرتی ہے، اس لئے کہ انوثت سراپا لاچاری اور بے بسی ہے، جس کی وجہ سے ماں کے لئے کسب معاش دشوار ہے، اور اس کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے، چنانچہ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی

Marfat.com

خدمت میں حاضر ہوا، اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری حسن معاشرت کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا تیری ماں، انہوں نے پوچھا پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر تیری ماں، انہوں نے پوچھا پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر تیری ماں، انہوں نے پوچھا پھر کون؟ آپ ﷺ نے (چوتھی مرتبہ) جواب دیا پھر تیرے والد (احکام القرآن للجصاص ۳/۲۵۶، رد المحتار علی الدر ۵/۳۴۲)۔

کیا تنگ دست پر کسی کا نفقہ واجب ہے؟

کسی شخص پر دوسرے کے نفقہ کے وجوب کے لئے اس کا مال دار ہونا شرط ہے، لہذا محتاج لڑکے پر محتاج والدین کا نفقہ واجب نہیں ہوگا، اس پر تو صرف اپنی اولاد اور بیوی کا نفقہ واجب ہوتا ہے، ہاں اگر والدین اپاہج ہوں، چلنے پھرنے سے معذور ہوں ان کے اندر کسب معاش کی صلاحیت نہیں ہے، تو بیٹے کو چاہئے کہ ان کو بھی اپنے عیال میں شامل کرلے، اور جو کھاتا ہے ان کو بھی کھلائے، جو پہنتا ہے ان کو بھی پہنائے، اس لئے کہ چار آدمی کا کھانا پانچ آدمی سہولت سے کھا سکتے ہیں (رد المحتار علی الدر ۵/۳۵۲)۔

قرآن وحدیث اور نصوص فقہیہ کی روشنی میں یہ طے ہوجاتا ہے کہ اولاد کو چاہئے کہ والدین کا پورا لحاظ کریں، اپنے حسن سلوک اور حسن معاشرت کے ذریعہ ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچائیں، ان کی کڑوی کسیلی سن کر، چیں بجبیں نہ ہوں، اپنی حق تلفی کی فکر کے بجائے فرض شناسی میں لگ جائیں، لاچاری اور بے بسی کی حالت میں ان کے بڑھاپے کی لاٹھی بنیں، نہ یہ کہ اولڈ ہاؤسیز میں ان کو ڈال کر تجہیز وتکفین کا انتظار کریں، یہی اسلام کا مطلوب ہے اور یہی دنیا کا دستور ہے۔

خلاصۂ جوابات:

۱- غض بصر، پردہ، اور استیذان جیسی انسدادی تدابیر اور دور حاضر میں احکام شرعیہ سے اجتناب، پہلوتہی، غیر محارم کے ساتھ بے محابہ اختلاط اور بے تکلفی کو دیکھتے ہوئے جداگانہ

Marfat.com

خاندانی نظام میں زندگی بسر کرنا بہتر ہے، تاہم اگر والدین زیادہ ضعیف ہوں اور انہیں ہر وقت خدمت کی ضرورت ہو یا یتیم لڑکوں اور لڑکیوں کی کفالت اور پرورش کا مسئلہ درپیش ہو تو ان کو بھی مکان کے کسی علاحدہ کمرہ میں رکھنا چاہئے، اور ان کی پرورش اور تربیت کے جملہ امکانی اخراجات کا تکفل کیا جائے۔

۲-مشترکہ خاندانی نظام کی کفالت کی دو قسمیں ہیں:

الف- والد بقید حیات ہوں اور وہی خاندان کے نگران اعلی اور مالک ہوں اور تمام لڑکوں کی کمائی انہیں کے زیر ملک آتی ہو تو چونکہ والد ہی اصل مالک ہیں، اس لئے وہ حسب منشا تمام اولاد اور ان کے بیوی بچوں پر خرچ کے سلسلہ میں متبرع ہیں، لہذا صورت مذکورہ بالا میں والد پر کمی بیشی کا کوئی الزام عائد نہیں ہوگا۔

"وفی الخانیة: زوج بنیه الخمسة فی داره و کلهم فی عیاله واختلفوا فی المتاع فهو للأب وللبنین الثیاب التی علیهم لا غیر" (ردالمحتار علی الدر ۶/ ۵۰۲)۔

ب- والد بقید حیات نہ ہوں، ان کے وصال کے بعد سارے لڑکے والد کے ترکہ میں مشترکہ طریقہ پر کسب کرتے ہوں اور کسی کی کمائی ممتاز اور علاحدہ نہ ہو، بلکہ ہر ایک کی ملکیت مشترک ہو تو یہ شرکت شرکت ملک ہے جس میں عمل اور رائے کا اختلاف معتبر نہیں ہوتا، لہذا سارے بھائی اس میں برابر کے شریک ہوں گے، چونکہ عملی طور پر بھی ان کی رہائش ایک ساتھ ہے، لہذا اخراجات بھی ایک ساتھ ہوں گے، اور ان میں کوئی تمیز نہ ہوگا، خواہ کسی کا کنبہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو، ہر ایک کی ضروریات کی برآری میں ہر ایک متبرع سمجھا جائے گا، چنانچہ "ردالمحتار" میں ہے:

"وکذا لو اجتمع إخوة یعملون فی ترکة أبیهم ونمی المال فهو بینهم سویة، ولو اختلفوا فی العمل والرأی، انتهی" (ردالمحتار علی الدر ۶/ ۵۰۲)۔

ج- اگر مشترکہ خاندانی نظام میں والد بقید حیات نہ ہوں اور سارے بھائی ایک ساتھ کماتے ہوں اور خورد ونوش اور رہائش کا انتظام علاحدہ ہو تو ان کے درمیان نفقہ معاہدہ کے

Marfat.com

تابع ہوگا۔

۳- اگر چند بھائیوں نے مل کر کمایا اور اپنی آمدنی والد یا کسی بھائی کے پاس اس طرح رکھ دیا کہ ہر ایک کی ملکیت مشترک ہوگئی ان کے درمیان باہم کوئی تمایز نہ رہا تو اگر گھر کے اخراجات سے بچی ہوئی رقم سے کوئی چیز خریدی گئی تو سبھی بھائی اس میں برابر کے حق دار ہوں گے، ''درمختار'' میں ہے:

''وما حصله أحدهما فله، وما حصلاه معاً فلهما نصفين، إن لم يعلم مالكه، الخ''، اس کے تحت علامہ ابن عابدینؒ رقمطراز ہیں:

''يؤخذ من هذا ما أفتى به في الخيرية في زوج امرأة وابنها اجتمعا في دار واحدة، وأخذ كل منهما يكتسب علاحدة ويجمعان كسبهما ولا يعلم التفاوت ولا التساوي ولا التمييز، فأجاب بأنه بينهما سوية'' (ردالمحتار علی الدر ۶/ ۵۰۲)۔

۴- اگر تین بھائی ہیں، دو بھائی اپنی پوری تنخواہ مثلاً دس دس ہزار روپے گھر میں دے دیتے ہیں اور ایک بھائی بیس ہزار روپیہ کماتا ہے وہ بھی دس ہزار گھر میں دیتا ہے اور دس ہزار الگ بچا کر رکھتا ہے تو وہ بچی ہوئی رقم کا تنہا مالک ہوگا، کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں ہوگا، کیونکہ اس نے بقیہ رقم کو بھائیوں کے رقم کے ساتھ ملایا نہیں ہے، لہٰذا اس پر شرکتِ ملک کی تعریف صادق نہیں آتی۔

۵- اگر خاندان کے کچھ افراد کماتے ہوں اور کچھ گھر کے کام دیکھتے ہوں تو کمانے والے اپنی کمائی کے مالک ہیں، اور گھر کے کام دیکھنے والے اگر ان کے حکم سے یا آپسی معاہدے سے گھر کا کام دیکھتے ہوں تو آپسی تعاہد اور تناصر کی بنا پر ایک دوسرے کے برابر کے شریک ہوں گے، ورنہ اس کی کمائی میں کوئی شرکت نہیں ہوگی، غرض یہ کہ مسئلہ مذکورہ کا دارومدار باہمی ...ہ پر ہے۔

۶- والدین کی خدمت وکفالت جس طرح بیٹوں پر واجب ہے اسی طرح بیٹیوں پر بھی

Marfat.com

واجب ہے، دونوں یکساں طور پر ان کی خدمت وکفالت کے ذمہ دار ہیں (ردالمحتار علی الدر ۵/۳۵۵، الفتاوی التاتارخانیہ ۳/۲۸۱)۔

بہو پر شوہر کے والدین کی خدمت نہ تو قضاءً واجب ہے نہ دیانۃً، البتہ اگر والدین خدمت کے محتاج اور خدمت بھی ایسی ہو جس کو شوہر سرانجام نہ دے سکتا ہو، اگر وہ بیوی کو خدمت کا حکم دے تو بیوی کے لئے شوہر کی اطاعت واجب ہوگی، "درمختار" میں ہے:

"وحقه عليها أن تطيعه في كل مباح يأمرها به" اس کے تحت ابن عابدین فرماتے ہیں: "ظاهره أنه عند الأمر به منه يكون واجباً عليها كأمر السلطان الرعية به" (ردالمحتار علی الدر ۴/۳۸۸)۔

۷- باقی بدن تو چھپا ہی رہتا ہے، چہرہ بھی کھولنے سے گریز کریں اور نامحرم کے ساتھ خلوت کا موقع کبھی نہ دیں، نہ ہی ہنسی مذاق کی کبھی نوبت آئے، یہ حکم اس وقت ہے، جبکہ مکان میں تنگی کی وجہ سے اتنی گنجائش نہ ہو کہ نامحرم کی آمد کے وقت مکان کے اندرونی حصہ میں چلی جائیں یا درمیان میں پردہ لٹکا دیں، اگر گنجائش ہو تو چہرہ چھپا کر بھی سامنے آنے سے اجتناب کریں، یہ تو عورتوں کے حق میں ہے:

مردوں کے حق میں یہ ہے کہ جب مکان میں جائیں اطلاع کر کے نگاہ نیچی رکھ کر جائیں اور ہنسی مذاق اور خلوت سے کلی اجتناب کریں۔

Marfat.com

اسلام کا پسندیدہ خاندانی نظام

مفتی رضوان الحسن مظاہری ☆

(۱) اسلام کی نظر میں مشترکہ خاندانی نظام بہتر ہے یا جداگانہ زندگی بسر کرنے کا طریقہ۔

جواب:

"حدثنا هشام ابن عماد وداؤد بن رشيد ومحمد بن صباح قالوا: حدثنا وليد بن مسلم حدثنا وحشي بن جرب من أبيه عن جده قالوا: يا رسول الله! إنا نأكل ولا نشبع قال فلعلكم تأكلوا متفرقين قالوا: نعم- قال: فاجتمعوا على طعامكم وذكروا اسم الله عليه يبارك لكم فيه، وعن عبد الله بن عمر قال: سمعت ابى عمر بن الخطاب يقول: قال رسول الله ﷺ: كلوا جميعاً ولا تفرقوا، فإن البركة مع الجماعة" (باب الاجتماع علی الطعام، سنن ابن ماجہ ۲۴۵)۔

حدیث شریف کی روشنی میں بعض اہل علم نے اس سے یہ استدلال پیش کرنے کی کوشش کی ہے کہ منکرات پر کنٹرول اور حجاب کی پوری پابندی اگر ہو سکے مثلاً: مشترکہ خاندانی نظام میں قریبی رشتے دار جو حقیقت میں محرم نہیں، بلکہ غیر محرم ہیں جن سے ربط وضبط کا واسطہ ہوتا ہے، جیسے چچازاد بھائی ہیں یا پھوپھوزاد بھائی ہیں وغیرہ وغیرہ تو حدیث میں جس اجتماعیت کے ساتھ کھانے میں برکت کی بات آئی ہے، اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے گھر کا ہر فرد ایک ساتھ کھائے تو اجتماعیت بھی قائم رہتی ہے اور برکت بھی ہوتی ہے۔ مگر یہ سب کچھ اس وقت ہے جب فتنہ کا خوف

☆ مدرسہ کرن، احمد نگر مہاراشٹر۔

Marfat.com

نہ ہو اور ہر فرد اپنے آپ کو اس سے مطمئن اور مامون پائے لیکن اس سے کون دانا انکار کی جرأت کرسکتا ہے کہ بہت سے احکام ہیں کہ ان کی اساس سماجی اقدار پر ہوتی ہے، اسی کو حضرت عائشہ جیسی بالغ نظر فقیہ نے واضح طور پر فرمایا کہ گو حضور اکرم ﷺ نے عورتوں کو مسجد میں نماز کی ادائیگی کی اجازت دی ہے، لیکن اگر آپ ﷺ آج کی عورتوں کے حالات دیکھتے ہوئے تو ضرور اس سے منع فرمادیا ہوتا۔ "لو أدرک رسول الله ﷺ ما أحدثت النساء لمنعهن" (درمختار علی الرد ۳/۲۶۱) اور خاص طور پر ہمارے زمانے کے سماج کے بارے یہ سمجھنا کہ مردوں کی نظر عورتوں کے چہرہ پر غیر شرعی جذبات سے عاری ہو کر پڑے گی، محض ایک خوش خیالی اور خام فکری کہلائے گی۔ اس لئے فی زمانہ فقہ کی اصطلاح میں "سد ذریعہ" کے طور پر وہی رائے قابل عمل ہے جو مالکیہ اور حنابلہ نے دی ہے۔ اسی لئے خود حنفیہ کے یہاں بھی متاخرین نے اجنبی مردوں سے چاہے وہ قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہوں یا مشترکہ خاندانی نظام کے مرد کیوں نہ ہوں، چہرہ کو چھپانے کا حکم سختی کے ساتھ دیا ہے۔ علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں:

"فإن خاف الشهوة أو شک امتنع نظره إلى وجهها، فحل النظر مقيد بعدم الشهوة وإلا فحرام، وهذا في زمانهم، وأما في زماننا فمنع من الشابة" (درمختار علی الدر ۳/۲۶۱)۔

اگر شہوت کا خوف یا شک ہو تو عورت کے چہرے کو دیکھنا ممنوع ہے، یہ حکم تو ان کے زمانے میں تھا، ہمارے زمانہ میں نوجوان کو مطلق منع کرتے ہیں۔

پردے کا دوسرا درجہ خاص طور پر ان غیر محرم رشتے داروں سے متعلق ہے جو کثرت سے گھروں میں آمد و رفت کرتے ہیں۔ اس لئے ان سے چہرے کے پردے میں ایک گونہ دقت ہے، اس لئے شہوت و بدکاری کا خوف نہ ہو تو ایسے رشتہ داروں کے سامنے چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ اس کی دلیل وہ روایات ہیں جن سے آپ ﷺ کا حضرت اسماء کو دیکھنا یا فتح مکہ کے موقع پر حضرت ام ہانی کو دیکھنا معلوم ہوتا ہے۔ تلاش و تتبع کی جائے تو اس

Marfat.com

طرح کی اور نظیریں بھی بہ آسانی مل سکتی ہیں۔ چنانچہ "بزازیہ" کی ایک عبارت سے بھی اس طرف اشارہ ہوتا ہے کہ اجنبی اور ذی رحم رشتہ داروں کے حکم میں فرق ہے، بشرط کہ شہوت کا اندیشہ بالکل نہ ہو۔ اور اگر شہوت کا اندیشہ ہے تو پھر دونوں کے لئے یکساں حکم ہے۔

"والحکم بالفرق بین الأجنبی وذی الرحم إذا کان النظر لا عن شهوة، فأما بالشهوة، فلا یحل لأحد النظر" (بزازیہ علی الہندیہ ۳۷۷/۶ کتاب الاحسان، قاموس الفقہ)۔

فقہاء کرام کی تشریحات سے یہ بات اگرچہ ثابت ہے کہ مشترکہ خاندانی نظام من کے لئے شریعت وسعت اور گنجائش ضرور ہے، مگر فی زمانہ مفاسد زیادہ ہیں، مقاصد سے بہتر یہی ہے کہ خاندانی نظام کو اس طرح سے چلایا جائے کہ والدین کے حقوق بھی ادا ہوں اور کا بھی دیکھ بھال ہو۔ مثلاً ان کی امداد کا خیال بھرپور ہو اور شریعت کا کوئی حکم بھی پامال نہ ہو، اس لئے راقم کا خیال ہے کہ جداگانہ نظام خاندانی مشترکہ نظام سے بہتر ہے۔

۲- اگر مشترکہ خاندان ہو اور افراد خاندان کی ضروریات کے لئے سب مل کر خرچ دیں کسی کے بچہ زیادہ ہوں اور کسی کے کم ہوں تو کیا ان سب پر برابر اخراجات عائد کئے جائیں گے، یا ان کے بچوں کی تعداد کے لحاظ سے؟

جواب: ۲- اس طرح اگر مشترکہ نظام کے تحت کئی افراد ہوں، مثلاً تین بھائی ہوں اور ہر ایک اپنی تجارت، یا اور کوئی ملازمت وغیرہ کرتے ہوں، تو خانگی ضروریات میں سب مل کر خرچ کرنے میں یا تو فیصد طے کرلیں یا آپس میں جو بھی نوعیت ہو طے کرلیں۔ اس صورت میں بہتر ہے کہ آپس میں کوئی معاہدہ کرلیں تا کہ بعد میں نزاع کی صورت پیدا نہ ہو۔

الف- یا تو آپس میں ایک متعین مقدار ہر ایک کے ذمہ لازم کردے جس کو ہر ایک ادا کرتا ہے اور اس میں افراد اور بچوں کی تعداد کا کوئی تذکرہ نہ ہو، جیسے بعض خاندانوں میں دیکھنے میں آتا ہے۔

ب- یا پھر ہر ایک ضروریات کے لئے افراد اور بچوں کی حیثیت سے خرچ کے مقدار

Marfat.com

طے کریں یہ صورت نزاع کو ختم کرنے کے اعتبار سے بہتر ہے۔ اس لئے ہر شخص کے خرچ دے کر جو مال اس کے پاس ہے وہ اس کا مالک ہے، اس میں کسی کی شرکت نہیں ہے۔ اور گھریلو ضروریات میں بھی ہر ایک اس اعتبار سے اخراجات برداشت کرے کہ دوسرے پر ظلم نہ ہو، ہر ایک کی کمائی اس کے خرچ اس کے بچوں اور اولاد کے اعتبار سے ہو، اس لئے کہ یہ خاندانی نظام اگر بعد میں بھی کسی بھی وجہ سے جدا ہونے پر مجبور ہوں، جیسے والدہ کا انتقال ہو جائے اور اب ہر ایک وارث اپنا اپنا جداگانہ نظام چاہتا ہے تو ہر ایک کی بچی ہوئی رقم اس کی ہوگی اس میں دوسرے بھائیوں کا دعوی درست نہیں ہے۔

"إن زيداً يسكن مع أبيه عمرو في بيت واحد ويعيش، فليس لإخوانه بعد وفاة أبيه إدخال ما كسبه زيد في الشركة" (شرح مجلۃ الاحکام ۳/۴۵، دفعہ نمبر: ۱۳۹۸)۔

۳- اسی صورت میں اگر مختلف بھائیوں نے مل کر اپنے والد یا کسی بھائی کے پاس آمدنی جمع کی اور گھر کے اخراجات سے بچے ہوئے رقم سے کوئی چیز خریدی گئی تو اس میں سبھوں کا حصہ برابر ہوگا یا ہر ایک کی آمدنی کے لحاظ سے ہوگا۔

جواب: اس نوعیت کی مختلف شکلیں ہیں:

۱- مشترکہ نظام میں اگر چند بھائیوں نے مل کر اپنے سرپرست، مثلاً والد محترم کے پاس اپنی اپنی آمدنی جمع کی، اور اپنے سرپرست، یعنی باپ کو اس آمدنی کا مختار کل بنا کر اس کا مالک بنا دیا۔ پھر والد نے گھر کے اخراجات سے بچے ہوئے مال سے کوئی چیز خرید لی تو اب خریدی ہوئی اشیاء باپ کی ملکیت ہے۔ اور والد کے مرنے کے بعد ہر ایک بھائی کو برابر کا حصہ ملے گا (ابن مودود، الاختیار لتعلیل المختار ۲/۵۴)۔

اور "برہانیہ" میں قبضہ کی شرط تو باپ اس پر قابض ہے اور عرفاً بھی ایسا ہی ہے بیٹا اپنے باپ کو رقم کا مالک بنا دیتے ہیں۔

۲- دوسری شکل جو واضح ہے یہ ہے کہ اگر بھائیوں نے مل کر آمدنی تو اپنے والد کے

Marfat.com

پاس جمع کرایا۔ لیکن بطور امانت کے اور باپ کو اس مال کا مالک یا مختار نہیں بنایا اب والد نے گھر کے اخراجات سے بچی ہوئی رقم سے کوئی شئ خرید لی تو اس میں ہر ایک کا اس کی رقم اور آمدنی کے لحاظ سے ہوگا۔

"فشركة الأملاك للعين يرثها رجلان أو يشتريانها، فلا يجوز لأحدهما أن ينصرف فى نصيب الآخر، إلا بإذنه وكل واحد منهما فى نصيب صاحبه كالأجنبى" (ہدایہ)۔

چنانچہ شرکت املاک کوئی ایسی چیز ہے جس کے دو شخص وارث ہوں یا اسے دونوں نے مل کر خریدا ہو تو ان میں سے ہر ایک کے لئے دوسرے کے حصہ میں تصرف کرنا جائز نہیں، مگر اس کی اجازت سے اور دونوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کے حصہ میں اجنبی کی طرح ہوں گے۔

۴-اگر تین بھائی ہیں دو بھائی اپنی پوری تنخواہ مثلاً دس ہزار روپے گھر میں دے دیتے ہیں اور ایک بھائی بیس ہزار روپیہ کماتا ہے وہ بھی دس ہزار روپیہ گھر میں دیتا ہے اور دس ہزار الگ بچا کر رکھتا ہے تو وہ بچی ہوئی رقم صرف اس کی ملکیت ہوگی یا تمام بھائیوں کی۔

جواب: اگر تین بھائی ہیں دو بھائی پوری پوری تنخواہ دس دس ہزار روپیہ گھر خرچ کے لئے دیتے ہیں اور تیسرا بھائی بیس ہزار میں سے دس ہزار گھر خرچ کے لئے دے کر بقیہ دس ہزار الگ بچا کر رکھتا ہے تو بچی ہوئی رقم (دس ہزار) اس کی ہی ملکیت شمار ہوگی۔ دوسرے دونوں بھائیوں کو اس میں کوئی حصہ وغیرہ نہ ملے گا۔

"إن زيداً يسكن مع أبيه عمرو فى بيت واحد ويعيش من طعام أبيه وقد كسب مالاً آخر، فليس لإخوانه بعد وفاة أبيه إدخال ما كسبه زيد فى الشركة" (درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ۳/۴۴۵)، زید اپنے باپ عمرو کے ساتھ ایک گھر میں رہتا ہے اور اپنے باپ کے کھانے سے زندگی بسر کرتا ہے اور اس نے اپنی محنت سے دوسرا مال کمایا ہے تو اس کے باپ کی وفات کے بعد اس کے بھائیوں کو حق نہیں کہ زید نے جو مال کمایا ہے اس کو مال

Marfat.com

مشترک میں شامل کریں۔

"قال رسول الله ﷺ کل أحد أحق بماله من والده وولده والناس أجمعین" (سنن دار قطنی حدیث: ۴۵۶۸، سنن کبری للبیہقی حدیث نمبر: ۱۶۱۷، سنن سعید بن منصور: ۲۲۹۳)۔

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ہر ایک اپنے مال کا اپنے والد اولاد اور تمام لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ حقدار ہے۔

۵- اگر خاندان کے کچھ افراد کماتے ہیں اور کچھ گھر کے کام دیکھتے ہیں اور اس طرح گھر کا کام چلتا ہے تو کیا کمانے والے حضرات کی آمدنی میں کام کرنے والے حضرات بھی برابر کے حقدار ہوں گے۔

جواب: سوال کے نقاط کو دیکھنے سے اس صورت کی بھی مختلف شکلیں ہوسکتی ہیں:

الف- خاندان کے کچھ افراد گھر کے کام دیکھتے ہیں، اور کچھ افراد کمانے میں مشغول ہیں اس طرح سے دونوں کے تعاون سے گھر کا کام چلتا ہے تو بہتر اور مناسب یہ ہوگا کہ گھر کے کچھ وہ افراد جو گھر کے کام میں مشغول ہیں ان کی تنخواہ طے ہو جائے اور کمانے والے حضرات کی آمدنی خود ان کی ہو جائے۔ "فإذا کان الأب مزارعاً والابن صانع أحذية، فکسب الأب من المزارعة والابن من صنعة الحذاء، فکسب کل واحد منهما لنفسه ولیس للأب المداخلة فی کسب ابنه لکونه في عیاله" (درر الحکام ۴۴۵/۳)۔

(پھر اگر باپ کاشتکار ہو اور بیٹا جوتے بنانے والا ہو پھر باپ نے کاشتکاری سے کمایا اور بیٹے نے جوتے بنانے سے کمایا اور دونوں میں سے ہر ایک نے اپنے لئے کمائی کی تو کمائی خود اس کی ہوگی اور باپ کو اپنے بیٹے کی کمائی میں دخل دینے کا حق نہ ہوگا، اس لئے کہ کمانے والے جو ایک ساتھ رہتے ہیں اس کی آمدنی خود اس کی ملکیت ہے حتی کہ باپ کو بھی اس میں دخل کی گنجائش نہیں)۔

اس لئے گھر کام کرنے والے افراد کی تنخواہ پہلے ہی طے کرلیں تاکہ بعد میں کسی طرح

Marfat.com

کا کوئی آپسی تنازع نہ ہو۔

ب- دوسری شکل اگر سب مل کر باپ کے متروکہ مال یا مشترک مال سے شروع کردہ کاروبار کو بڑھانے میں لگے ہوں اور کچھ افراد گھر کے کام میں مشغول ہوں تو اس شکل میں آمدنی میں ہر ایک بھائی برابر کے شریک وحقدار ہوں گے۔

"کذلک لو کان إخوة أربعة فی عائلة واحدة وسعوا فی تکثیر وتنمیة الأموال الموروثة عن أبیهم فتنقسم الأقسام بینهم بالسویة، ولا ینظر إلی اختلاف عملهم واختلاف رأیهم" (درر الحکام ۳/۴۴۵)۔

(اگر چار بھائی مشترک خاندان میں ہوں اور انہوں نے باپ سے وراثت میں ملے ہوئے مال کو بڑھانے کی کوشش کی تو برابری کے ساتھ ان کے درمیان حصے تقسیم کئے جائیں گے، اور ان کے عمل اور ان سبھوں کی رائے کے اختلاف کو پیش نظر نہیں رکھا جائے گا)۔

ج- تیسری شکل اگر ایک بھائی کا ذاتی کاروبار ہو اور دوسرے بھائی جن کا رہنا سہنا کھانا پینا ایک ساتھ ہو، لیکن کاروبار میں اس بھائی کے ساتھ کام کریں بطور تعاون تو یہ کام کرنے والے تعاون کرنے والے ہوں گے۔ اور پوری آمدنی اس بھائی کی ہوگی جس کا کاروبار ہے۔

"کذلک لو کان فی عیال أحد ولد له وإخوان وعملوا فی معیشة واکتسبوا أموالاً، فکافة الکسب لذلک الشخص ویکون هؤلاء معین له" (درر الحکام ۳/۴۴۵)۔

(ایسے میں اگر کسی کی کفالت میں اس کے بچے اور بھائی ہوں اور وہ ایک صنعت میں کام کریں اور مال کمائیں تو ساری آمدنی اس شخص کی ہوگی اور یہ لوگ اس کی مدد کرنے والے ہوں گے)۔

۶- والدین زندگی بھر بچوں کی خدمت بھی کرتے ہیں اور کفالت بھی، اور بڑھاپے میں انہیں خدمت اور کفالت کی ضرورت ہوتی ہے، اب سوال یہ ہے کہ والدین کی خدمت

Marfat.com

وکفالت بیٹوں پر واجب ہے یا بیٹیوں پر بھی، اور اس سلسلہ میں بہو کی ذمہ داری کیا ہے، خاص کر جب بیٹیاں سسرال چلی جائیں اور ماں کو اپنی ضروریات کے لئے تعاون کی ضرورت ہو، اور وہ تعاون ایسا ہو جس کو بیٹا خود انجام نہ دے سکتا ہو تو بہو پر اس خدمت کو بجالانا واجب ہوگا یا نہیں؟

جواب: باپ کا نفقہ اس رشتہ کی بنا پر اس کا نفقہ اپنی اولاد کے ذمہ واجب ہے، بشرطیکہ وہ کمانے سے معذور نہ ہو، لیکن عملاً بے روزگار اور تنگ دست ہو اور اپنی کفالت خود کرنے سے قاصر ہو، نیز اولاد کو یہ حق بھی نہ ہوگا کہ وہ باپ کو کمانے اور خود مکتفی ہونے کا مطالبہ کرے، اگر ایک شخص کے چند بچے ہوں اور سبھی معاشی اعتبار سے خوش حال ہوں تو نفقہ سبھوں پر مساوی تقسیم ہوگا اور اگر اس کی اولاد میں لڑکے بھی ہوں اور لڑکیاں بھی جو بذات خود مال رکھتی ہوں تو نفقہ ذکور (لڑکے) اور اناث (لڑکیاں) دونوں پر برابر تقسیم ہوگا، اور کمی بیشی نہ ہوگی (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/۵۸۸)۔ واضح ہو کہ یہ حکم اس وقت ہے جب لڑکیاں خود مالک جائداد ہوں شوہر کی مملوکہ جائداد کی وہ مالکہ نہیں سمجھی جائے گی (قاموس الفقہ ۱/۴۵۵)۔

لہذا والدین کی کفالت وخدمت بیٹے پر خاص طور پر اور بیٹوں پر اگر مال دار ہوں۔

"یجب علی الولد الموسر کبیراً کان أو صغیراً ذکراً أو أنثی نفقة والدیه وأجداده وجداته الفقراء ولا یشارک الولد الموسر أحد فی نفقة أصوله المحتاجین" (مجموعہ قدوری پاشا دوم ۲/۴۰۲)۔

(صاحب مال اولاد پر، خواہ وہ بالغ ہو یا نابالغ اسی طرح وہ صاحب مال مذکر ہوں یا مؤنث ان کے محتاج والدین اور اصول (دادا، نانا اور دادی ونانی) کا نفقہ واجب ہے۔ اور ان کے محتاج اصول کے نفقہ کے سلسلے میں کوئی مالدار اولاد اس کا شریک نہ ہوگا)۔

اور "فتاوی ہندیہ" میں ہے:

"ویجبر الولد الموسر علی نفقة الأبوین المعسرین" (عالمگیری ۱/۵۶۴)۔

اور مالدار اولاد کو محتاج والدین کے نفقہ پر مجبور کیا جائے گا، چاہے وہ مذکر ہوں یا

Marfat.com

مؤنث، اس لئے کہ لفظ اولاد دونوں کو مشترک ہے، مذکر کو بھی اور مونث کو بھی۔

۷- مشترکہ خاندان میں بہت سی دفعہ چچا زاد بھائی بہن یا اس طرح کے دوسرے قریبی رشتہ داروں کا ایک دوسرے سے آمنا سامنا ہوتا ہے، ایک ہی گھر میں خاص کر جب کہ وہ تنگ بھی ہو، رہنے کے باوجود ایک دوسرے سے مکمل پردہ نہیں ہو پاتا، اس صورت میں پردہ کا کیا احکام ہوں گے؟

جواب: مشترکہ خاندانی نظام کی کچھ وہ خرابیاں جو راقم نے تحریر کیا ہے اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ مشترکہ خاندانی نظام میں پردہ سے متعلق لوگ بہت غفلت میں مبتلا ہیں۔ اس سلسلہ میں لوگ مطمئن ہیں کہ دین کے احکامات سماج کے اقدار پر ہوں۔ چاہے وہ خلاف شرع ہی کیوں نہ ہوں، حجاب معاشرے کی برائیوں کو روکنے میں اور بے حیائی کو ختم کرنے کے لئے نسخہ عظیم ہے، تھوڑی سی نفع کی امید میں راس المال کو ضائع نہ کیا جائے۔ مشترکہ خاندانی نظام کے بہانے اس حکم الٰہی کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے، اسی کو حضرت عائشہؓ جیسی بالغ نظر فقیہہ نے واضح طور پر فرمایا کہ گو حضور ﷺ نے عورتوں کو مسجد میں نماز ادا کرنے کی اجازت دی ہے۔ لیکن اگر آپ آج کی عورتوں کے حالات دیکھتے تو ضرور اس سے منع فرمادیتے۔ "لو أدرک رسول الله ﷺ ما أحدثت النساء لمنعهن" (درمختار علی الرد ۲۶۱/۳)۔

ہمارے زمانہ کے سماج کے بارے میں یہ سمجھنا کہ مردوں کی نظر عورتوں کے چہرے پر غیر شرعی جذبات سے عاری ہو کر آمنا سامنا ہوگا محض ایک خوش خیالی اور خام فکری ہے، بہر حال غیر محرم رشتہ دار سے پردہ سے متعلق جبکہ ایک مشترکہ خاندانی نظام سے وابستہ ہوں قدرے نرمی ضرور ہے۔ چونکہ کثرت سے آمد و رفت ہوا کرتی ہے، اس لئے ان سے چہرے کے پردہ میں ایک گونہ دقت ہے، اس لئے بد نگاہی و شہوت کا اندیشہ نہ ہو تو ایسے رشتہ داروں کے سامنے چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنے کا جواز معلوم ہوتا ہے، اس کی دلیل وہ روایات ہیں جن سے حضور اکرم ﷺ کا حضرت اسماءؓ کو دیکھنا یا فتح مکہ کے موقع پر حضرت ام ہانیؓ کو دیکھنا معلوم ہوتا ہے۔ اگر تلاش و تتبع کی

Marfat.com

جائے تو اس طرح کی اور نظیریں بہ آسانی مل سکتی ہیں۔

''بزازیہ'' کی ایک عبارت سے بھی اس طرح اشارہ ہوتا ہے کہ اجنبی اور ذی رحم کے حکم میں یہ فرق ہے، بشرطیکہ شہوت کا بالکلیہ اندیشہ اور خوف نہ ہو۔ اور اگر اندیشہ شہوت موجود ہوں تو دونوں صورتوں میں حکم یکساں ہیں: ''والحکم ما الفرق بین الأجنبی وذی الرحم إذا کان النظر لا عن شهوة، فأمّا بالشهوة، فلا یحل لأحد النظر'' (بزازیہ علی الہندیہ ۶/۳۴۴)۔

پردہ میں اجنبی اور ذی رحم کے درمیان فرق یہ شرط ہے کہ ذی رحم میں شہوت نہ ہو اور اگر شہوت ہے تو پھر پردہ کے معاملہ میں دونوں اجنبی اور ذی رحم برابر ہے، لہذا مشترکہ خاندانی نظام میں اپنی سہولت کی گنجائش ہے، جیسا کہ فقہاء کرام کی تشریحات سے معلوم ہوا، چہرہ اور ہتھیلیاں کھلا رکھے نہ کے دوسرے عضو (قاموس الفقہ)۔

Marfat.com

مشترکہ اور جداگانہ نظام ـــــ بہتر کون؟

مولانا محمد فخر عالم نعمانی ☆

حضور ﷺ کی خانگی زندگی:

جداگانہ خاندانی نظام حضور ﷺ کی خانگی زندگی سے مشابہت رکھتا ہے، اس لئے کہ حضور ﷺ کے پاس بیک وقت نو بیویاں تھیں (مشکوۃ شریف ۴۴۷) اور تمام ازواج کا قیام وطعام جداگانہ تھا، سب کے حجرے الگ الگ تھے، جبکہ حضور ﷺ کی ازواج مطہرات سے زیادہ پاک دل اور ان سے بڑھ کر دوسروں کے حقوق کی رعایت کرنے والا دنیا میں کون ہوسکتا ہے؟ جیسا کہ قرآن شاہد ہے (سورہ احزاب ص ۳۲)، اگر ان کا مشترکہ نظام بنتا تو ہر قسم کی شرعی قباحت سے انکا بچنا دوسروں کے مقابلے میں بہت آسان تھا، لیکن اس کے باوجود حضور ﷺ نے مشترکہ نظام اختیار نہیں فرمایا اور تمام ازواج مطہرات کے لئے قیام وطعام کا جداگانہ نظام قائم فرمایا۔

صحابۂ کرامؓ کی زندگی:

جداگانہ نظام کی تائید حضرت علیؓ کی رہائش سے بھی ہوتی ہے، تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ حضرت علیؓ (حضرت فاطمہؓ کے ساتھ نکاح سے پہلے) حضور ﷺ کے ساتھ رہتے تھے اور انہی کی کفالت میں تھے، لیکن حضرت فاطمہؓ سے نکاح کے بعد حضور ﷺ نے ان کو حضرت حارثہ بن نعمان کے خالی مکان میں منتقل فرمادیا، اس کے بعد ہمیشہ انکا اپنا گھریلو نظام

Marfat.com

الگ رہا (سیرت النبی ۱/۲۱۱ ص ۱/۲۱۲)۔ جداگانہ نظام اگر پسندیدہ (بہتر) نہ ہوتا تو حضور ﷺ کو کیا ضرورت تھی حضرت علیؓ کو اپنے پاس سے ہٹا کر حضرت حارثہ بن نعمان کے خالی مکان میں رکھنے کی؟ ان دونوں واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ مشترکہ خاندان کے بالمقابل جداگانہ خاندانی نظام بہتر ہے، لہٰذا ہر والدین کو اپنے لڑکے کی شادی کے بعد الگ رہائش کر دینا چاہئے، جیسا کہ حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کے ساتھ کیا، کیونکہ حضرت علی حضور ﷺ کی ہی کفالت میں تھے۔

جداگانہ نظام فقہاء کی نظر میں:

اللہ تعالیٰ نے شوہروں پر بیوی کے لئے فراہم رہائش کو واجب فرمایا ہے، قرآن میں ہے: واسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم ولا تضاروھن لتضیقوا علیھن (سورہ طلاق:۶)۔

(عورتوں کو رہنے کی جگہ دو جو تمہاری حیثیت کے مطابق ہو اور ان کو تکلیف نہ پہنچاؤ کہ وہ تنگ آ جائیں)۔

فقہاء کرام نے اس آیت کے ذیل میں رہائش کی تصریح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جداگانہ اور مخصوص مکان کی فراہمی عورت کا شرعی حق ہے جس میں وہ شخصی زندگی گزار سکے اور جو شوہر کے گھر والے اور رشتہ داروں کی آمد و رفت سے محفوظ ہو۔ صاحب "بدائع الصنائع" فرماتے ہیں: "ولو أراد الزوج أن یسکنها مع ضرتها أو مع أحمائها کأم الزوج وأخته وبنته من غیرها وأقاربه، فأبت ذلک علیه أن یسکنها فی منزل مفردٍ، لأنه ربما یؤذینهما ویضرون بها فی المساکنة، وإبائها دلیل الأذی والضرر" (بدائع الصنائع ۴۲۸/۳-۴۲۹ کتاب النفقة)۔

(اگر شوہر اپنی بیوی کو اس کے سوکن، دیوروں، شوہر کی ماں، بہن، لڑکی یا دیگر رشتہ داروں کے ساتھ رکھنا چاہے اور عورت اس کے لئے راضی نہ ہو تو شوہر پر لازم ہے کہ اس کو جداگانہ و علیحدہ مکان میں رہائش دے، اس لئے کہ ایک ساتھ رہنے میں تکلیف ہو سکتی ہے اور

Marfat.com

عورت کا انکار اس کی علامت ہے)۔

بعض فقہاء کرام نے یہ واضح کیا ہے کہ متوسط گھرانوں میں کمرہ کے ساتھ مطبخ، بیت الخلاء اور پانی کا انتظام بھی جداگانہ ہونا چاہئے۔ شامی میں ہے:

ومراده لزوم كنيف ومطبخ وينبغي الإفتاء به (درمختار) أي بيت الخلاء وموضع الطبخ بأن يكونا داخل البيت أو في الدار لايشاركها فيهما أحد من أهل الدار، قلت: وينبغي أن يكون هذا في غير الفقراء الذين يسكنون في الربوع والأحواش بحيث يكون لكل واحد بيت يخصه، وبعض المرافق مشتركة كالخلاء وتنور وبئر الماء (شامی ۲۵۵/۵ کتاب الطلاق)۔

فقہاء کرام کی ان عبارات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامی شریعت نے رہن سہن کے معاملے میں ہر فرد کی شخصی (پرائیویسی) زندگی اور اس کے تقاضوں کا پورا خیال رکھا ہے اور کسی فرد کو مشترکہ طور پر زندگی گزارنے کے لئے مجبور نہیں کیا ہے، پس شریعت کے عام اصول کے مطابق (دفع مضرت جلب منفعت سے زیادہ ضروری ہے) بعض اہم مقاصد کے حصول کے لئے مشترکہ خاندانی نظام کے بجائے دفع مضرت کے لئے جداگانہ خاندانی نظام زیادہ لائق ترجیح اور قابل قبول ہوگا۔

گھر کے اخراجات کی تقسیم میں بچوں کی تعداد کا لحاظ:

(۲) اگر مشترکہ خاندان ہو اور افراد خاندان کی ضروریات کے لئے سب مل کر خرچ کریں کسی کے بچے زیادہ ہوں اور کسی کے بچے کم تو کیا ان سب پر برابر اخراجات عائد کئے جائیں گے یا ان کے بچوں کی تعداد کے لحاظ سے؟

عقل اور قیاس کی رو سے لگتا ہے کہ جس کے بچے زیادہ ہوں اس پر زیادہ اخراجات عائد کئے جائیں اور جس کے بچے کم ہوں ان پر کم اخراجات عائد کئے جائیں، لیکن کوئی دانشمند آدمی یہ نہیں کہتا ہے کہ مشترکہ نظام میں جس کی خوراک اور قد وقامت زیادہ ہو اس پر زیادہ

Marfat.com

اخراجات عائد ہوں اور جس کی خوراک اور قد وقامت پست اور کم ہوں تو اس پر کم اخراجات عائد ہوں، اس لئے کہ ہر آدمی کی خوراک وصحت ایک جیسی نہیں ہے کوئی موٹا، لمبا ہے تو کوئی چھوٹا، ناٹا ہے۔ موٹا، لمبا ہے تو اس کے کپڑے وغیرہ میں خرچ زیادہ لگیں گے دبلا وچھوٹا ہے تو اس کے کپڑے وغیرہ میں خرچ کم لگیں گے۔ ظاہر بات ہے کہ مشترکہ نظام میں ان سب تفاوت کا اعتبار نہیں، کیونکہ مشترکہ نظام میں باہمی تعاون کے جذبہ کی بنیاد پر اس طرح کے تفاوت کو نظر انداز کیا جاتا ہے اور یہی مشترکہ نظام کی روح ہے، مشترکہ نظام کے مقصد کا تقاضا ہے کہ سب پر برابر اخراجات عائد کئے جائیں۔ بچوں کی تعداد کا لحاظ نہ کیا جائے، تاکہ مشترکہ نظام کی روح اور اس کے مقاصد باقی رہیں، ورنہ ایک خطرناک صورت ظاہر ہوگی جس سے مشترکہ نظام کا شیرازہ پارہ پارہ ہو جائے گا۔ مشترکہ نظام کا مشہور طریقہ ہے کہ خاندان کا ہر فرد اپنی طاقت ووسعت کے مطابق کام کرے اور اپنی حیثیت کے بقدر حصہ داری نبھائے۔ مشترکہ نظام میں آمدنی وخرچ کا تناسب نہیں دیکھا جاتا ہے، بلکہ ہر فرد کو اس نظام کا رکن (ممبر) سمجھا جاتا ہے، مشترکہ نظام میں والد یا امیر کنبہ کا اصل ہوتا ہے اور باقی لوگ اس کے مددگار سمجھے جاتے ہیں اور اصل کے واسطے سے موجودہ چیزوں پر سب کا حق برابر مانا جاتا ہے۔ اس مسئلے کی تائید فقہاء کرام کی اس عبارت سے ہوتی ہے۔

"وكذا لو اجتمع أخوة يعملون فى تركة أبيهم ونمى المال فهو بينهم سوية، ولو اختلفوا فى العمل والرأى (شامی ۶/ ۳۹۲ فصل فی الشرکۃ الفاسدۃ)۔

اگر کئی بھائی مل کر باپ کے ترکہ سے کاروبار کریں تو منافع (فائدہ) میں سب برابر کے شریک ہوں گے۔ اگرچہ کام وتجربات کے لحاظ سے ان میں فرق ہو۔ یہ عبارت اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ شرکاء کے درمیان محنت وعمل میں واضح فرق کے باوجود تمام شرکاء منافع میں برابر کے حقدار ہوں گے۔

"الأب وابنه يكتسبان فى صدقة واحدة، ولم يكن لهما شئ كالكسب

Marfat.com

فکله للأب إن کان الابن فی عیاله لکونه معینا، ألا تری لو غرس شجرة تکون للأب" (شامی ۶/ ۳۹۲ ،فصل فی الشرکة الفاسدة)۔

باپ بیٹے دونوں ایک ساتھ مل کر کوئی کام کرتے ہوں اور دونوں میں سے کسی کا مال لگا ہوا نہ ہو۔

مثلاً مزدوری (کاریگری) کرتے ہوں، پس اگر بیٹا باپ کے ساتھ رہ رہا ہو تو ساری کمائی باپ کی ہوگی اور بیٹا صرف اس کا مددگار مانا جائے گا۔عبارت بالا میں بیٹے کی آمدنی کا مالک باپ کو قرار دینا ثابت کرتا ہے کہ اس آمدنی میں ان بھائیوں کا بھی حق ہوگا جو باپ کے ساتھ اس مال کے کمانے میں شریک نہیں ہیں۔

بچی ہوئی رقم سے خریدی گئی چیز کا حکم:

۳-اگر مختلف بھائیوں نے مل کر اپنے والد یا کسی بھائی کے پاس آمدنی جمع کی اور گھر کے اخراجات سے بچی ہوئی رقم سے کوئی چیز خریدی گئی تو اس میں سبھوں کا حصہ برابر ہوگا۔یا ہر ایک کی آمدنی کے لحاظ سے ہوگا؟

تمام بھائیوں کا حق برابر ہوگا۔علامہ شامی نے اپنی کتاب شامی میں ایک عنوان لگایا ہے:

"مطلب اجتمعا فی دار واحدة واکتسبا ولا یعلم التفاوت فهو بینهما بالسویة" کہ گھر کے مختلف لوگ کام کر کے والد یا امیر کنبہ کے پاس جمع کرتے ہوں اور تفاوت معلوم نہ ہو تو سب لوگوں کا حق برابر ہوگا، آمدنی کے فرق کا لحاظ نہیں ہوگا، کیونکہ فقہاءعظام نے لکھا ہے کہ ہر ایسا مشترک معاملہ جہاں کئی شرکاء کی ملکیتیں مل جائیں اور امتیاز نہ رہے وہاں تمام شرکاء کا حق برابر مانا جائے گا۔شامی میں ہے:

"وما حصله أحدهما فله وما حصلاه معاً فلهما إن لم یعلم مالکه (در مختار) قوله وما حصلاه معاً یعنی ثم خلطاه وباعاه ...... وإن لم یعرف مقدار ماکان لکل منهما صدق کل واحد منهما أی النصف؛ لأنهما استویا فی

Marfat.com

الاكتساب و كان المكتسب فى أيديهما فظاهر أنه بينهما نصفان ...... ويؤخذ من هذا ما أفتى به فى الخيرية فى زوج امرأة وابنها اجتمعا فى دار واحدة، وأخذ كل منهما يكتسب عليحدة، يجمعان كسبهما، ولا يعلم التفاوت ولا التساوى ولا التميز، فأجاب بأنه بينهما سوية" (شامی ۶/۳۹۲ فصل فی الشرکۃ الفاسدۃ)۔

(مال ایک نے حاصل کیا تو اسی ایک کو ملے گا اور دونوں نے مل کر حاصل کیا تو دونوں کو آدھا آدھا ملے گا دونوں نے ساتھ حاصل کیا، پھر دونوں نے مال کو ملا کر بیچا...... اگر دونوں کی الگ الگ مقدار معلوم نہ ہو تو نصف تک ہر ایک کی بات مانی جائے گی، اس لئے کہ کمانے میں دونوں شریک ہیں اور گویا کہ کمایا ہوا مال دونوں کے قبضے میں ہے، پس ظاہر ہے کہ دونوں کے درمیان آدھی آدھی تقسیم ہوگی...... اسی بنیاد پر فتاوی خیریہ میں ایک جزئیہ یہ بیان کیا گیا کہ عورت کا شوہر اور اس کا بیٹا دونوں ایک گھر میں رہتے ہوں اور علیحدہ علیحدہ کماتے ہوں اگر دونوں اپنی کمائی کو ملا دیں اور پتہ نہ چل سکے کہ کس کا کتنا حصہ ہے تو دونوں کا حق برابر ہوگا)۔

اس عبارت سے یہ مسئلہ واضح ہوگیا کہ والد یا امیر کنبہ کے پاس جمع شدہ رقم میں سب کا برابر حق ہوگا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ تفاوت معلوم نہ ہو اور امتیاز نہ رہا ہو اور اگر تفاوت معلوم ہو اور امتیاز اور تعیین ممکن ہو، جمع کا تناسب معلوم ہو تو جس تناسب سے رقم جمع کی گئی اسی تناسب سے ہر ایک کا حصہ ہوگا۔ جیسا کہ عالمگیری میں مذکور ہے: "إلا إذا كان لها كسب عليحدة، فهو لها، كذا فى القنية (فتاوی عالمگیر ۲/۳۲۹ کتاب الشرکۃ)۔ مگر جبکہ اس کی کمائی الگ ہو تو وہ کمائی اسی کی ہوگی۔

زیادہ کمانے والے بھائی کی زائد آمدنی میں دوسرے بھائیوں کا حق:

(۴) اگر تین بھائی ہیں دو بھائی اپنی پوری تنخواہ مثلاً دس ہزار روپے گھر میں دے دیتے ہیں اور ایک بھائی بیس ہزار روپے کماتا ہے وہ بھی دس ہزار روپے گھر میں دیتا ہے اور دس ہزار روپے الگ بچا کر رکھتا ہے تو وہ بچایا ہوا روپیہ صرف اسی کا ہوگا اس میں دوسرے بھائیوں کا کچھ

Marfat.com

بھی حق نہ ہوگا۔ اس لئے کہ یہ روپیہ شرکت کے دائرے سے خارج ہے، یہ اس کی ذاتی ملک ہے، جس کو اس نے اپنے لئے جمع کیا ہے۔ شرکت تمام بھائیوں کی صرف اسی مال میں ہوگی جو اس غرض سے اس میں شامل کیا جائے گا اور اس روپیہ میں جس کو اس نے الگ کر رکھا ہے اس میں کسی بھائی وغیرہ کا کچھ حق و حصہ نہ ہوگا۔

کمانے والے حضرات کی آمدنی میں گھر کا کام کرنے والوں کا حصہ:

(۵) اگر خاندان کے کچھ افراد کماتے ہیں اور کچھ گھر کا کام دیکھتے ہیں اور اس طرح گھر کا کام چلتا ہے تو کیا کمانے والے حضرات کی آمدنی میں کام کرنے والے حضرات بھی برابر کے حقدار ہوں گے؟

مسئلے کی دو شکل بن سکتی ہے:

(الف) مشترک کاروبار ہو کچھ لوگ کاروبار میں لگے ہوں اور کچھ افراد گھر کے معاملات دیکھتے ہوں تو کاروبار میں لگے افراد کی آمدنی میں گھر کے کام کرنے والے حضرات بھی برابر کے حصہ دار ہوں گے، کیونکہ گھر اور کاروبار دونوں کے شرکاء ایک ہیں فقط کام کو تقسیم کر دیا گیا ہے۔

(ب) کاروبار مشترک نہ ہو، بلکہ کچھ لوگ اپنے اپنے طور پر کام کرتے ہوں اور کمائی میں سے کچھ رقم گھر کے خرچ کے لئے دیتے ہوں اور کچھ اپنے پاس جمع کر لیتے ہوں اور کچھ لوگ گھر کے کام میں مشغول ہوں، کوئی آمدنی والا کام نہ کرتے ہوں تو کمانے والے کی اس رقم میں جو گھر کے خرچ کے لئے دی ہے سارے افراد برابر کے حصہ دار ہوں گے، لیکن وہ رقم جو کمانے والے نے اپنے پاس محفوظ رکھی ہے اس میں دوسرے حضرات حقدار نہ ہوں گے، کیونکہ جو مال انسان کی ذاتی ملکیت سے نہیں نکلا اس پر دوسرے کا حق کیسے ثابت ہو سکتا ہے؟

Marfat.com

والدین کی خدمت اوران کی ذمہ داریاں:

(۶) والدین ساری زندگی بچوں کی خدمت کرتے ہیں اور کفالت بھی اور بڑھاپے میں انہیں خدمت وکفالت کی ضرورت ہوتی ہے؟ شریعت مطہرہ ایسے وقت میں والدین کی خود کفالت کی ذمہ داری اولاد پر عائد کرتی ہے، حق تعالیٰ نے والدین کے ادب واحترام اوران کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کو اپنے شکر کے ساتھ ملا کر واجب فرمایا ہے، جیسا کہ "سورہ لقمان" میں اپنے شکر کے ساتھ والدین کے شکر کو لازم فرمایا ہے: "أن اشکر لی ولوالدیک" (سورہ لقمان: ۱۴) (یعنی میرا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا بھی) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ جل شانہ کی عبادت کے بعد والدین کی اطاعت سب سے اہم ہے اور اللہ تعالیٰ کے شکر کی طرح والدین کا شکر گزار ہونا واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

"وبالوالدین إحساناً إما یبلغن عندک الکبر أحدهما أو کلاهما" (بنی اسرائیل: ۲۳)۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو اگر پہنچ جائیں تیرے پاس، یعنی تیری کفالت میں ان دونوں میں کا ایک یا دونوں حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص اپنے والد کے ساتھ حاضر ہوا اور عرض کیا، "یا رسول الله إن لی مالا وإن لی أبا وله مال وإن أبی یرید أن یأخذ مالی فقال رسول الله ﷺ: أنت ومالک لأبیک" (ابوداؤد شریف ۲/۱۵۰ کتاب البیوع باب الرجل یاکل من مال ولدہ، ابن ماجہ ۱۶۵ ابواب التجارات)۔

یارسول اللہ میرے پاس مال ہے اور میرے والد کے پاس بھی مال ہے پھر بھی میرے والد میرا مال لینا چاہتے ہیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کا ہے۔

اگر نابالغ یا معذور اولاد ماں باپ کی کفالت میں ہو تو ماں باپ کے ساتھ ان کی چھوٹی اولاد کا نفقہ بھی حسب گنجائش کمانے والی اولاد پر واجب ہوگا (بدائع الصنائع ۳/۴۴۳ کتاب النفقة، فتاوی عالمگیری ۱/۵۶۱ نفقة ذوی الارحام)۔

Marfat.com

بیٹی کی ذمہ داری: والدین کی خدمت وکفالت کی ذمہ داری صرف بیٹوں پر ہی نہیں ہے بلکہ والدین کی خدمت وکفالت کی ذمہ داری بیٹوں اور بیٹیوں دونوں پر برابر ہے (شامی ۲۸۱/۵، باب نفقۃ الاصول فتاوی عالمگیری ۱/ ۵۶۴، نفقۃ ذوی الارحام)۔

اگر والدین چلنے پھرنے سے مجبور ہوں اور ان کی دیکھ ریکھ کرنے والا کوئی نہ ہو صرف ایک شادی شدہ بیٹی ہو جو اپنے سسرال میں رہتی ہو تو اس بیٹی کی ذمہ داری ہے کہ وہ باپ کے گھر آ کر ماں باپ کی دیکھ ریکھ کرے، خواہ اس کا شوہر راضی ہو یا نہ ہو (شامی ۲۵۷/۵ کتاب الطلاق)۔

بہو کی ذمہ داری:

شریعت اسلامیہ نے بہو پر شوہر کے والدین کے لئے کوئی ذمہ داری قانوناً نہیں سونپی ہے، بلکہ وہ جس شخص کی بیوی ہے اس کی خدمت بھی اس کے اوپر واجب نہیں ہے، اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر شوہر بغیر پکا ہوا کھانا لائے اور عورت پکانے سے انکار کردے تو عورت کو مجبور نہیں کیا جائے گا، بلکہ شوہر کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ بیوی کے لئے پکا ہوا کھانا لائے۔

"امتنعت المرأة) عن الطحن والخبز ...... فعليه أن يأتيها الطعام مهيأً"

(شامی ۲۳۱/۵ کتاب الطلاق بدائع الصنائع ۴۳۰/۳ کتاب الفقہ)۔

اس عبارت سے پتا چلتا ہے کہ عورت کو شوہر کے کام کے لئے مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے تو شوہر کے والدین کی خدمت اور دیکھ ریکھ کے لیے کیسے مجبور کیا جا سکتا ہے؟ ہاں اخلاقی طور پر اور "المعروف کالمشروط" کی بنیاد پر شوہر کے والدین کی خدمت و دیکھ ریکھ کی ذمہ داری عائد کی جا سکتی ہے۔

غیر محرم رشتہ داروں سے پردہ:

(۷) مشترکہ خاندانی نظام میں ایک بڑا مسئلہ غیر محرم رشتہ داروں سے پردہ کا ہے۔ دراصل اسلام نے جن چیزوں کو جرائم اور انسانیت کے لئے مضر قرار دیکر قابل سزا جرم کہا ہے ان

Marfat.com

کے مقدمات پر بھی پابندی عائد کی اور ان کو ممنوع قرار دیا اس معاملے میں مقصود اصلی زنا اور بدکاری سے بچانا تھا تو "یغضوا من أبصارھم" (سورہ نور: ۳۰) کہہ کر نظر نیچے رکھنے کے قانون سے شروع کیا۔ "فسئلوھن من وراء حجاب" (سورہ احزاب: ۵۳) کہہ کر عورتوں مردوں کے بے محابا اختلاط کو روکا۔ "وقرن فی بیوتکن" (سورہ احزاب: ۳۳) فرما کر عورتوں کو گھروں کی چہار دیواری میں محدود رکھنے کی ہدایت کی اور "ویدنین علیھن من جلابیبھن" (سورہ احزاب: ۵۹) کہہ کر ضرورت کے وقت برقع یا لمبی چادر سے پورا بدن چھپا کر اور سڑک کے کنارے چلنے کی ہدایت دی۔

عورتوں کا پردہ شرعاً سد ذرائع کے اصول پر مبنی ہے۔ قرآن کریم میں ہے: "وإذا سألتموھن متاعاً فسئلوھن من وراء حجاب ذلکم أطھر لقلوبکم وقلوبھن" (سورہ احزاب: ۵۳)۔

جب مانگنے جاؤ بیویوں سے کوئی چیز کام کی تو مانگو پردے کے باہر سے اس میں خوب ستھرائی ہے، تمہارے دل کو اور ان کے دل کو، یعنی عورتوں سے اگر دوسرے مردوں کو کوئی استعمال چیز برتن، کپڑا وغیرہ لینا ضروری ہو تو سامنے آ کر نہ لیں، بلکہ پردہ کے پیچھے سے مانگیں یہ پردے کا حکم مردوں اور عورتوں دونوں کے دلوں کو نفسانی وساوس سے پاک رکھنے کے لئے دیا گیا ہے۔

اس آیت میں قابل غور بات یہ ہے کہ پردے کا حکم جن عورتوں اور مردوں کو دیئے گئے ہیں۔ ان میں عورتیں تو ازواج مطہرات ہیں جن کے دلوں کو پاک وصاف رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے خود ذمہ لیا ہے جس پر "لیذھب عنکم الرجس أھل البیت" (سورہ احزاب: ۳۳) دال ہے۔

(تا کہ دور کردے تم سے گندی باتیں اے نبی کے گھر والو)۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے: عن عقبة بن عامر رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله ﷺ قال: إیاکم والدخول علی النساء فقال: رجل من الأنصار أفرأیت الحمو؟ قال الحمو الموت (رواہ البخاری ومسلم والترمذی) والحم ھو اخو الزوج

Marfat.com

ومن أولى به كالاخ والعم وابن العم ونحوهم، وهو المراد ههنا كذا فسره لليث بن سعد وغيره" (کذا فی الترغیب للمنذر ۶۶/۳)۔

(حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عورتوں کے پاس جانے سے بچو۔ ایک انصاری صحابیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ دیور کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دیور تو موت ہے)۔

عام طور پر دیور وغیرہ سے لوگ مذاق اور بے تکلفی کا رشتہ تصور کرتے ہیں، اس لئے وہاں تنہائی اور بے پردگی اور بھی زیادہ خطرناک ہے۔

اس حدیث سے تمام قریبی غیر محرم رشتہ داروں کا بھی حکم معلوم ہوگیا، جیسا کہ حدیث کی تفسیر سے واضح ہے، کیونکہ قریبی رشتہ داروں سے بھی بے تکلفی میں خطرات اور فتنہ میں پڑنے کا زیادہ امکان ہوتا ہے۔ اس لئے حتی الامکان قریبی غیر محرم رشتہ داروں سے بھی پردہ میں احتیاط کرے۔ تنہائی میں اکٹھا ہونے سے پرہیز کرے، ہنسی مزاق اور بے تکلفی سے دور رہے اور دل ونگاہ کو پاک وصاف رکھے۔

اس کے بعد بھی اگر مشترک نظام اور کئی خاندان کے ایک ساتھ رہنے کی وجہ سے جہاں ایک دوسرے کا آمنا سامنا ہونے سے بچنا بہت مشکل ہو سامنا ہو جائے اور نظر پڑ جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

سوالات کے مختصر جوابات:

۱- دور حاضر میں مختلف مصلحتوں کے مدنظر مشترکہ خاندانی نظام کے مقابلے میں جداگانہ خاندانی نظام بہتر ہے اور اس میں شرعی حدود کی زیادہ پاسداری ہے دوسروں کے حقوق کی زیادہ رعایت اور منہی عنہ سے تحفظ زیادہ ممکن ہے۔

۲- اگر مشترکہ خاندان ہو اور افراد خاندان کی ضروریات کے لئے سب مل کر خرچ دیں تو سب پر برابر اخراجات عائد کئے جائیں گے، خواہ کسی کے بچے کم ہوں یا زیادہ۔

Marfat.com

۳- صورت مذکورہ میں اگر مختلف بھائیوں سے مل کر اپنے والد یا کسی بھائی کے پاس آمدنی جمع کی اور گھر کے اخراجات سے بچی ہوئی رقم سے کوئی چیز خریدی گئی تو اس میں سبھی بھائی کا حصہ برابر ہوگا آمدنی کا لحاظ نہیں ہوگا۔

۴- اگر تین بھائی ہیں دو بھائی اپنی پوری تنخواہ مثلاً دس ہزار روپے گھر میں دیتے ہیں اور ایک بھائی بیس ہزار روپے کماتا ہے وہ بھی دس ہزار گھر میں دیتا ہے اور دس ہزار الگ بچا کر رکھتا ہے تو وہ بچی ہوئی رقم صرف اس کی ملکیت ہوگی اس پر بھائیوں کا کوئی حق نہیں ہوگا۔

۵- اگر خاندان کے کچھ افراد کماتے ہیں اور کچھ گھر کے کام دیکھتے ہیں اور اس طرح گھر کا کام چلتا ہے تو کمانے والے حضرات کی آمدنی میں گھر کے کام کرنے والوں کا کوئی حق نہیں ہوگا۔

۶- والدین کی خدمت وکفالت کی مکمل ذمہ داری اولاد پر ہے، خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی، بہو پر قانوناً کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

۷- عام غیر محرموں کی طرح خاندان کے غیر محرموں سے بھی پردہ واجب ہے، بلکہ باہم بے تکلفی کی وجہ سے خطرات زیادہ ہیں، اس لئے حتی الامکان پردہ کا اہتمام ضروری ہے۔

Marfat.com

اسلام کا عائلی اور خاندانی نظام

مولانا افتخار احمد مفتاحی ☆

مذاہب اسلام ساری دنیا کے لئے پیام رحمت بن کر آیا ہے اور وہ ایسا مثالی وفلاحی نظام حیات قائم کرنا چاہتا ہے کہ ہر فرد ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک اور اس کا مخلص اور خیر خواہ ہو اور بوقت ضرورت اس کے کام آئے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: الخلق کلهم عيال الله فأحبهم إلى الله أنفعهم بعياله (طبرانی) ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، پس ان میں سے اللہ کو وہ زیادہ محبوب ہے جو اس کے کنبہ کو زیادہ نفع پہنچاتا ہے۔

''ترمذی شریف'' اور ''ابوداؤد شریف'' میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی موجود ہے کہ ''الراحمون يرحمهم الرحمن ارحموا من في الأرض يرحمكم من في السماء'' (رحم کرنے والوں پر رحم کرتا ہے زمین والوں پر رحم کرو تم پر آسمان والا رحم کرے گا)۔

رسول اللہ ﷺ کا دین رحمت پوری کائنات کے لئے رحمت ومحبت کا پیغام ہے اور یہ فقط انسانوں ہی کے ساتھ نہیں بلکہ شجر وحجر اور حیوانات کے لئے بھی رحمت ہے، چنانچہ ارشاد گرامی ہے: ''في كل كبد رطب صدقة'' (ہر جاندار کے ساتھ سلوک کرنا صدقہ ہے) اس طرح آپ نے ہرے بھرے درختوں کو بھی بلا ضرورت کاٹنے سے منع کیا ہے۔

اسلام کا عائلی وخاندانی نظام بھی چھوٹے پیمانے پر اس کے عام نظام زندگی کی ایک جھلک ہے، کیونکہ خاندانی نظام کی بنیاد بھی خدا ترسی وانسان دوستی پر ہے اور خونی رشتے اور نسلی

☆ مفتاح العلوم، مئو۔

Marfat.com

ونسبی تعلق کو مقدس ولائق احترام قرار دینے کے ساتھ اس کا حد درجہ خیال رکھنے کی تاکید کرتا ہے، صلہ رحمی پر زور دیتا ہے اور قطع رحمی سے منع کرتا ہے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "من أراد منکم أن یسأله فی أثره ویبارک له فی رزقه فلیصل رحمه" (تم میں سے جو چاہتا ہے کہ اس کی عمر میں اضافہ ہو اور اس کے رزق میں برکت ہو تو اسے صلہ رحمی کرنی چاہئے)۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں تو کتاب وسنت کی اتنی واضح تعلیمات موجود ہیں کہ شاید دنیا کے کسی صحیفہ اخلاق وتعلیمات میں نہ ہوں، والدین کے طرز عمل اور ان کی کسی بات پر ان کو جواب دینا تو درکنار انہیں زبان سے "اف" تک کہنے سے منع کیا گیا ہے: "لا تقل لهما أف ولا تنهرهما" (سورہ اسراء: ۲۳) ان کے ساتھ تن کر اور اکڑ کر نہیں، بلکہ نہایت درجہ عاجزی اور خاکساری کے ساتھ پیش آنے کا حکم ہے۔

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ نے اپنی مشرکہ والدہ کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے صلہ رحمی کا حکم دیا اور اس کی تاکید کی، ایک صاحب نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ میرے حسن سلوک کا زیادہ حقدار کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تمہاری ماں اسی طرح تین بار آپ نے ان کے جواب میں ماں کی خدمت کا حکم دیا اور چوتھی بار کے سوال پر باپ کے ساتھ بھی یہی حکم ہوا اس سے آگے بڑھ کر حدیث شریف میں والد کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک کو بہتر کار خیر بتایا گیا۔

"مسلم شریف" میں ارشاد ہے کہ بہترین نیکی کسی آدمی کا اپنے باپ کے مرنے کے بعد ان کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک ہے، چچا کو باپ کے برابر بتایا گیا بہنوں اور بیٹیوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کی خاص تاکید کی گئی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "من عال جاریتین حتی تبلغا جاء یوم القیامة (وکنت) أنا وهو ضم أصابعه وعنده دخلت أنا وهو الجنة کهاتین وأشار إصبعیه" (مسلم)۔

(جس نے دو لڑکیوں کی پرورش ان کے بالغ ہونے تک کی تو قیامت کے دن وہ میں اس طرح ایک ساتھ ہوں گے (اس موقع پر آپ ﷺ نے انگلیاں ملا کر دکھائیں، اور ترمذی کی

Marfat.com

روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا میں اور وہ جنت میں اس طرح داخل ہوں گے اور آپ ﷺ نے اپنی دو انگلیوں کی طرف اشارہ کیا)۔

اسلام نے اپنے ماتحتوں کی معاشی کفالت اور خبر گیری کا حکم دیا ہے اور کسی فرد کو لاوارث، محروم اور بے یار و مددگار نہیں چھوڑا اور عورتوں، بچوں، یتیموں اور تمام کمزور افراد کی اجتماعی وہمہ جہت خبر گیری اور ان کی دینی ودنیوی خیر وصلاح کی ذمہ داری مردوں کے سپرد کر کے ان کا بوجھ ہلکا کر دیا گیا، الغرض اسلام نے مردوں پر کسب معاش اور گھر کے باہر کی ذمہ داریاں اور عورتوں پر خاص طور پر گھریلو ذمہ داریاں ڈال کر ایک ایسا خاندانی نظام بنانا چاہا جس میں بزرگوں، والدین اور خاندان کے باشعور افراد کی بالادستی حاصل ہو اور وہ شفقت ومحبت کے ساتھ تمام خاندانی افراد کی سرپرستی کریں اور چھوٹے اپنے بڑوں کی تعظیم کریں اور یہ چیزیں مشترکہ خاندانی نظام میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہے، اس لئے اس نظام کی خوبیوں سے تو انکار نہیں کیا جاسکتا، لیکن اس بات پر بھی غور کرنا ہے کہ اس کے مضرات کیا ہیں اور اس کے برخلاف جداگانہ خاندانی نظام میں اچھائیاں اور خرابیاں کیا ہیں؟

مشترکہ خاندانی نظام میں عورت بہت سے اسلامی تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر رہتی ہے، جبکہ اسے نفسیاتی طور پر بھی بہت سی الجھنیں پیش آتی ہیں، مثلاً قرآن نے: "نساء کم حرث لکم فأتوا حرثکم أنی شئتم" کہہ کر عورت کو مرد کی کھیتی قرار دیا اور جنسی تسکین حاصل کرنے کا سبب فراہم کیا اور مرد وعورت کو بے تکلفی سے رہنے اور لطف اندوز ہونے کا ذریں موقع عطا کیا، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "إذا الرجل دعا زوجته لحاجته فلتأته وإن کانت علی التنور" (ترمذی شریف ۱/۲۱۹ ابواب الرضا باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأۃ)۔

(شوہر جب بیوی کو خاص ضرورت کے لئے بلائے تو وہ اس کے پاس بلا تاخیر آئے چاہے اس کا توا ہی کیوں نہ جل رہا ہو)۔

نیز "صحیح مسلم شریف" میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کی نگاہ کسی عورت پر پڑی جس سے آپ ﷺ کو ذہنی یکسوئی میں فرق محسوس ہوا آپ ﷺ اسی وقت اپنی بیوی حضرت زینبؓ کے پاس آئے اور باوجود کہ وہ اپنے لئے ابھی بالکل تازہ تازہ کھال سجھانے کے ضروری کام میں لگی ہوئی تھی، انہیں بلا کر آپ ﷺ نے ان سے اپنی ضرورت پوری کی اور ظاہر ہے کہ مرد و عورت کو جنسی تسکین کی یہ سہولت مشترکہ خاندانی نظام میں بمشکل ہی حاضر ہو سکتا ہے۔

اسی پس منظر میں فقہاء نے واضح کیا کہ شادی کے بعد شوہر پر بیوی کی جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان میں ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ بیوی کے لئے الگ مکان فراہم کرے، صاحب ''ہدایہ'' رقمطراز ہیں: ''وعلى الزوج أن يسكنها في دار مفردة ليس فيها أحد من أهله إلا أن تختار ذلك، لأن السكنى من كفايتها فيجب لها كالنفقة'' (ہدایہ ۲/۴۲۱)۔ (اور شوہر پر واجب ہے کہ بیوی کے لئے الگ گھر میں رہائش فراہم کرے جس میں اس کے متعلقین میں سے کوئی دوسرا نہ ہو، سوائے اس کے کہ عورت خود اس کو پسند کرے، اس لئے کہ رہائش (سکنی) اس کا بنیادی حق ہوتا ہے)۔

اور خود رسول اللہ ﷺ کی تمام بیویوں کے مکان الگ الگ ہونے کی صراحت موجود ہے، اسی وجہ سے دیہاتی لوگ آپ ﷺ سے ملنے کے لئے آتے اور انہیں پتہ نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ ازواج مطہرات میں سے کس کے کمرے میں ہیں تو بلند آواز سے پکارتے تو قرآن نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے تنبیہ کیا کہ ''إن الذين ينادونك من وراء الحجرات أكثرهم لايعقلون'' (حجرات: ۴) (بے شک جو لوگ آپ کو پکارتے ہیں کمروں کے پیچھے سے ان میں سے اکثر سمجھتے نہیں ہیں)۔

رسول اللہ ﷺ نے شادی کے بعد حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے مکان کو بھی اپنے سے بالکل الگ قرار دیا۔ مشترکہ خاندانی نظام میں کتنی بہو، بیٹیاں تنازع کے سبب طلاق سے دوچار ہو کر بے کسی کی زندگی بسر کرنے کے لئے مجبور ہیں اور جبکہ بہ نفس نفیس طلاق کو ''ابغض

Marfat.com

الحلال" قرار دیا گیا ہے۔

اور مشترکہ نظام میں پردے کی بھی رعایت کما حقہ نہیں ہو پاتی، جبکہ پردہ اور غیروں سے عدم اختلاط اسلام کے مطلوبہ طرز معاشرت کا اہم ترین جزء ہے، رسول اللہ ﷺ نے مردوں کو فرمایا کہ غیر عورتوں کے پاس جانے سے پرہیز کرو اس پر قبیلہ انصار کے ایک شخص نے سوال کیا شوہر کے بھائی کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"الحمو الموت" (بخاری مسلم) یعنی شوہر کے رشتہ داروں سے موت کی طرح بچنا چاہئے۔

مشترکہ نظام میں دیور، جیٹھ اور نندوئی وغیرہ سے پردے کی جو مشکلات پیش آتی ہیں وہ تو اپنی جگہ مسلم ہیں علاوہ ازیں عورت اپنے شوہر کے لئے زیب و زینت اور بے تکلف گفتگو نہیں کرسکتی جو اس کے شوہر کا بنیادی حق ہے۔

الغرض مشترکہ اور جداگانہ خاندانی نظام کے مفاسد اور محاسن کا تقابلی جائزہ لینے کے بعد یہ بات آشکارا ہو جاتی ہے کہ مشترکہ خاندانی نظام کی خوبیوں کا تو انکار نہیں کیا جا سکتا، لیکن اس کے مفاسد کے پیش نظر فی زمانہ جداگانہ خاندانی نظام ہی بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اس میں گھریلو جھگڑوں سے بھی حفاظت رہتی ہے اور آپس میں تعلق قائم رہتا ہے، پردہ کی بھی رعایت ہوتی ہے اور زوجین کو بے تکلف گفت وشنید اور جنسی تسکین کا موقع ملتا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ والدین اور خاندان کے کمزور افراد جن کی کفالت شرعی طور پر ان کے ذمہ واجب ہوتی ہے ان کے پورے حقوق کی رعایت کی جائے اور ان کی خبر گیری کو جزء لاینفک سمجھا جائے۔

چونکہ نفقہ تبرع اور عطیہ ہے جو قرابت کی وجہ سے واجب ہوتا ہے، اس لئے سب پر برابر اخراجات عائد کیا جانا چاہئے، یا سب آپس میں اخراجات کی مقدار پر صلح کر لیں، علاوہ ازیں بڑھتی ہوئی مہنگائی اور آمدنی میں تفاوت کثیر کی وجہ سے اگر حسب آمدنی خرچ عائد کیا جائے تو مناسب معلوم ہوتا ہے "کما کان للفقیر ابنان أحدهما فائق فی الغنی والآخر یملک نصابا فهی علیهما سویة (خانیه) وغراه فی الذخیرة إلی مبسوط محمد

Marfat.com

ثم نقل عن الحلوانی قال مشائخنا: هذا لو تفاوتا فی الیسار تفاوتاً یسیرا، فلو فاحشا یجب التفاوت فیها" (بحر، رد المختار ۵/۳۵۵)۔

۳-عرض ہے کہ اگر آمدنی میں تفاوت ہے اور اس تفاوت کا صحیح صحیح علم ہے تو بچی ہوئی رقم میں حصہ آمدنی کے تناسب سے ہونا چاہئے اور اگر تفاوت کا علم نہ ہو تو برابر برابر حصہ ہونا مناسب معلوم ہوتا ہے، "کما أفتی به فی الخیریة فی زوج امرأة وابنها اجتمعا فی دار واحدة وأخذ کل منهما یکتسب علی حدة ویجمعان کسبهما، ولا یعلم التفاوت ولا التساوی ولا التمییز، فأجاب بأنه سویة" (رد المختار ۶/۵۰۲ فی الشرکة الفاسدة)۔

۴- چونکہ نفقہ تبرع ہوتا ہے جو برابر برابر واجب ہوتا ہے اس لئے اگر تینوں بھائیوں نے دس دس ہزار روپئے تو جس بھائی کی زائد آمدنی سے دس ہزار روپیہ بچتا رہا جس کا علم سب کو ہے تو بچی ہوئی رقم اسی کی ملکیت ہونی چاہئے دیگر بھائیوں کا اس میں حصہ نہیں ہونا چاہئے اللہ رب العزت کا ارشاد گرامی ہے: "للرجال نصیب مما اکتسبوا" (النساء: ۳۲)۔

۵- اگر خاندان کے کچھ افراد کماتے ہیں اور کچھ گھر کے کام دیکھتے ہیں اور اس طرح گھر کا کام چلتا ہے تو کمانے والے حضرات کی آمدنی میں کام کرنے والے حضرات بھی برابر کے حق دار ہوں گے، کیونکہ سارے بھائی کسی نہ کسی طرح گھر کی معاشی وکاروباری ترقی میں ایک دوسرے کے معاون سمجھے جائیں گے، "کذا لو اجتمع إخوة یعملون فی ترکة أبیهم ونمی المال فهو بینهم سویة ولو اختلفلوا فی العمل والرأی"۔

۶- (الف): والدین کی خدمت وکفالت بیٹوں اور بیٹیوں دونوں پر واجب ہوگی اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے "اتفق الأئمة الأربعة علی أنه یجب علی الولد ابنا أو بنتا أن ینفق علی أبیه وأمه المباشرین" (رد المختار ۵/۳۲۵)۔

صاحب "ہدایہ" نے لکھا: "وهی علی الذکور والإناث بالسویة فی ظاهر الروایة هو الصحیح؛ لأن المعنی یشملهما" (ہدایہ اولیں باب النفقہ)۔

Marfat.com

اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا قول: "وقضی ربک أن لا تعبدوا إلا إياه وبالوالدين إحسانا" (سورہ اسراء: ۲۳) اور: "ووصينا الإنسان بوالديه حسنا" (سورہ عنکبوت: ۸) یعنی والدین کیساتھ احسان کا حکم ہے اور احسان یہ ہے کہ ضرورت کے وقت ان کو نفقہ دیا، تاکہ ان کی حاجت وضرورت پوری ہوسکے اور اللہ رب العزت نے کہا "ولا تقل لهما أف ولا تنهرهما" (سورہ اسراء: ۲۳)، اس آیت میں "اف" کہنے سے بھی منع کیا گیا کہ انہیں تکلیف نہ ہو اور ظاہر ہے کہ "اف" کہنے پر جتنی تکلیف ہوگی اس سے زیادہ ضرورت کے وقت نفقہ نہ دینے پر ہوگی۔

۶- (ب): بہو پر خدمت کو بجالانا واجب ہے یا نہیں

اسلام میں انسانوں کی خدمت اور کمزور اور معذوروں کے ساتھ حسن سلوک کی جیسی کچھ تاکید کی گئی ہے شاید ہی وہ کسی مذہب میں ہو اور اس حسن سلوک میں مرد وعورت میں کوئی امتیاز نہیں ہے، مسلمان مرد کی طرح مسلمان عورت بھی ان تعلیمات وہدایات کی مخاطب ہے، شوہر کی ماں، باپ اگر بوڑھے اور خدمت کے محتاج ہوں یا اسکے دوسرے قریبی اعزہ میں ایسے لوگ ہوں جو خدمت واعانت کے مستحق ہوں تو کسی شریف اور مسلمان عورت سے جس کا دل خوف خدا سے معمور ہو اسکی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ بھلائی اور نیکی کے اس کام میں تعاون نہیں کرے گی، جبکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ "عورت مرد اور اس کے گھر کی نگراں ہے، اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا" (بخاری)۔

گھر میں مرد ہی نہیں، بلکہ اس کے زیر کفالت افراد بھی شامل ہیں جن میں والدین سرفہرست ہیں اور والدین میں سے بھی والدہ کا سب سے پہلا حق ہے۔

قرآن میں ارشاد ہے: "وآت ذا القربى حقه والمسكين وابن السبيل ولا تبذر تبذيرا" (بنی اسرائیل: ۲۶) اور رشتہ داروں کے حقوق ادا کرو۔ ساس خاوند کی طرف سے بہو کے اولین قرابت داروں میں سے ہے، مذکورہ تعلیمات کے مدنظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر ماں کو اپنی ضروریات کے لئے تعاون کی ضرورت ہو اور وہ تعاون ایسا ہو جس کو بیٹا انجام نہ دے

Marfat.com

سکتا ہو تو بہو پر بدرجہ مجبوری اس خدمت کو بجالانا واجب ہونا چاہئے۔

۷۔ ایسے گھروں میں جہاں چچازاد بھائی، بہن یا اس طرح کے دوسرے قریبی رشتہ داروں کا ایک دوسرے سے آمنا سامنا ہوتا ہو تو ایسی صورت میں عورت کو ڈھیلے ڈھالے اور ساتر لباس میں رہنا چاہئے جس سے عورت کے بازو نظر آئیں نہ چھاتی اور گدی وغیرہ، اسی طرح عورت کے لئے دیوروں اور جیٹھوں سے پردہ کرنا بھی ضروری ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے "الحمو الموت" کہہ کر سخت تنبیہ کی ہے اور یہ پردہ اس طرح آسانی سے ممکن ہے کہ ایک تو مذکورہ انداز میں ڈھیلا ڈھالا لباس کرتہ بڑی آستین کا پہنے پاجامہ غرارہ دار پہنے اور کلائی اور ٹخنے نہ کھلنے دے، تاکہ اس کی زینت کا اظہار اور فتنے والی جگہیں آشکارا نہ ہوں، علاوہ ازیں بے باکانہ انداز میں گفتگو نہ کرے، بلکہ حسب ضرورت مختصر بات کرے اور ان کے ساتھ تنہائی بالکل اختیار نہ کرے۔

Marfat.com

مشترکہ وجداگانہ خاندانی نظام - دلائل کی روشنی میں

مولانا محمد سعید اللہ قاسمی ☆

۱- جب ہم انسان کے اجتماعی نظام میں مشترکہ اور جداگانہ خاندانی نظام پر نگاہ ڈالتے ہیں تو قرآن وحدیث کے مطالعہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ معاشرتی زندگی کی شائستگی اور آپسی تعلقات کی بہتری کے لئے ضروری ہے کہ خاندانی نظام مختصر ہو اور ہر شادی شدہ کی رہائش الگ اور دیگر گھریلو معاملات کھانا پکانا، لین دین، سب جدا جدا ہوں، اس سلسلہ میں باری تعالی کا ارشاد ہے:

"یأیها الذین آمنوا لا تدخلوا بیوتاً غیر بیوتکم حتی تستأنسوا وتسلموا علی أهلها" (سورہ النور: ۲۷) (اے ایمان والے تم اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں مت داخل ہو جب تک اجازت حاصل نہ کرلو اور ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو۔

اسی طرح قرآن حکیم میں بالغ اولاد کے سلسلہ میں حکم خداوندی ہے:

"وإذا بلغ الأطفال منکم الحلم فلیستأذنوا کما استأذن الذین من قبلهم کذلک یبین الله لکم آیاته والله علیم حکیم" (سورہ النور: ۵۹) (اور جب تمہارے بچے بلوغت کو پہنچ جائیں تو چاہئے کہ جس طرح ان سے بڑے اجازت لے کر داخل ہوا کرتے تھے اسی طرح وہ بھی اجازت لے کر داخل ہوں، اسی طرح اللہ تعالی کھول کھول کر احکام بیان کرتا ہے، وہ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے)۔

☆ دار القضاء امارت شرعیہ، آسنسول۔

Marfat.com

مذکورہ آیات سے جہاں ایک جانب دوسرے کے گھروں میں بغیر اجازت داخلہ کی ممانعت معلوم ہوتی ہے وہیں دوسری جانب بالغ اولاد کے علاحدہ گھر ہونے کا بھی اشارہ ملتا ہے، اسلام نے صرف یہ کہ ہر شادی شدہ کے لئے الگ مکان کی بات کی ہے، بلکہ اگر کسی شخص کی کئی بیویاں ہوں تو ہر ایک کے لئے الگ الگ مکان ہو، جیسا کہ خود حضور اقدس ﷺ کی تمام ازواج مطہرات کے واسطے الگ الگ مکانات کا ذکر ملتا ہے۔

اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: "وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الأولى" (سورہ احزاب: ۳۳) (تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم زمانہ جاہلیت کے دستور کے مطابق مت پھرو)۔

اسی طرح دوسری آیت میں اللہ رب العزت نے ازواج مطہرات کی عبادت اور ذکر واذکار کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: "واذكرن مايتلى فی بيوتكن من آيات الله والحكمة" (سورہ احزاب: ۳۴) (اور تم ان آیات الہیہ کو اور اس علم کو یاد رکھو جس کا تمہارے گھروں میں چرچا ہے)۔

اوپر کی آیتوں میں (بیوتکن) کا استعمال کیا گیا ہے جو جمع ہے جس سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ ازواج مطہرات کے واسطے الگ الگ گھر تھا۔

نیز اسی سلسلہ میں "بخاری شریف کتاب الجہاد باب ماجاء فی بیوت أزواج ﷺ" کا مطالعہ کیا جائے اس کی پوری تفصیل وہاں موجود ہے (بخاری شریف ۱/ ۴۳۷)۔

فقہ کی کتابوں میں بھی یہ جزیہ صراحۃً مذکور ہے کہ بیوی اپنی رہائش کے لئے علاحدہ مکان کا مطالبہ کرسکتی ہے، "ہدایہ" میں تحریر ہے: "وعلى الزوج أن يسكن فی دار مفردة ليس فيها أحد من أهله إلا أن تختار" (حوالہ ہدایہ باب النفقہ ۲/ ۴۴۱)۔

اسی طرح حضرت محمد ﷺ کا یہ عمل کہ جب اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کا حضرت علیؓ سے نکاح کردیا تو ان دونوں کے لئے الگ مکان دیدیا۔

Marfat.com

حضرت فاطمہؓ سے غیر معمولی تعلق تھا ان کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"عن المسور بن مخرمة أن رسول الله ﷺ قال: فاطمة بضعة منی، فمن أغضبها فقد أغضبنی (الصحیح للبخاری مناقب فاطمہ ۱/۵۳۲)۔

(مسور بن مخرمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے، جس نے اس کو ناراض کیا اس نے مجھ کو ناراض کیا)۔

دوسری طرف جب ہم غور کرتے ہیں تو آپ ﷺ کے حضرت علیؓ جہاں داماد تھے، وہیں آپ ﷺ کے چچازاد بھائی بھی تھے، آپ ہی کی پرورش ونگرانی میں بھی تھے، حضرت علیؓ کے والد حضرت ابوطالب کے آپ پر بے انتہا احسانات تھے اور حضرت علیؓ سے آپ ﷺ بہت زیادہ محبت بھی کرتے تھے، ایک موقع سے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں، "قال النبی ﷺ لعلي: أنت منی و أنا منک" (الصحیح للبخاری، مناقب علیؓ)۔

حضرت علیؓ وفاطمہؓ سے اتنی قربت وتعلق کے باوجود شادی ونکاح کے بعد ان دونوں کو الگ کردیا اور الگ مکان کا نظم کیا۔

مذکورہ آیات واحادیث کی روشنی میں یہ بات واضح طور پر سامنے آئی کہ اسلام میں مشترکہ خاندانی نظام بہتر نہیں ہے، ہاں ایک چھوٹا سا خاندان جس میں میاں بیوی غیر شادی شدہ اولاد ضعیف العمر اور حاجت وضرورت مند ماں باپ شامل ہوں تو اس طرح مشترکہ خاندانی نظام کے ساتھ زندگی بسر کرنا بہتر ہے اور پردہ کے لئے یہی صحیح ہے، اس مشترکہ خاندان میں مکمل پردہ شرعی کی رعایت ناممکن تو نہیں، لیکن مشکل ترین ضرور ہے، عورت کا پردہ کرنا اسلام کا مطلوب اور معاشرت کا اہم ترین جز ہے، قرآن حکیم میں پردہ کے سلسلہ میں تفصیلی حکم ہے۔

۲- اس سلسلہ میں کوئی جزیہ تو نہیں ملا، البتہ عام رہن سہن کے انداز سے بات سمجھ میں آئی ہے کہ مشترکہ خاندان میں جو اخراجات ہوتے ہیں اسے سب بھائی مل کر اپنے اپنے بچوں کی تعداد کے اعتبار سے اخراجات دیں، چونکہ یہ بات مسلم ہے کہ افراد کی زیادتی سے اخراجات

Marfat.com

میں زیادتی ہوتی ہے، اس لئے جس کے بچے زیادہ ہیں وہ زیادہ خرچ دیں، تا کہ آپس میں بدگمانی پیدا نہ ہو کہ ہمارے بچے کم ہیں، تو ہم بھی اتنا ہی کیوں دیں جتنا دوسرا بھائی جس کے بچے زیادہ ہیں دیتے ہیں، یہ نزاع کا سبب بھی بن سکتا ہے، دوسرے کا مال ناحق اور ظلماً کھانے کے زمرے میں آسکتا ہے، ہاں البتہ خوش دلی کے ساتھ سب ہی بھائی آپس میں یہ طے کرلیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

اس وقت مشترکہ خاندانی نظام میں یہ ہی رائج ہے اور ''المعروف کالمشروط'' کے تحت آتا ہے، نیز باہمی رضامندی کے ساتھ برابر اخراجات دینا طے ہوجائے کے بعد جس کے بچے کم ہوں ظاہری بات ہے کہ اس کی رقم زیادہ ہوجائے گی، تو وہ اس کی طرف سے تبرع اور احسان ہوگا۔

۲- سوال میں جو صورت ذکر کی گئی ہے اس کی دو حالتیں ہیں:

۱- لڑکے گارجین کے معاون ہیں۔

۲- معاون نہیں ہیں۔

دونوں کے احکام الگ الگ ہیں پہلی صورت، یعنی اگر خاندان مشترک ہو اور لڑکے سب مل کر کماتے ہیں کھانا پینا رہنا سہنا سب ایک ساتھ ہو تو لڑکے والد کی ماتحتی میں اور کفالت میں ہوں تو لڑکوں کو والد کا معاون سمجھا جائے گا اور تمام آمدنی والد کی سمجھی جائے گی۔ علامہ شامیؒ نے لکھا ہے:

''فی القنیة: الأب والابن یکتسبان فی صنعة واحدة، ولم یکن لهما شیئ فالکسب کله للأب، إن کان الابن فی عیاله لکونه معینا'' (ردالمحتار ر ۳۴۹)۔

مذکورہ جواب کی تائید اکابر کے فتاوی سے بھی ہوتی ہے، چنانچہ حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ ''فتاوی رحیمیہ'' میں اس طرح کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

لیکن اگر زید والدین کے ساتھ رہتا تھا اور رہنا سہنا کھانا پینا، ان کے ساتھ تھا اور ان

Marfat.com

کے ماتحت رہ کر کمائی ہوئی رقم سے زمین خریدی ہے تو وہ جگہ والد کی شمار ہوگی (فتاوی رحیمیہ ۳/۱۵۹)۔

دوسری صورت یہ ہے کہ خاندان مشترک ہے، کھانا پینا رہنا سہنا مشترک ہے لڑکے والد کی ماتحتی اور کفالت میں نہیں ہیں اور آمدنی کی تقسیم کے سلسلہ میں کوئی تناسب مقرر نہیں ہے تو ایسی صورت میں مشترک اخراجات کے بعد جو آمدنی بچے وہ تمام لوگوں کے درمیان برابر برابر تقسیم ہوگی۔

علامہ شامی نے شرکت سدہ کی بحث کے تحت یہ جزئیہ صراحۃً لکھا ہے کہ باپ اور بیٹے دونوں ایک گھر میں رہتے ہوں اور دونوں کا ذریعہ معاش الگ ہو اور دونوں اپنی آمدنی ایک جگہ اس طرح جمع کرتے ہوں کہ اس میں تمیز وتفاوت مشکل ہو تو ایسی صورت میں آمدنی میں دونوں برابر کے شریک ہوں گے۔

”فی المنیریة: فی زوج امرأة وابنها اجتمعا فی دار واحدة، وأخذ کل منها یکتسب علاحدة ویجمعان کسبهما، ولا یعلم التفاوت ولا التساوی ولا التمیز، فأجاب بأنه بینهما سویة“ (ردالمحتار ۳/۳۴۹)۔

علامہ شامی نے اس بات کی بھی صراحت کی ہے کہ اگرچہ کام اور رائے میں ان لوگوں کے درمیان تفاوت ہو، لیکن آمدنی برابر برابر تقسیم ہوگی اور خیریہ کے حوالہ سے اسی پر فتوی نقل کیا ہے، عبارت پر نگاہ ڈالی جائے۔

”فی فتاوی الحانوتی: فإذا کان سعیهم واحداً ولم یتمیز ما حصله کل واحد منهم بعمله یکون ما جمعوه مشترکاً بینهم بالسویة، وإن اختلفوا فی العمل والرأی کثرة وصواباً، کما أفتی به فی الخیریة“ (ردالمحتار ۳/۳۴۳)۔

لہذا اگر تمام بھائیوں نے اپنی آمدنی ایک بھائی کے پاس جمع کی تو اس صورت میں بھی تمام بھائی اس میں برابر کے شریک ہوں گے۔

۵- اس کا جواب بھی بندہ کے نزدیک یہی ہے کہ جب خاندان کے کچھ افراد کماتے

Marfat.com

ہیں اور کچھ گھریلو کام کی دیکھ بھال کرتے ہیں تو اس صورت میں بھی تمام بھائی آمدنی میں برابر کے شریک ہوں گے۔

ایک بھائی نے جو اپنی کمائی کا کچھ حصہ بچالیا تو بچی ہوئی رقم اسی بھائی کی ملکیت ہے، دوسرے بھائیوں کا اس بچی ہوئی رقم میں کوئی حصہ نہیں ہوگا، اگر اس نے پس انداز کی ہوئی رقم کے سلسلے میں پہلے وضاحت نہیں کیا کہ میری آمدنی جتنی بھی ہو میں حسب معاہدہ سب کے برابر اخراجات دوں گا بقیہ رقم کے سلسلہ میں خودمختار ہوں تو یہ دیانت کے خلاف ہے، کیونکہ عملاً یہ بات ہوتی ہے کہ ہم سب مل کر گھر چلائیں گے جو بھی آمدنی ہوگی ایک جگہ جمع ہوکر اجتماعی طور پر خرچ ہوگی، اس سلسلے میں حضرت مولانا مفتی محمود الحسنؒ کے فتاوی سے بھی رہنمائی ہوتی ہے، حضرت مفتی صاحبؒ اس طرح کے ایک سوال کے جواب میں تحریر میں فرماتے ہیں کہ اس رقم میں دوسرے بھائیوں کا حصہ نہیں، الگ رہنا ان کے لئے جائز ہے، لیکن ماں باپ اور بھائیوں کے ساتھ رہ کر کھانا پینا پہننا اوڑھنا اور اپنی کمائی الگ کر کے جمع کرنا بہت بڑی بے مروتی اور انتہائی احسان فراموشی ہے جس کا نتیجہ بہت خراب ہے (فتاوی محمودیہ ۱۴/ ۱۹۴)۔

۶- والدین اگر معذور ومجبور ہوں تو ان کا نفقہ ظاہر روایت کے مطابق بیٹا اور بیٹی دونوں پر برابر برابر واجب ہے، بشرطیکہ دونوں دوسر ہوں، اور دوسرا قول ہے کہ دونوں پر بقدر میراث نفقہ واجب ہوگا، یعنی نفقہ کا دو حصہ لڑکا ادا کرے گا اور ایک حصہ لڑکی، صاحب ''ہدایہ'' نے پہلے قول کو صحیح قرار دیا ہے۔

عبارت ہدایہ: ''وهى على الذكور والإناث بالسوية فى ظاهر الرواية وهو الصحيح'' (ہدایہ ۴۴۶/۲)۔

علامہ شامی نے خلاصہ کے حوالہ سے اس قول کو مفتی بہ لکھا ہے۔

عبارت ملاحظہ ہو: ''ثم النفقة لأصوله الفقراء بالسوية بين الابن والبنت، وقيل: كالإرث'' (الدرالمختار ۳۵۵/۵)۔

Marfat.com

(قوله بالسوية بين الابن والبنت) هو الظاهر، وهو الصحيح (ردالمحتار ۵/۳۵۵)۔

لہذا صحیح اور مفتی بہ قول کے بموجب لڑکا اور لڑکی دونوں پر محتاج وضرورتمند والدین کا نفقہ برابر برابر واجب ہے، جہاں تک والدین کی خدمت کا تعلق ہے تو یہ بیٹوں پر واجب ہے، لیکن اگر والدین خدمت کے محتاج ہوں اور کوئی دوسرا ان کی خدمت کرنے والا نہ ہو تو ایسی صورت میں فقہاء کرام نے یہ صراحت کی ہے کہ شادی شدہ لڑکی پر ایسے والدین کی خدمت واجب ہے، وہ ہفتہ میں ایک مرتبہ جا کر ان کی خدمت کرے گی، شوہر اس کو منع نہیں کرسکتا ہے اگر وہ منع کرے تو جا سکتی ہے۔

"ولا يمنعها من المخروج إلى الوالدين فى كل جمعة إن لم يقدرا على إتيانها على ما اختاره فى الاختيار ولو الدها زمنا مثله فاختاره بها فعليها تعاهدوا ولو كافراً وإن أبى الزوج" (الدرالمختار ۵/۳۳۴)۔

"(قوله فعليها تعاهده) أى بقدر احتياجه إليها، وهذا إن لم يكن له من يقوم عليه" (ردالمحتار ۵/۳۳۴)۔

۷- بہو پر خوش دامن کی خدمت واجب ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں کتب فقہ میں مسئلہ مصرح ہے کہ بہو پر خوش دامن کی خدمت واجب نہیں ہے، البتہ جب خوش دامن بالکل مجبور ہو اور کوئی اس کی خدمت کرنے والی نہ ہو تو ایسی صورت میں اس کا اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ اس کی خدمت کرے، یہ اس کے لئے بڑی سعادت اور ثواب کا کام ہوگا، مسلمانوں پر بحیثیت مسلمان صرف انہیں کاموں کا کرنا واجب نہیں ہوتا جو اس کے ذمہ شریعت نے واجب قرار دیا ہے، بلکہ بہت ساری ایسی مجبوریاں ہیں جہاں مسلمان اس خدمت کے واجب نہ ہونے کے باوجود انسانیت کے تقاضہ اور اخلاقی ذمہ داری سمجھتے ہوئے اسے اپنے اوپر واجب سمجھتا ہے۔

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحبؒ اس طرح کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

Marfat.com

''شوہر کی والدہ اور اس کے بھائی بہن کے لئے کھانے کا انتظام کرنا عورت پر شرعاً لازم وضروری نہیں ہے، البتہ اگر عورت اپنی ساس کی ضعیفی اور کمزوری کی وجہ سے ان کی خدمت کرے اور ان کے لئے کھانا پکائے تو یہ اس کے لئے سعادت مندی ہوگی اور یہ خدمت انشاء اللہ اس کے لئے باعث اجر وثواب ہوگی'' (فتاوی رحیمیہ ۸/۴۵۷)۔

۸- پردہ کے جو احکام کتاب وسنت میں تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں وہ یہاں بھی نافذ ہوں گے، اور ان حالات میں بھی پردہ شرعی کی مکمل رعایت لازم وضروری ہوگی، یہی وجہ ہے کہ میں نے سوال (۱) کے جواب کے تحت یہ لکھا ہے کہ چونکہ مشترکہ خاندانی نظام کی صورت میں پردہ شرعی کی مکمل رعایت مشکل ہے، اس لئے یہ نظام اسلام کا مطلوب ومقصود نہیں ہے۔

Marfat.com

تیسرا باب

مختصر جوابات

Marfat.com

Marfat.com

شریعت کی نظر میں مشترکہ وجداگانہ خاندانی نظام

مفتی محبوب علی وجیہی ☆

۱- اسلام کی نظر میں مشترکہ خاندانی نظام بہتر ہے، حضور ﷺ نے اجتماعی مفاد کے تحفظ اور اس کے مستقبل کی تعمیر کے لئے انفرادی مفاد کو نظر انداز کیا ہے، جیسا کہ صلح حدیبیہ کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے، اسی طرح آپ نے اجتماعیت کا لحاظ رکھتے ہوئے حطیم کو خانہ کعبہ میں شامل نہیں کیا، ایسے ہی اجتماعی حالات کے پیش نظر قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ ذخیرہ بنا کر رکھنے سے منع کیا تھا، تا کہ غرباء تک زائد سے زائد گوشت پہنچے اور وہ محروم نہ رہیں، پھر جب آپ ﷺ سے شکایت کی گئی اور مختلف قسم کی ضرورتیں بیان ہوئیں تو آپ نے ذخیرہ کر کے رکھنے کی اجازت دیدی، اجنبی عورتوں کی طرف دیکھنے سے منع کیا گیا ہے، تا کہ وساوس شیطانی وفساد کا دفعیہ ہو اور اللہ رب العزت کی حرمتیں محفوظ رہیں، لیکن جس سے شادی کا ارادہ ہو رسول اکرم ﷺ نے اس کو دیکھنے کی اجازت دی ہے، تا کہ بعد میں ندامت نہ ہو اور ازدواجی زندگی خوش گوار رہ سکے۔

حضور علیہ السلام نے منافقین کے قتل کرنے سے منع کر دیا تھا، تا کہ لوگوں کی نفرت اور یہ کہنے کا سبب نہ بنے کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتے ہیں، حالانکہ وہ طرح طرح کے فتنہ وفساد پھیلاتے رہتے تھے، لیکن "**مصلحة الإسلام أعظم من مصلحة القتل**" کے تحت منافقین کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا، پھر جب یہ اندیشہ جاتا رہا اور اسلام کے غلبہ سے تالیف قلب وغیرہ کی مصلحت پہلی جیسی نہیں رہی تو یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا، لہذا ان واقعات کی روشنی میں یہ

☆ جامع العلوم فرقانیہ، رامپور، یوپی۔

Marfat.com

معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے ذاتی اور انفرادی مفادات کو نظر انداز کر کے اجتماعی مفاد کو پیش نظر رکھا ہے، کیونکہ انفرادی اور شخصی مفاد کے مقابلہ اجتماعی مفاد اہم ہے، پس مشترکہ خاندانی نظام سے بوڑھے ماں باپ چھوٹے بہن بھائی اور یتیم و بیواؤں وغیرہ کو سہارا زائد مل سکتا ہے اور ایسے بے سہارا لوگوں کی کفالت جو اس کے زیر نگرانی ہوں واجب ہے، حضرت جابرؓ نے اپنی چھوٹی بہنوں کی کفالت کی وجہ سے بیوہ عورت سے نکاح کیا اور جب حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم نے باکرہ سے نکاح کیوں نہیں کیا تو آپ نے یہی جواب دیا کہ میری چھوٹی بہنیں ہیں جن کی کفالت میرے ذمہ ہے، یہ بیوہ عورت ان کی اچھی طرح تربیت کر سکتی ہے، تو آپ ﷺ ان کے جواب سے خوش ہوئے۔

رہا یہ مسئلہ کہ مشترکہ خاندانی نظام سے باہمی نزاع پیدا ہو جاتا ہے اور پردے کا اہتمام دشوار ہو جاتا ہے تو اس معاملہ میں انسان کو اپنی حکمت عملی اور سیاست دینی سے کام لینا چاہئے اور گھر کے ماحول پر سخت نظر رکھنا چاہئے، نہ کہ گھر کے خراب ماحول سے متاثر ہو کر بوڑھے والدین اور چھوٹے بہن بھائیوں کو بے سہارا چھوڑ دینا چاہئے، اور جہاں تک اس چیز کا سوال ہے کہ دیہات سے شہر کی طرف نقل مکانی اور بوڑھے لوگوں کے لئے ہاسٹل وغیرہ کا تعمیر ہونا تو اس میں بھی ہماری رائے یہی ہے کہ بوڑھے والدین کی جو خدمت نیک اولاد کر سکتی ہے اور والدین وغیرہ کو گھر پر سکون مل سکتا ہے وہ ہاسٹل وغیرہ میں نہیں مل سکتا، اس لئے اولاد اور کفیل کو بے سہارا لوگوں کو اسے ساتھ رکھنا چاہئے اور مکمل طور پر ان کی دیکھ ریکھ کرنا چاہئے، ہاں اگر گھر کے تمام لوگوں کو ایک ساتھ رکھنے میں قوی جھگڑے کا امکان ہو تو پھر اسے چاہئے کہ ایک کالونی یا ایک محلّہ میں رہے اور قریب رہ کر ماں باپ اور دیگر لوگوں کی اپنے ذمہ میں پرورش کرے اور ان کی نگرانی کرے، لیکن بالکل علاحدہ چھوڑ کر ماں باپ وغیرہ کو دور رہنا درست نہیں ہے، کیونکہ اس میں ان کی صحیح دیکھ بھال نہیں ہو سکتی۔

۲- اگر مشترکہ خاندان ہو اور کسی کے بچے زیادہ ہوں اور کسی کے کم ہوں تو جس کے

Marfat.com

بچے زیادہ ہوں اسے زیادہ خرچ دینا چاہئے اور جس کے بچے کم ہوں اور زیادہ خرچ کرے تو اسے خدا کے یہاں اس کے خرچ کا اجر ملے گا، الغرم بالغنم۔

۳- مذکورہ صورت میں اگر سب بھائیوں نے ایک بھائی یا باپ کو بچی ہوئی رقم کا مالک بنادیا اور کل اختیار دیدیا جب تو سب برابر کے شریک ہوں گے، اور اگر بھائی یا باپ کو بچی ہوئی رقم کا اختیار نہیں دیا اور مالک نہیں بنایا تو ہر ایک اپنی آمدنی کے لحاظ سے حصہ دار ہوگا۔

۴- اس صورت میں وہ رقم صرف اسی بھائی کی ہوگی جس نے وہ رقم کمائی ہے، دوسرے بھائیوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

۵- اس صورت میں گھر کا کام دیکھنے والے بھائی کمانے والے بھائیوں کی آمدنی میں برابر کے شریک ہوں گے، کیونکہ گھر اور باہر کا کام آپس میں تقسیم کرلیا ہے، اس لئے باہر کے افراد گھر کے کام میں اور گھر کا کام کرنے والے باہر کی آمدنی میں برابر شریک ہوں گے۔

۶- ماں باپ کی خدمت بیٹیوں پر بھی واجب ہے اور بہو پر بھی واجب ہے کہ وہ ساس کی خدمت کرے، کیونکہ ساس بھی ماں کے قائم مقام ہوتی ہے، اس لئے بہو کو چاہئے کہ وہ اپنے شوہر کی ماں کی خدمت کرے۔

۷- شریعت مطہرہ نے چہرے وغیرہ کو پردے میں شامل نہیں کیا ہے، اس لئے چچازاد بھائی بہن ایک دوسرے کے آمنے سامنے آسکتے ہیں، البتہ ایک دوسرے کی عزت واحترام اور لحاظ رکھتے ہوئے آمنا سامنا کریں اور جہاں تک ہوسکے اختلاط اور تنہائی سے بچیں، کیونکہ زیادہ اختلاط اور تنہائی سے فتنہ کا خوف ہوتا ہے اور اسی فتنہ کے خوف کی وجہ سے جوان عورت کو دیکھنے سے منع کیا گیا ہے، لیکن مشترکہ خاندان میں قریبی رشتہ داروں اور چچازاد بھائی بہن کا ایک دوسرے سے پردہ کرنا بہت دشوار ہے، اس لئے احتیاط سے رہیں اور حتی الامکان تنہائی سے بچیں، ردالمحتار شرح درمختار ۳۲۵/۵ پر ہے: "وینظر من الأجنبیة إلی وجهها و کفیها فقط"۔

Marfat.com

مشترکہ اور جداگانہ خاندانی نظام کے مسائل

مفتی جمیل احمد نذیری☆

۱- اسلام کی نگاہ میں نہ مشترکہ خاندانی نظام بہتر ہے، نہ جداگانہ زندگی بسر کرنے کا طریقہ، بلکہ جس میں سب کے حقوق بہتر طریقے سے ادا ہوں، وہی نظام بہتر ہے۔ اگر بیٹا، ماں باپ سے الگ ہو کر ماں باپ کے حقوق ادا نہیں کر پا رہا ہے، مثلاً ان کا اکرام واحترام، ان سے الفت وانسیت، ان کی فرمانبرداری نہیں کر پا رہا ہے، ان کا کام نہیں کرتا، یا ان کے کام نہیں آتا، ان کو آرام نہیں پہنچاتا، ان کی ضروریات پوری نہیں کرتا، ان کی زیارت وملاقات نہیں کر پاتا ان کا نان ونفقہ اور سکنی وغیرہ جو اس کے ذمہ ہے، نہیں دیتا (زندگی میں ماں باپ کے حقوق یہی ہیں)۔

اسی طرح اپنے بھائی بہنوں، جن کا نان ونفقہ اسی کے ذمہ شرعاً عائد ہے، نہیں ادا کرتا، صلہ رحمی سے بھی لاپرواہ ہے، تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے والدین اور اپنے بھائی بہنوں کو ساتھ رکھ کر ان کے نان ونفقہ وسکنی کی ادائیگی کرے اور صلہ رحمی کے تقاضوں کو پورا کرے۔ البتہ کمائی اور کمائی سے پیدا زمین وجائداد کے بارے میں آپس میں سارے معاملات طے ہو جانے چاہئیں، تاکہ کسی قسم کا نزاع نہ ہو۔ اور اگر علیحدہ رہ کر بھی یہ سارے حقوق بالکل صحیح طریقہ سے، شریعت کے مطابق، ادا کر لیتا ہے، تو شریعت اس علیحدہ رہنے سے مانع نہیں۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ علیحدہ ہو جانے پر سارے حقوق کما حقہ ادا نہیں ہو پاتے۔

دیکھا یہ گیا ہے کہ جب بیٹے اور بیٹیوں کی شادیاں ہو جاتی ہیں، خاص طور پر جب اولاد

☆ مہتمم جامعہ عربیہ عین الاسلام، نواده، مبارکپور۔

Marfat.com

بھی صاحب اولاد ہو جاتی ہے تو ساتھ رہنا سہنا، ساتھ کھانا پینا، بجائے مفید ہونے کے مضر ہو جاتا ہے۔ اور حقوق کی ادائیگی کے بجائے حقوق تلفی شروع ہو جاتی ہے، اس موقع پر بٹوارہ ہی بہتر ہوتا ہے۔

باپ کو خود چاہئے کہ اختلاف ونزاع پیدا ہونے سے پہلے بٹوارہ کر دے اور اپنے نفقہ وسکنی اور اس سے متعلق جن کا نفقہ وسکنی وغیرہ ہو، بٹوارہ کے وقت میں اس کا انتظام کر دے۔

یہ بات بہت زیادہ انتشار کا باعث بنتی ہے کہ پوتا پوتی، نواسے، نواسیاں، بھتیجے، بھتیجیاں شادی کے لائق ہو جاتے ہیں، بلکہ بعض کی شادیاں بھی ہو جاتی ہیں، مگر ساتھ رہنے، ساتھ کھانے پینے پر اصرار کیا جاتا ہے اور بٹوارہ کو برا سمجھ کر اندر اندر ہی جھگڑے کو بڑھایا جاتا ہے۔

ایسے موقع پر چاہئے کہ کاروبار اور کمائی میں شرکت رکھی جائے، سب کا حصہ صاف صاف متعین کر دیا جائے اور کھانا پینا، رہنا سہنا الگ الگ کر دیا جائے۔ کاروبار اور کمائی میں تو غیروں کے ساتھ شرکت ہو سکتی ہے اور ہوتی ہے یہ تو اپنوں کا معاملہ ہے۔ مل جل کر کمائیں، مگر الگ الگ رہیں، الگ کھانا پینا رہے، کمائی اور کاروبار میں کس کو کیا ملنا ہے اور کس کو کیا کرنا ہے، سب واضح کر دیا جائے۔

۲- مشترکہ خاندان کی صورت میں کسی کے بچے زیادہ ہوں یا کم، بچوں کی تعداد کے اعتبار سے اخراجات عائد نہ ہوں گے۔ بلکہ جو جتنا کماتا ہو، اسی کے اعتبار سے لا کر دے۔ ظاہر ہے کہ کوئی کم کماتا ہوگا، کوئی زیادہ، کمانے اور کاروبار کرنے میں کوئی زیادہ ہوشیار ہوگا، کوئی کم، لیکن ملکیت کے اعتبار سے سب برابر مانے جائیں گے، لہٰذا سب کے اخراجات برابر طریقہ سے پورے ہونے چاہئیں۔ اگر اس پر کم بچے والے، مگر زیادہ کمائی والے کو، اعتراض ہو تو باہم علیحدگی اختیار کر لیں۔ لیکن اگر ساتھ رہیں، یعنی "عائلہ واحدہ" ہو، کھانا پینا رہنا سہنا ایک ساتھ ہو اور "سعی واحد" ہو، یعنی سب مل جل کر گھر کو چلانے میں کوشاں ہوں تو اس صورت میں سب برابر کے حقدار ہوں گے۔ اور سب کے اخراجات بیوی بچوں سمیت۔ برابر انداز میں پورے کئے

Marfat.com

جائیں گے اور سب کو اپنی اپنی کمائی لا کر دینی ہو، خواہ کم کمائے یا زیادہ۔

”فتاوی خیریہ“ میں ہے:

”(سئل) فی أخوین سعیهما واحد وعائلتهما واحدة حصلا بسعیهما أموالا من مواش وغیرها، والآن یرید أحدهما مفارقة الآخر ومقاسمة المال مناصفة ویأبی الآخر فهل ...... والحالة هذه جمیع ماحصلاه بسعیهما وکسبهما مشترک بینهما تجب قسمته بینهما مناصفة أم لا (أجاب) نعم ماحصلاه بکسبهما مشترک بینهما لایجوز أن یختص به أحدهما دون الآخر“ (الفتاوی الخیریہ ۱/۱۱۲)۔

ایسے دو بھائیوں کے بارے میں سوال کیا گیا جن کی ”سعی واحد“ ہے اور عائلہ واحدہ (کھانا پینا، رہنا سہنا ایک ساتھ) ہے۔ ان دونوں نے اپنی سعی وکوشش سے بہت سے اموال مویشی وغیرہ حاصل کئے۔ اب ایک بھائی الگ ہونا چاہتا ہے اور مال کو آدھا آدھا تقسیم کرنے کا مطالبہ کرتا ہے، دوسرا انکار کرتا ہے تو کیا اس حالت میں جو ان دونوں نے اپنی سعی اور کمائی سے حاصل کیا ہے، وہ دونوں کے درمیان مشترک ہوگا اور تقسیم آدھا آدھا کر کے واجب ہوگی؟ جواب دیا کہ ہاں! جو ان دونوں نے اپنی کمائی سے حاصل کیا ہے وہ ان دونوں کے درمیان مشترک ہوگا، صرف ایک کے ساتھ خاص کرنا جائز نہیں۔

۳- اس صورت میں سب کا برابر کا حصہ ہوگا، آمدنی کا کوئی لحاظ نہ ہوگا۔ ”ردالمحتار“ میں ہے:

یقع کثیرا فی الفلاحین ونحوهم أن أحدهم یموت تتقوم أولاده علی ترکته بلا قسمة ویعملون فیها من حرث وزراعة وبیع وشراء واستدانة ونحو ذلک، وتارة یکون کبیرهم هو الذی یتولی سهماتهم ویعملون عنده بأمره، وکل ذلک علی وجه الإطلاق والتفویض لکن بلا تصریح بلفظ المفاوضة

Marfat.com

ولابیان جمیع مقتضیاتها مع کون الترکة أغلبها أو کلها عروض لا تصح فیها شرکة العقد، ولا شک أن هذا لیس شرکة مفاوضة خلافاً لما أفتی به فی زماننا من لاخبرة له، بل هی شرکة ملک کما حررته فی تنقیح الحامدیة ثم رأیت التصریح به بعینه فی فتاوی الحانوتی، فإذا کان سعیهم واحداً ولم یتمیز ماحصله کل واحد منهم بعمله یکون ماجمعوه مشترکاً بینهم بالسویة، وإن اختلفوا فی العمل و الرائ کثرة وصواباً کما افتی به فی الخیریة" (رد المحتار ۳/۰۷ ۳و ۳۸۳، الفتاوی الخیریہ ۱/۱۱۲)۔

کسانوں وغیرہ میں یہ صورت حال بہت پیش آتی ہے کہ ان میں کا کوئی مرتا ہے تو اس کی اولاد، بلا تقسیم، ترکہ میں عمل دخل شروع کر دیتے ہیں، کھیت جوتنا، بونا، خرید وفروخت، قرض وغیرہ لینا سارے کام ہونے لگتے ہیں اور کبھی ان میں کا بڑا، ان کے اہم معاملات کا ذمہ دار ہوجاتا ہے اور وہ اسی کے ساتھ رہ کر اس کے حکم سے کام کرتے رہتے ہیں۔ اور ساری باتیں علی الاطلاق اور بطور تفویض ہوتی ہیں۔ لیکن لفظ "مفاوضہ" اور اس کے مقتضیات کی صراحت نہیں ہوتی۔ جبکہ زیادہ تر، ترکہ یا کل کا کل سامان ہوتا ہے جس میں شرکت عقد صحیح نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ "شرکت مفاوضہ نہیں ہے۔ لیکن ہمارے زمانے کے وہ لوگ جنہیں فتویٰ دینے میں آگاہی اور مہارت نہیں ہے، انھوں نے اس کے "شرکت مفاوضہ" ہونے کا فتویٰ دیدیا ہے، حالانکہ یہ شرکت ملک ہے، جیسا کہ میں نے "تنقیح فتاوی حامدیہ" میں اسے تحریر کیا ہے، پھر میں نے اس کی بعینہ صراحت فتاوئ حانوتی میں دیکھی۔ بس جب ان کی سعی واحد ہو (سب مل کر گھر چلا رہے ہوں) اور ہر ایک کے اپنے عمل سے جو حاصل کیا ہے وہ متمیز نہ ہو، تو ان لوگوں نے جو کچھ جمع کیا ہے وہ ان کے درمیان برابری کے ساتھ مشترک ہوگا، اگر چہ کام میں اور رائے میں کثرت ودرستگی کے اعتبار سے مختلف ہوں، "فتاویٰ خیریہ" میں بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔

۴- اگر والد کے زمانے سے ایک ساتھ رہتے سہتے آئے ہوں اور والد کے بعد بھی

Marfat.com

ایک ساتھ رہ رہے ہوں تو اپنے ضروری اخراجات رکھ کر بقیہ کمائی گھر میں دینی ہوگی۔ بچا کر رکھنے کی گنجائش نہیں اور اگر والد کے زمانہ سے ہی علیحدہ ہوں، لیکن والد کے بعد اس طرح ایک ساتھ ہو گئے ہوں کہ کھانا پینا بھی ایک ساتھ ہو تو بھی بچانے کی گنجائش نہیں۔

خلاصہ یہ کہ اگر ''عائلہ واحدہ'' ہو، یعنی ایک ساتھ رہنا سہنا، کھانا پینا ہو، اور سعی واحد ہو، یعنی سب مل کر اپنی بساط کے مطابق گھر کو چلا رہے ہوں تو بچا کر رکھنے کی گنجائش نہ ہوگی۔

''رد المحتار'' میں ہے: ''لو اجتمع اخوه يعملون فی تركة أبيهم، ونمی المال فهو بينهم سوية ولو اختلفوا فی العمل والرأی'' (۳/ ۳۸۳) (اگر کئی بھائی اجتماعی طور پر اپنے باپ کے ترکہ میں کام کرتے ہوں اور مال بڑھا ہو تو اس میں سب برابر کے شریک ہوں گے، اگرچہ رائے اور عمل میں مختلف ہوں)۔

''فتاوی خیریہ'' (۱/ ۱۱۲) کی جو عبارت سوال ۲ کے جواب میں لکھی گئی ہے اس سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

۵-کمانے والے کی آمدنی ہی نہیں، بلکہ اس آمدنی سے بنائی ہوئی زمین وجائداد وغیرہ میں کام کرنے والے حضرات برابر کے حقدار ہوں گے (اسے سوال نمبر ۴ کے جواب کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے)۔

''فتاوی خیریہ'' میں ہے: ''وسئل فی إخوة أربعة تلقوا عن أبيهم تركة، فأخذوا فی الاكتساب والعمل فيها جملة، كل علی قدر استطاعة هل تكون جميع الشركة وما حصلوا بالاكتساب بينهم سوية وإن اختلفوا فی العمل والرأی كثرة وصواباً؛ (وأجاب:) نعم يكون الجميع بينهم أرباعاً لكل ربع، وإن اختلفوا فی الرأی والقوة إذ كل واحد منهم يعمل لنفسه ولإخوته علی وجه الشركة'' (الفتاوی الخیریہ ۱/ ۱۱۲)۔

(سوال کیا گیا کہ چار بھائی ہیں، انہوں نے اپنے باپ سے ترکہ پایا، پھر وہ سب کے

Marfat.com

سب اسی ترکہ میں کمانے اور کام کرنے میں اپنی اپنی استطاعت کے مطابق لگ گئے، کیا تمام ترکہ اور جو انہوں نے کما کر حاصل کیا ہے، ان سب میں برابر برابر تقسیم ہوگا، اگر چہ عمل اور رائے میں کثرت اور درستگی کے اعتبار سے مختلف ہوں، جواب دیا کہ ہاں! سب ان کے درمیان چار حصوں میں تقسیم ہوگا، ہر ایک کو ایک چوتھائی ملے گا، اگر چہ رائے اور قوت میں مختلف ہوں، کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے لئے اور اپنے بھائی کے لئے شرکت کے طور پر کام کر رہا ہے)۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر عائلہ واحدہ ہو، سب ایک ساتھ رہتے سہتے، کھاتے پیتے ہوں، سب کی سعی ایک ہو، یعنی سب مل کر مشترکہ طور پر گھر کو چلانے اور ترقی دینے میں جٹے ہوئے ہوں تو ان کی محنت وکوشش سے جو اموال وجائداد بنیں گے، سب میں سب برابر کے شریک ہوں گے۔ کیونکہ ہر کام کرنے والا، خواہ وہ کمانے میں لگا ہو یا گھر دیکھنے میں لگا ہو، وہ نہ صرف دوسرے کے لئے کام کر رہا ہے کہ صرف اپنے لئے، بلکہ اس کی ساری دوڑ دھوپ اپنے لئے بھی ہے اور اپنے بھائیوں کے لئے بھی دوڑ دھوپ شرکت کے طور پر ہے، "فتاوی خیریہ" کی مذکورہ عبارت کا یہ جملہ قابل غور ہے "إذ كل واحد منهم يعمل لنفسه ولاخوته على وجه الشركة"۔

۶- بیٹیاں جب ماں باپ کے پاس آئیں تو ان کی خدمت کریں، یہ ان پر والدین کے حقوق میں سے ہے، اس میں بیٹا بیٹی سب برابر ہیں۔ ماں باپ کی کفالت تو بیٹوں ہی کے ذمہ ہے، اصلاً یہ چیز بیٹیوں پر ہی واجب ہے، ان کی بیویوں، یعنی بہوؤں پر واجب نہیں۔ بہوؤں پر، استحباباً ان کی خدمت وغیرہ ہے، ان احادیث کی وجہ سے جو صلہ رحمی، بڑوں کی تعظیم یا ضعیف لوگوں کی مدد وغیرہ کے بارے میں وارد ہوئی ہیں، اگر بہو کے علاوہ کوئی موجود نہ ہو تو والدین کو ہلاکت وضیاع وتکلیف شدید سے بچانے کے لئے بہو پر یہ خدمت ومدد واجب ہوگی۔

۷- پردہ۔ کے احکام وہی رہیں گے جو ہیں، خواہ ان پر عمل کرنے میں لوگ کوتاہی کریں۔

Marfat.com

خاندانی نظام میں حقوق وفرائض کی ادائیگی کا مسئلہ

مفتی عبدالرحیم قاسمی ☆

۱- والدین کی خدمت اوران کے حقوق کی ادائیگی فرض ہے اور بھائی بہن کے ساتھ حسن سلوک بھی ضروری ہے، بسا اوقات بیوی کا مزاج مختلف ہونے کی وجہ سے شوہر کے خاندان کے ساتھ اس کا رہنا دشوار ہوتا ہے، ایسے حالات میں بیوی کو الگ رکھنا ضروری ہے، البتہ علاحدہ رہنے کے باوجود لڑکا اپنے والدین کی خدمت کرتا رہے۔ ''امداد الاحکام'' میں ہے: ''اگر ساتھ رہنے میں والدین کے حقوق تعظیم وغیرہ ضائع ہونے کا اندیشہ ہو یا نزاعات واختلافات کی وجہ سے قطع رحم رشتہ ٹوٹنے کا خوف ڈر ہو تو الگ ہو جانا ضروری ہے'' (امداد الاحکام ۴/ ۴۵۵)۔

''فتاوی دار العلوم'' میں ہے: زید اپنی زوجہ کو لے کر علاحدہ رہے اور والدین کی خدمت اور فرمانبرداری کرتا رہے اور جو کچھ ان کا حق ہے ادا کرے، تاکہ دارین میں فلاح پائے (فتاوی دار العلوم ۸/ ۴۱۲)۔

اسلام کے احکام کی بنیاد عدل وانصاف پر رکھی گئی ہے، لہذا ماں باپ بھائی بہنوں کی وجہ سے بیوی کے ساتھ حسن سلوک میں کوتاہی اور اس کی حق تلفی جائز نہیں، ''امداد الفتاوی'' میں ہے: ''چونکہ شرعاً عورت کو حق حاصل ہے کہ شوہر کے ماں باپ سے علاحدہ رہے، اگر وہ اپنے جائز حق کا مطالبہ کرے گی تو شوہر پر اس کے حق کا ادا کرنا واجب ہوگا اور واجب کا ترک چھوڑنا معصیت گناہ ہے'' (امداد الفتاوی ۲/ ۵۲۵)۔

☆ امیر مرکز دعوت وارشاد وافتاء، ناظم جامعہ خیر العلوم نور محل روڈ، بھوپال، ایم پی۔

Marfat.com

''کتاب الفتاوی'' میں ہے: ''اگر مزاج مختلف ہونے کی وجہ سے بیوی اور گھر کے لوگوں کا ساتھ رہنا دشوار ہو تو بیوی کے لئے الگ مکان حاصل کرنا چاہئے، شریعت میں بیوی کو اس کا حق حاصل ہے کہ وہ شوہر کے گھر والوں سے علاحدہ رہنے کے لئے مکان کا مطالبہ کرے اور شوہر پر بشرط قدرت اس کو پورا کرنا واجب ہوگا'' (کتاب الفتاوی ۱۴۴/۵)۔

''درمختار'' میں ہے:

''یشترط أن لا یکون فی الدار أحد من أحماء الزوج یؤذیها'' (درمختار علی ہامش ردمختار ۶۶۳/۲) (شرط ہے کہ شوہر کے رشتہ داروں میں سے گھر میں کوئی نہ رہے جو بیوی کو ایذاء رسانی کرتا ہو اور تکلیف دیتا ہو)۔

''فتاوی محمودیہ'' میں ہے کہ مرد کے ذمہ واجب ہے کہ عورت کو ایک مکان علاحدہ رہنے کے لئے دے اس مکان میں شوہر کے ماں باپ بھائی بہن وغیرہ نہ رہتے ہوں، بلکہ وہ پورا بیوی کے قبضہ اور تصرف میں ہو اور مکان سے مراد ایک کمرہ یا کوٹھا ہے جس کو عربی میں بیت کہتے ہیں، لہذا اگر صحن وغیرہ مشترکہ ہو جس کو شوہر کے دوسرے عزیز بھی استعمال کرتے ہوں اور بیوی بھی تو اس کو مطالبہ کا حق نہیں کہ میرا صحن بھی مستقل ہونا چاہئے، اس میں بھی کسی کی شرکت نہ ہو۔ یہ اس وقت ہے، جبکہ شوہر اور بیوی دونوں زیادہ مالدار نہ ہوں، بلکہ غریب یا متوسط درجہ کے ہوں اگر مالدار ہوں اور شوہر میں اس قدر استطاعت ہو کہ کوئی مستقل گھر علاحدہ بیوی کو دے سکتا ہو، خواہ خرید کر خواہ کرایہ پر خواہ عاریت پر جس کا صحن وغیرہ بھی **علاحدہ** ہو جس کو عربی میں دار کہتے ہیں تو عورت کو اس کے مطالبہ کا حق حاصل ہے (فتاوی محمودیہ ۴۵۸/۱۸)۔

''احسن الفتاوی'' میں ہے: ''اگر بیوی مالدار ہو تو اسے الگ مکان دینا واجب ہے متوسط درمیانی درجہ کی ہو تو اسی مکان میں سے ایک مستقل کمرہ کے علاوہ باورچی خانہ، غسل خانہ، اور بیت الخلاء بھی مستقل ہونا ضروری ہے، مسکین ہو تو صرف ایک کمرہ کافی ہے، باورچی خانہ، غسل خانہ، اور بیت الخلاء مشترک ہوں تو مضائقہ نہیں'' (احسن الفتاوی ۴۷۶/۵)۔

Marfat.com

"ردالمحتار" میں ہے:

"إن المسكين يعتبر بقدر حالهما ولقوله تعالى: اسكنوهن من حيث سكنتم من وجدكم، و ينبغي اعتماده في زماننا هذا، فقد مر أن الطعام والكسوة يختلفان باختلاف الزمان والمكان وأهل بلادنا الشامية لا يسكنون في بيت من دار مشتملة على أجانب، وهذا في أوساطهم فضلاً عن أشرافهم إلى قوله: فينبغي الإفتاء بلزوم دار من بابها نعم، ينبغي أن لا يلزمه إسكانها في دار واسعة كدار أبيها أو كداره التي هو ساكن فيها؛ لأن كثيراً من الأوساط والأشراف يسكنون الدار الصغيرة، وهذا موافق لما قدمناه عن الملتقط من قوله: اعتباراً في السكنى بالمعروف إذ لا شك أن المعروف يختلف باختلاف الزمان والمكان، فعلى المفتي أن ينظر إلى حال أهل زمانه وبلده إذ بدون ذلك لا تحصل المعاشرة بالمعروف، وقد قال تعالى: ولا تضاروهن لتضيقوا عليهن" (شامی ۲/ ۶۶۴)۔

(گھر کے بارے میں ان دونوں کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا، اللہ تعالی کے حکم کی وجہ سے جہاں تم رہو وہاں ان کو رکھو اپنی استطاعت اور قدرت و وسعت کے مطابق مناسب ہے کہ ہمارے زمانے میں اسی پر اعتماد کیا جائے، خوراک پوشاک کے متعلق پہلے گذر چکا ہے کہ زمانہ اور جگہ کے بدلنے کی وجہ سے احکام بدلتے رہتے ہیں، ملک شام میں ایک ہی گھر میں اجنبیوں غیر محرموں کے ساتھ نہیں رہتے، یہ درمیانی درجہ کے لوگوں کا حال ہے، چہ جائیکہ بلند معیار زندگی رکھنے والے، لہذا مستقل دروازہ کا گھر دینے کا فتوی دینا مناسب ہے، ہاں کشادہ گھر دینے کی ضرورت نہیں، جیسے مائکہ کا گھر ہو یا شوہر کا گھر ہو، کیونکہ درمیانی درجہ کے اور اونچے درجہ کے بہت لوگ چھوٹے گھر میں رہتے ہیں، یہ مسئلہ اس کے موافق ہے جو ہم نے ملتقط کے حوالہ سے پہلے بیان کیا ہے گھر کے متعلق جو معروف ہو اس پر عمل کیا جائے بے شک زمانہ اور جگہ کے بدلنے

Marfat.com

سے معروف کا معیار بدلتا رہتا ہے، اس لئے مفتی پر لازم ہے کہ اپنے زمانہ اور شوہر کے حالات پر نظر رکھے، کیونکہ اس کے بغیر بھلائی کے ساتھ زندگی بسر نہیں ہو سکتی، اللہ تعالی کا حکم ہے کہ عورتوں پر تنگی کر کے ان کو نقصان نہ پہنچاؤ)۔

۲- مشترکہ خاندان کے افراد میں سے جس کے بچے زیادہ ہوں اس پر اپنے بچوں کی تعداد کے لحاظ سے خرچ دینا لازم ہے۔

''فتاوی عالمگیری'' میں ہے: ''نفقة الأولاد الصغار علی الأب لا یشارکه فیها أحد'' (فتاوی عالمگیری ۱/۵۶۰) (چھوٹے بچوں کا خرچ باپ پر لازم ہے کوئی دوسرا مصارف میں شریک نہیں ہے)۔

''درمختار'' میں ہے: ''تجب النفقة بأنواعها علی الحر لطفله الفقیر یعم الأنثی والجمع إن لم یبلغ حد الکسب'' (درمختار علی ہامش رد المحتار ۲/۶۷۰) (آزاد آدمی پر اپنے چھوٹے بچوں کا خرچ واجب ہے، اگر وہ کمانے کے قابل نہ ہوں)۔

''امداد الاحکام'' میں ہے: زیادہ اولاد والی کی طرف جو زیادہ رقم جائے گی وہ بیوی کے نفقہ میں زیادتی نہیں، بلکہ یہ زیادتی اولاد کی ہی وجہ سے ہے اس پر دوسری بیوی اگر کوئی اعتراض کرے تو لغو ہے (امداد الاحکام ۴/۴۵۹)۔

۳- مشترکہ رہنے والے بھائیوں نے مل کر جو رقم جمع کی ہے اس میں سے بچی ہوئی رقم کے ذریعہ کوئی چیز خریدی گئی اگر یہ معلوم ہے کہ کس نے کتنی رقم جمع کی تھی تو جتنی جس کی رقم ہوئی اس کی رقم کی مناسبت سے خریدی ہوئی چیز میں سے اس کی ملکیت ہوگی اور اگر یہ معلوم نہیں ہے کہ جمع کی ہوئی رقم کس کی کم تھی کس کی زیادہ تھی یا سب کی برابر تھی تو خریدی ہوئی چیز کی ملکیت میں سب کو برابر کا حصہ دار مانا جائے گا۔ ''احسن الفتاوی'' میں ہے: اگر مشترکہ کاروبار میں تفاوت معلوم ہو اور معین زیادتی اقرار یا بینہ سے ثابت ہو تو اس صورت میں اس کا اعتبار ہوگا (احسن الفتاوی ۶/۳۹۴)۔

علامہ شامی نے لکھا ہے: ''وإن لم یعرف مقدار ما کان لکل منهما صدق

Marfat.com

کل واحد منهما إلى النصف" (شامی ۳/۳۴۹) (اگر شریکوں میں سے ہر ایک کے مال کی مقدار معلوم نہ ہو تو آدھے حصہ تک ہر ایک کی تصدیق کی جائے گی)۔

"زوج امرأة وابنها اجتمعا في دار واحدة وأخذ كل منهما يكتسب علاحدة ويجمعان كسبهما، ولا يعلم التفاوت ولا التساوي ولا التميز، فأجاب بأنه بينهما سوية" (شامی ۳/۳۴۹) (عورت کا شوہر اور اس کا لڑکا ایک ہی مکان میں رہتے ہیں اور ہر ایک علاحدہ کاروبار کرتا ہے کمائی کی آمدنی کو ایک جگہ جمع رکھتے ہیں اور کس کی آمدنی کتنی ہے فرق اور برابری کی تمیز نہیں تو جواب یہ ہے کہ جمع شدہ رقم ان کے درمیان برابر تقسیم ہوگی)۔

"لو اجتمع إخوة يعملون في تركة أبيهم، ونمى المال فهو بينهم سوية، ولو اختلفوا في العمل والرأي" (شامی ۳/۳۴۹) (والد کے چھوڑے ہوئے کاروبار میں بھائی جمع ہو کر کام کر رہے ہیں اور مال بڑھ گیا تو وہ بھی ان کے درمیان برابر تقسیم ہوگا اگرچہ کام کرنے اور رائے میں بھائی مختلف ہوں)۔

"فإن كان سعيهم واحد أولم يتميز ما حصله كل واحد بعمله يكون ما جمعوه مشتركاً بينهم بالسوية، وإن اختلفوا في العمل والرأي كثرة وصواباً" (شامی ۳/۳۳۸) (جب ان کی کوشش مشترک طور پر ایک ہو اور ایک نے جو آمدنی حاصل کی ہے اس کی تمیز نہ ہو تو ان کی جمع کی ہوئی جس قدر آمدنی ہے اس میں برابر حصوں کے حقدار ہوں گے، اگرچہ کام کرنے اور رائے کے زیادہ درست ہونے میں مختلف ہوں)۔

اگر سب بھائی کماتے ہیں اور سب شریک رہے اور کمی بیشی کا حال معلوم نہیں تو جو کچھ گھر میں موجود ہے بوقت علاحدگی سب برابر برابر تقسیم کریں گے (فتاوی دار العلوم ۱۳/۹۰)۔

۴- جو بھائی بیس ہزار روپے کماتا ہے دس ہزار روپے دونوں بھائیوں کے برابر گھر میں دیتا ہے اور دس ہزار روپے الگ بچا کر رکھتا ہے تو وہ بچی ہوئی رقم اس کی ملکیت ہوگی، "فتاوی دار العلوم" میں ہے: بکر نے جو زیور اور سامان خانہ داری اپنی آمدنی ملازمت سے حاصل کیا وہ اسی

Marfat.com

کا ہے اس کے بھائی زید یا عمر کا اس میں کوئی حق نہیں (فتاوی دار العلوم ۱۳/ ۷۲)۔

حدیث میں ہے: "كل أحد أحق بماله من والده وولده والناس أجمعين" (رواه البيهقي؛ سنن کبری ۷/ ۷۹۰)۔

والد اولاد اور تمام لوگوں کے مقابلہ میں ہر شخص اپنے مال کا خود زیادہ حقدار ہے یہ حدیث صحیح ہے، "جامع صغیر" میں اس پر صحت کی علامت لکھی ہے اور "سراج منیر شرح جامع صغیر" میں اس کو صحیح کہا ہے، "اصابہ" اور "اسد الغابہ" سے معلوم ہوتا ہے کہ حیان جمحی ابن جبلہ تابعی ہیں، صحابی نہیں، اس صورت میں حدیث مرسل ہوگی، بہرحال قابل استدلال ہے (فتاوی دار العلوم ۱۳/ ۶۶)۔

ایک بھائی نے کسب کیا اور مال حاصل کیا اور دوسرے بھائی کا اس میں کسب شامل نہیں ہوا تو پھر وہ مال حاصل شدہ اور مکسوبہ سب اسی کا ہے جس نے اپنے کسب سے حاصل کیا (فتاوی دار العلوم ۱۳/ ۷۱)۔

علاحدہ تجارت کے نفع نقصان کا کوئی بھائی شریک وذمہ دار نہ ہوگا (فتاوی دار العلوم ۱۳/ ۷۳)۔

دونوں بیٹوں نے جدا جدا کمایا اور اپنے اپنے مال مکسوبہ سے علاحدہ علاحدہ جائیداد خریدی اور مکانات وغیرہ بنوائے تو ہر ایک اپنے اپنے مکسوبہ اور جائیداد خرید کردہ کا مالک ہوگا، باقی ورثہ کا اس میں کچھ حق وحصہ نہیں۔

"في رد المحتار: زوج امرأة وابنها اجتمعا في دار واحدة، وأخذ كل منهما يكتسب علاحدة ويجمعان كسبهما" (شامی ۳/ ۳۴۹) (عورت کا شوہر اور اس کا بیٹا دونوں ایک گھر میں رہتے ہیں اور ہر ایک علاحدہ کماتا ہے اور دونوں ایک جگہ اپنی آمدنی کو جمع کرتے ہیں)۔

اس عبارت میں "قيد ويجمعان كسبهما" سے معلوم ہوا کہ اگر وہ دونوں باہم اپنے مکسوبہ مال کو جمع نہ کریں تو ہر ایک اپنے اپنے مکسوبہ مال وجائداد کا مالک ہے (فتاوی دار العلوم ۱۳/ ۷۳)۔

Marfat.com

مذکورہ عبارتوں سے ظاہر ہے کہ بیس ہزار روپے کمانے والے بھائی نے جو دس ہزار روپے گھر میں دیئے صرف وہی مشترک ہیں اور جو دس ہزار روپے الگ بچا کر رکھتا ہے اس رقم کا تنہا یہی مالک ہے۔

۵- گھر کے افراد نے مشورہ کر کے اگر کاروبار کی ذمہ داری کچھ حضرات کے سپرد کی ہے اور گھر کے کام دیکھنے کی ذمہ داری کچھ حضرات کے سپرد کی ہے اور وہ سب اپنی ذمہ داریوں کو انجام دیتے ہیں تو طے شدہ نظام کے مطابق آمدنی میں وہ سب برابر کے حصہ دار ہوں گے، کیونکہ گھر کی ذمہ داری سنبھالنے والوں نے ان کو امور خانہ داری سے بے فکر کر دیا تبھی وہ پوری توجہ کے ساتھ کاروبار کو ترقی دے رہے ہیں۔

شامی میں ہے:

"لو اجتمع إخوة يعملون في تركة أبيهم ونمى المال فهو بينهم سوية، ولو اختلفوا في العمل والرأي" (شامی ۳۴۹/۳) (اپنے والد کے چھوڑے ہوئے ترکہ میں سب بھائی مل کر کام کر رہے ہوں اور مال بڑھ گیا تو وہ ان کے درمیان برابر تقسیم ہوگا، اگرچہ کام کرنے اور رائے میں وہ مختلف ہوں)۔

البتہ جو بھائی سستی کاہلی کی وجہ سے بیکاری کے عادی ہوں، گھر پر پڑے رہیں اور کام کرنے والے بھائیوں سے آمدنی وصول کریں وہ کاروبار کی آمدنی میں حقدار نہیں، "فتاوی دار العلوم" میں ہے: "اگر باپ کے ترکہ میں کئی بھائی تجارت اور کاروبار کریں اور اس کو بڑھا دیں تو وہ سب بھائی اس میں برابر کے حصہ دار ہیں، اگرچہ ان کا عمل اور کوشش مختلف ہو، لیکن جو بھائی بالکل اس کاروبار سے علاحدہ رہا اور اس نے کسی قسم کی بھی اعانت بھائیوں کے کام میں نہ کی اور کسی قسم کا عمل نہ کیا تو روایت بالا کے مفہوم سے معلوم ہوا کہ وہ اس نما میں شریک نہ ہوگا" (فتاوی دار العلوم ۷۵/۱۳)۔

ظاہر ہے کہ جب وہ بیکار بھائی نما میں شریک نہیں ہے تو آمدنی میں بھی حصہ دار نہیں ہوگا۔

Marfat.com

اسلام کا پسندیدہ خاندانی نظام

مفتی ظہیر احمد کانپور☆

اسلام میں ایسا خاندانی نظام پسندیدہ اور مستحسن ہے جس میں تمام شرکاء خاندان اور افراد خانہ کے حقوق کی ادائیگی مکمل طور پر ہو سکے اور ان کے مابین کسی قسم کا نزاع اور جھگڑا نہ رہے۔

لہذا اتنا بڑا مشترکہ خاندان کہ جن کے اجتماعی طور پر کسی گھر میں رہنے سے کسی کو کوئی تکلیف اور پریشانی نہ ہو اور ہر ایک کے مکمل حقوق کی ادائیگی شرعی طور پر ہو سکے بہتر ہے۔

لیکن اگر ساتھ رہنے کی وجہ سے نزاع اور جھگڑا پیدا ہوتا ہے تو پھر ساتھ رہنے کی بجائے علیحدہ طور پر رہ کر ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کی جائے، اب خواہ یہ نزاع دو بیویوں کے درمیان ہو۔

تو ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ رکھ کر ان کے اخراجات پورے کئے جائیں اور ہر ایک کے حقوق پورے طور پر ادا کئے جائیں۔

۲- یا ساس بہو اور سسر بہو کے درمیان نزاع رہنے کی صورت میں بیوی کو علیحدہ رکھا جائے اور اپنے والدین کے حقوق کی ادائیگی بھی کی جائے (فتاوی دار العلوم ۸/ ۱۲ ۴، ۱۴، ۷، ۱۱/ ۶ ۱۳)۔

لیکن والدین اگر بوڑھے ہیں تو پھر ان کو اپنے ساتھ رکھنا لازم ہوگا، ''فتاوی قاضی خاں'' میں ہے:

☆ جامع العلوم پٹکاپور، کانپور۔

Marfat.com

"إن كان الوالد زمنا أو لا يقدر على عمل وللابن عيال كان على الابن أن يضم الأب إلى عياله وينفق على الكل" (۲۰۶/۱، قاضی خاں مصطفائی)۔

(والد اگر انتہائی بوڑھے ہوں اور کام کرنے پر قادر نہ ہوں اور بیٹا صاحب عیال ہو تو بیٹے پر لازم ہے کہ والد کو اپنی عیال کے ساتھ رکھے اور مشترکہ طور پر خرچ کرے)۔

شامی میں ہے:

"ولا يخفى أن الأم بمنزلة الأب الزمن، لأن الأنوثة بمجردها عجز"۔

اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ ماں انتہائی بوڑھے، کھونسٹ باپ کے درجہ میں ہے (حکم میں ہے) (ردالمحتار ۲/ ۶۷۷، مکتبہ نعمانیہ)۔

(کیونکہ محض مؤنث ہونا عمل پر قادر نہ ہونے کی علامت ہے)۔

اسی طرح یہ نزاع دیگر قریبی رشتہ داروں کے مابین ساتھ رہنے کی وجہ سے پیدا ہو تو پھر ان کا علیحدہ رہ کر ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کرنا چاہئے، جیسے بھائیوں کے درمیان نزاع ہو یا چچا بھتیجوں کے درمیان نزاع ہو۔

۲- یہ آپسی رضامندی اور معاہدہ پر موقوف ہے جس طرح بھی آپس میں طے ہو جائے۔

۱- خواہ مشترکہ طور پر ساتھ کھانے پینے رہنے کے بچوں کے لحاظ سے اخراجات متعین کر لئے جائیں۔

۲- مشترک طور پر کھانے پینے اور رہنے سہنے کے علاوہ ہر شریک برابر برابر اوپری خرچ لے۔ خواہ کسی کے بچہ زیادہ ہوں یا کم۔

۳- کاروبار میں تو سب شریک ہوں، مگر کھانے پینے، اور رہنے سہنے میں اخراجات میں علیحدہ ہو تو پھر ہر شریک کاروبار میں برابر کا شریک ہوگا۔ اور برابر اخراجات لینے کا حقدار رہے گا۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند ۱۳/ ۸، ۴/ ۱۳/ ۸۱ و ۸۶)۔

Marfat.com

۳- ایسی صورت میں سبھی کا حصہ برابر ہوگا۔ (حوالہ سابق فتاوی دار العلوم دیوبند ۱۳/ ۴۸، و ۱۳/ ۸۱و۸۶)۔

۴- بچی ہوئی رقم صرف اس کی ملکیت ہوگی۔ اس میں دیگر بھائیوں کا حصہ نہ ہوگا۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند ۱۳/ ۷۴-۷۳)۔

۵- سب برابر کے حقدار ہوں گے۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند ۱۳/ ۴۶-۴۵)۔

۶- (الف) بیٹے اور بیٹیوں دونوں پر برابر طور پر واجب ہے۔

چنانچہ ''قاضی خاں'' میں ہے: "ولو كان له ابن وابنة كانت نفقته عليهما على السواء، وقال بعضهم: يكون نفقته عليهما أثلاثا على قدر الميراث، والفتوى على الأول" (قاضی خان ۱/ ۲۰۶ وکذا فی الدر مع الشامی ۲/ ۶۷۸)۔

(اور اگر اس کے لڑکا اور لڑکی ہو تو نفقہ دونوں پر برابر طریقہ پر واجب ہوگا اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ نفقہ اثلاثا واجب ہوگا میراث کے بقدر (یعنی لڑکے پر دو تہائی اور لڑکی پر ایک تہائی) اور فتوی پہلے قول پر ہے)۔

ب- بہو پر اس خدمت کا بجالانا واجب نہیں، تاہم کسی کے نہ ہونے پر اخلاقی طور پر اس خدمت کو انجام دینا چاہئے۔

ورنہ مالدار بیٹوں پر اپنے والدین کی خدمت کے لئے خادم/ خادمہ کا نظم کرنا واجب ہے، چنانچہ ''فتاوی قاضی خاں'' میں ہے:

"وكما يجب على الابن الموسر نفقة والده الفقير يجب عليه نفقة خادم الأب امرأة كانت الخادم أو جارية إذا كان الأب محتاجاً إلى من يخدمه" (قاضی خان ۱/ ۲۰۶)۔

یعنی مالدار بیٹے پر جس طرح اپنے والد کا نفقہ واجب ہے اسی طرح والد کے خادم کا نفقہ بھی واجب ہے، چاہے وہ خادم عورت ہو یا لڑکی، جبکہ والد کو خدمت کی ضرورت ہو۔

اس عبارت سے صریح طور پر والد کے خادم کے نفقہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے جبکہ ماں

Marfat.com

کے خادم/ خادمہ کا ثبوت صریح طور پر شامی کی درج ذیل عبارت سے ہوتا ہے:

"ولا يخفى أن الأم بمنزلة الأب الزمن، لأن الأنوثة بمجردها عجز" (۶۷۷/۲)۔

(کہ یہ بات ظاہر ہے کہ ماں بوڑھے باپ کے حکم میں ہے، کیونکہ مؤنث ہونا بذات خود عاجز ہونے کی دلیل ہے)۔

۷- یہ اس صورت میں ہوگا، جبکہ چچا بھی ساتھ رہتے ہوں اور خاندان کافی بڑا ہو زیادہ بڑے خاندان کے ساتھ رہنے میں پردہ کے علاوہ دیگر مسائل پیدا ہونے کا قوی امکان ہے۔ اس لئے بہت زیادہ بڑے پیمانہ پر مشترکہ خاندان بھی اسلام میں پسندیدہ نہیں۔ تاہم اس صورت میں حتی الامکان پردہ کا اہتمام کیا جائے، یعنی کم از کم چہرہ ہتھیلی اور ٹخنہ کے علاوہ سارا جسم ڈھکا ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ سورہ النور کی آیت: "وقل للمؤمنات الخ" (سورہ نور: ۳۱) میں وارد ہے۔

Marfat.com

مشترکہ اور جداگانہ خاندانی نظام کے فوائد اور نقصانات

مولانا عبداللطیف پالنپوری ☆

جواب ا: مشترکہ خاندانی نظام میں یقیناً کچھ فوائد اور محاسن ہیں، جیسا کہ سوالنامہ میں مذکور ہے، مثلاً خاندان کے کمزور افراد کی مدد، بیوہ و مطلقہ عورتوں اور یتیم لڑکوں اور لڑکیوں کی بہتر پرورش ہونا، بوڑھے ماں باپ کی خدمت وغیرہ، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس میں بہت کچھ مفاسد بھی ہیں جو شریعت کی نظر میں مکروہ و ناپسندیدہ، بلکہ حرام درجے تک پہنچے ہوئے ہیں، اور ان مفاسد سے مشترکہ خاندانی نظام کو پاک کرنے کا حل اس دور فساد میں صرف مشکل ہی نہیں، بلکہ بہت مشکل ہے۔

جبکہ دوسری طرف جداگانہ خاندانی نظام ان مفاسد سے پاک ہے، رہا مسئلہ بوڑھے ماں باپ کی خدمت اور مطلقہ بیوہ عورتوں کی کفالت اور یتیم بچوں اور بچیوں کی پرورش کا، تو اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ جداگانہ خاندانی نظام ان چیزوں سے مانع نہیں ہے، بلکہ غور کیا جائے تو اس کا اصل سبب ماں باپ کے حقوق سے ناواقفیت اور بیواؤں اور یتیموں کی کفالت پر ملنے والے اجر وثواب سے غفلت ہے، ورنہ آج کے اس دور میں بھی بہت سارے نمونے موجود ہیں کہ جداگانہ خاندانی نظام کے باوجود ماں باپ کی خدمت کا پورا پورا حق ادا ہو رہا ہے، بیواؤں کی کفالت اور یتیموں کی پرورش کا بہترین انتظام ہو رہا ہے، لہٰذا مذکورہ بالا تفصیل کے پیش نظر ہماری رائے یہ ہے کہ اسلام کی نظر میں جداگانہ خاندانی نظام بہتر ہے۔ آگے مشترکہ خاندانی نظام کے

☆ جامعہ نذیریہ کاکوسی گجرات۔

Marfat.com

مفاسد میں سے چند بطور نمونہ پیش خدمت ہیں:

۱- مشترکہ خاندانی نظام میں ہر ایک کی ملکیت و مالیت کا الگ حساب نہیں رہتا، جبکہ شریعت کے کئی احکام مثلاً زکوٰۃ، قربانی، صدقہ فطر کا وجوب ہر ایک کی ملکیت کے الگ حساب پر موقوف ہے، نیز وراثت کا حکم جاری کرنا بھی ہر ایک کی ملکیت کے الگ حساب پر موقوف ہے۔

۲- ایک بھائی کی اولاد زیادہ ہے، ایک کی کم تو ایک کا خرچ زیادہ ہے دوسرے کا کم، اور کام و آمدنی دونوں کی برابر، تو اس صورت میں ایک کا نقصان وحق تلفی ہے۔

۳- اگر والدین کی حیات میں کسی ایک بھائی کا انتقال ہو گیا تو اس کی اولاد اور بہو ترکہ سے محروم ہو جائیں گے، مرنے والا چونکہ باپ کا معاون تھا، اس لئے اس کا کوئی ترکہ ہی نہ تھا جو اس کے بیوی بچوں کو دیا جائے، اور جب والد کا انتقال ہوگا تو پوتے اور مرحوم کی بیوہ محروم ہوں گے، اگر یہ مرحوم شروع سے الگ رہتا تو اس کا ترکہ اس کے بیوی بچوں کو ملتا۔

۴- اگر کئی بھائی ہیں، ایک بھائی کھیتی کرتا ہے اور پیداوار گھر میں کھانے پینے میں خرچ ہوتی ہے اور دوسرے بھائی گھر سے باہر ملازمت پر ہیں جو وقتاً فوقتاً خرچ بھیجتے رہتے ہیں اور وہ گھر میں صرف ہوتا رہتا ہے، اور گھر آئے ہوئے گھر کی ضرورت کی کوئی چیز خرید کر لاتے ہیں، اب جب علیحدگی ہوئی تو وہ چیزیں جو بھائی خرید کر لائے تھے انہوں نے اس چیز پر قبضہ کر لیا کہ یہ ہم نے ذاتی آمدنی سے خریدی ہے، اگر یہ شرکت کی چیز سمجھی جائے گی تو ہمارے ذمہ اتنا قرض بھی ہے وہ بھی شرکت کا ہوگا، اب اس مسئلہ کا حل کرنا مشکل ہوتا ہے۔

۵- چار بھائی ہیں، ایک تجارت کرتا ہے، ایک ملازمت کرتا ہے، ایک کھیتی کرتا ہے، ایک کم عمر اپنی بساط کے مطابق گھر کا کام کرتا ہے، اب ہر ایک بھائی خفیہ طور پر اپنے پاس کچھ رقم جمع کرنے کی کوشش کرتا ہے، جس میں دوسرے کا نقصان اور حق تلفی ہے۔

۶- مشترکہ خاندانی نظام میں گھر کے سب افراد کے لئے یکساں کھانے کا انتظام ہوتا ہے، جبکہ بھائیوں کی آمدنیاں مختلف ہیں، بعض بے روزگار ہیں، لیکن سب کو برابر رکھنے کی وجہ

Marfat.com

سے اس بھائی کی عورت کی حق تلفی ہوتی ہے جس کی آمدنی زیادہ ہے، کیونکہ عورت کا نان نفقہ مرد کی حیثیت کے مطابق واجب ہوتا ہے۔

۷- ہر ایک بھائی کی بیوی کے لئے الگ کمرہ نہ ہونے کی وجہ سے دیور، جیٹھ، چچازاد، پھوپھی زاد سے پردہ مشکل ہوتا ہے۔ان کے علاوہ اور بھی کئی مفاسد ہیں۔

جواب ۲: شریعت کا حکم یہ ہے کہ ہر آدمی اپنے بیوی بچوں کے خرچ کا مکلّف ہے، ایک بھائی کی اولاد کے اخراجات دوسرے کے ذمے ڈالنا شرعاً جائز نہیں ہے، لہٰذا مشترکہ خاندانی نظام میں ہر ایک بھائی پر اس کے بچوں کی تعداد کے لحاظ سے اخراجات عائد کئے جائیں گے۔

"ونفقة الأولاد الصغار علی الأب لا یشارکه فیها أحد کما لا یشارکه فی نفقة الزوجة لقوله تعالیٰ: وعلی المولود له رزقهن، والمولود له هو الأب"

(ہدایہ ثانی باب النفقۃ ۲/۴۲۴)۔

جواب ۳: اس صورت میں جبکہ سب بھائیوں نے علیحدہ علیحدہ کسب کیا ہے، اور مشترکہ اخراجات کے لئے والد یا بڑے بھائی کے پاس رقم جمع کروائی ہے، والد کو یہ رقم ہبہ نہیں کی ہے، اور مشترکہ اخراجات سے بچی ہوئی رقم کے ذریعے کوئی چیز خریدی گئی ہے، اور کس نے کتنی آمدنی جمع کروائی ہے یہ معلوم نہیں ہے، تو عدم امتیاز مقدار کے وقت سب بھائی خریدی ہوئی چیز کے برابر سرابر مالک شمار کئے جائیں گے۔ شامی میں ہے: (تنبیہ) "یوخذ من هذا ما أفتی به فی الخیریة فی زوج امرء ة وابنها اجتمعا فی دار واحدة، وأخذ کل منهما یکتسب علیحدة ویجمعان کسبهما، ولا یعلم التفاوت ولا التساوی ولا التمییز، فأجاب بأنه بینهما سویة" (شامی ۳/۳۴۹، بیروت، امداد الفتاویٰ ۳/۵۱۵)۔

جواب ۴: اس صورت میں بیس ہزار کمانے والے بھائی نے دس ہزار جو الگ بچا کر رکھے ہیں تو وہ بچی ہوئی رقم صرف اسی کی ملکیت ہوگی، دوسرے دو بھائیوں کی اس میں شرکت نہ ہوگی، الا یہ کہ بیس ہزار کمانے والے بھائی کی اولاد دوسرے دو بھائیوں کے مقابلے میں زیادہ ہو تو

Marfat.com

بچا کر رکھی ہوئی رقم میں سے اپنی اولاد کا زائد خرچہ دینا ہوگا۔ حدیث شریف میں آتا ہے: "ألا لایحل مال امرأ منسلم إلا بطیب نفس منه" (مشکوۃ شریف ۲۵۵)۔

جواب ۵: سوال کی اس صورت میں کئی احتمال ہیں (۱) باپ حیات ہے اور اس کا اپنا کاروبار ہے، لیکن معذوری کی وجہ سے کاروبار نہیں کرسکتا، اب اس کی کچھ اولاد کاروبار میں کمائی کرتی ہے اور کچھ اولاد گھر کا کام دیکھتی ہے، اور کھانا پینا سب کا مشترک ہے، اس صورت میں پوری کمائی باپ کی شمار ہوگی، اور بیٹوں کی حیثیت معین کی ہوگی، اور باپ کے انتقال کے بعد شرعی قانون کے مطابق وراثت جاری ہوگی۔ "الأب وابنه یکتسبان فی صنعة واحدة، ولم یکن لهما شیئ فالکسب کله للأب إن کان الابن فی عیاله لکونه معینا له" (شامی ۳۴۱/۳، بیروت، احسن الفتاوی ۶/ ۳۹۳)۔

۲- دوسرا احتمال یہ ہے کہ باپؒ کے انتقال کے بعد میراث تقسیم نہیں ہوئی اور مشترک خاندانی نظام چلتا رہا، اور کچھ افراد باپ کے ترکہ میں کمائی کرتے ہیں اور کچھ افراد گھر کا کام دیکھتے ہیں، تو اس صورت میں ترکہ میں جو بڑھوتری ہوگی اس میں تمام بھائی برابر کے شریک ہوں گے۔

"وکذلک لو اجتمع إخوة یعملون فی ترکة أبیهم ونمی المال، فهو بینهم سویة، ولو اختلفلوا فی العمل والرأی اھ" (شامی ۳۴۹/۳، بیروت)۔

۳- تیسرا احتمال یہ ہے کہ کچھ افراد جو کمائی کرتے ہیں وہ والد صاحب کے کاروبار یا والد صاحب کے ترکہ میں کمائی نہیں کرتے ہیں، بلکہ وہ اپنی علیحدہ کمائی کرتے ہیں اور کچھ افراد گھر کا کام دیکھتے ہیں، اور انہوں نے گھر کا کام اپنے ذمہ لیا، اس لئے کمائی کرنے والوں کو کمائی کے لئے فراغت اور تعاون ملا، اس صورت کا حکم یہ ہے کمانے والے حضرات کی آمدنی میں گھر کا کام دیکھنے والے افراد کا کوئی حق نہ ہوگا اور یہ آمدنی صرف کمانے والوں کی ہوگی، البتہ گھر کا کام دیکھنے والے بھائی اپنی ذمہ داری اور کام کی وجہ سے اجرت مثل کے حقدار ہوں گے۔

Marfat.com

"وماحصله أحدهما بإعانة صاحبه، فله ولصاحبه أجر مثله" (درمختار) (قوله بإعانة صاحبه) سواء كانت الإعانة بعمل كما إذا أعانه في الجمع والقلع أو الربط أو الحمل أو غيره أو بآلة كما لو دفع له بغلا أو راوية ليستقي عليها أو شبكة ليصيد بها" (شامی ۳/۳۵۰، بیروت)، (مستفاداز فتاوی محمودیہ ۱۴/ ۱۹۳-۱۹۲، مکتبہ صدیق ڈابھیل)۔

جواب ۶: ماں باپ کی خدمت اور کفالت بیٹوں اور بیٹیوں پر برابر طریقہ پر واجب ہے، جبکہ وہ صدقۂ فطر کے نصاب کے مالک ہوں، اور اولاد میں سے اگر کوئی صدقۂ فطر کے نصاب کا مالک نہیں ہے تو اس پر ماں باپ کا نفقہ واجب نہ ہوگا، بہو کے ذمے شوہر کے ماں باپ کی خدمت اور کفالت واجب نہیں ہے، البتہ بہو کا یہ اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ شوہر کے ماں باپ کو اپنے ماں باپ سمجھ کر ان کی خدمت میں تعاون کرے۔

"ولايشارك الولد في نفقة أبويه أحد ...... وهي على الذكور والإناث بالسوية في ظاهر الرواية وهو الصحيح" (ہدایہ ثانی ۲/ ۴۲۶، باب النفقۃ)۔

"وتجب على موسر ولو صغيرا يسار الفطرة على الارجح (در مختار) (قوله يسار الفطرة على الأرجح) أى بأن يملك مايحرم به أخذ الزكوٰة وهو نصاب، ولو غير نام، فاضل عن حوائجه الأصلية، وهذا قول أبى يوسف، وفي الهداية: وعليه الفتوى، وصححه في الذخيرة، ومشى عليه في متن الملتقى، وفي البحر: أنه الأرجح" (شامی ۲/ ۶۷۶، بیروت)۔

"ففي ولدين لمسلم فقير، ولو أحدهم نصرانيا أو أنثى تجب نفقته عليهما سوية، ذخيرة، للتساوی فی القرب والجزئية، وإن اختلفا في الإرث" (شامی ۲/ ۶۷۸، بیروت)۔

جواب ۷: جس مکان میں پورا خاندان ساتھ رہتا ہو اور مکان تنگ ہونے کی وجہ سے مکمل طور پر پردہ نہیں ہو پاتا تو وہاں پردہ قائم رکھنے کی صورت یہ ہے کہ چہرہ کے علاوہ باقی بدن تو

Marfat.com

چھپا رہتا ہی ہے، چہرہ بھی سامنے نہ کریں، اور نامحرم کے ساتھ خلوت کا موقع کبھی نہ آنے دیں، ہنسی مذاق سے پوری احتیاط رکھیں، یہ اس وقت ہے، جبکہ مکان میں تنگی کی وجہ سے اتنی گنجائش نہ ہو کہ نامحرم کی آمد کے وقت مکان کے اندرونی حصہ میں چلی جائیں، یا پردہ درمیان میں لٹکا دیں، اگر گنجائش ہو تو چہرہ چھپا کر بھی سامنے آنے سے اجتناب کریں یہ تو عورتوں کے حق میں ہے۔

مردوں کے حق میں یہ ہے کہ جب مکان میں جائیں اطلاع کر کے جائیں، اور نگاہ نیچی رکھیں، اور ہنسی مذاق، نیز خلوت سے پوری احتیاط کریں (فتاوی محمودی ۸ر ۴۷-۴۳ ۲، مکتبہ محمودیہ ن ق)۔

Marfat.com

یا جداگانہ نظام زندگی کے متعلق سوالات کے جوابات

مفتی عبدالقیوم پالنپوری ☆

ا- اسلام میں مشترکہ نظام زندگی کے مقابلہ میں ایسا جداگانہ نظام زندگی بہتر ہے جس میں مرد بیوی اور نابالغ اولاد کے حقوق پورے طور پر ادا کرے اور والدین وغیرہ جن رشتہ داروں کا نفقہ یا خدمت واجب ہے ان کے حقوق کی ادائیگی ہو، کسی پر ناحق زیادتی نہ ہو اور شرعی پردہ کی رعایت ہو۔

(۲) شرعاً مرد پر اپنی نابالغ اولاد اور بالغ محتاج لڑکیوں اور اپاہج ومعذور بالغ لڑکوں اور بیوی کا خرچ ونفقہ واجب ہے، اور اگر والدین بھی واقعی نفقہ کے محتاج ہیں کہ ان کے پاس کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے تو انکا خرچ بھی غنی (صاحب نصاب) اولاد پر واجب ہے، پس مشترکہ خاندان میں ہر ایک پر اپنی اپنی اولاد کا خرچ واجب ہوگا، سب بھائیوں پر برابر خرچ واجب نہ ہوگا، ''درمختار'' میں ہے: **وتجب النفقة بأنواعها على الحر لطفله (يعم الأنثى والجمع) الفقير الحر** (ردالمحتار مع الدر ۲/ ۹۲۴)۔

(۳) اگر اولاد نے اپنی آمدنی کی رقوم اپنے والد کو دی اور دینے کا مقصد والد کو ہبہ کرنا نہیں ہے اور قرض کے طور پر دینے کی صراحت بھی نہیں ہے، بلکہ مقصد ہے کہ ہمارے لئے جائداد خریدیں یا تجارت کریں یا موجود کاروبار کو بڑھائیں تو اس صورت میں ان رقوم سے جو جائداد خریدی جائے گی یا تجارت کی جائے گی تو اس میں اولاد اپنی اپنی رقوم کے بقدر شریک ہوں گی۔

☆ جامعہ نذیریہ کاکوسی، شمالی گجرات۔

Marfat.com

اور اگر اولاد نے رقوم والد کو دی اور والد صاحب یہی سمجھتے ہیں کہ اس کا میں مالک ہوں اور اولاد کو واپس طلب کرنے کا حق نہیں ہے اور نہ والد کے تصور میں یہ ہے کہ اولاد نے بطور قرض یا اولاد نے اپنے لئے تجارت یا جائداد خریدنے کے لئے دی ہے اور نہ اولاد کے تصور وخیال میں یہ بات ہے، جیسا کہ (مشترکہ خاندانی نظام میں عموماً اسی طرح کا عرف ہے) تو اس صورت میں یہ اولاد کی دی ہوئی رقوم والد کی ملک قرار دی جائے گی اور ان میں سے گھر کے خرچ کے بعد باقی ماندہ رقوم سے جو جائداد واملاک خریدی والد نے یا تجارت کی یا موجودہ کاروبار میں اس سے اضافہ کیا تو اس کے مالک صرف والد ہی ہوں گے اور ان کی وفات کے بعد ان کے ترکہ میں شامل ہو کر تمام ورثاء وراثت کے حصول کے بقدر حقدار ہوں گے۔

۴- مذکورہ صورت میں جس بھائی نے اپنی تنخواہ...... ۲۰ ہزار میں سے ہر ماہ دس ہزار اپنے پاس جمع کی ہے، یہ جمع شدہ رقم کا مالک یہی بھائی ہے، اس میں شرعاً والد صاحب یا دوسرے بھائیوں کا کوئی حق نہیں ہوگا۔

(۴) اگر والد صاحب حیات ہیں اور چند لڑکے ان کے گاؤں کے کاروبار میں لگے ہوئے ہیں یا کھیتی وغیرہ کا کام دیکھتے ہیں اور دوسری اولاد دوسری جگہ کماتی ہے اور ملازمت کرتی ہے تو یہ دوسری جگہ ملازمت کرنے والی اولاد نے جو رقوم کما کر والد صاحب کو دیدی تو والد صاحب اس کے مالک ہوں گے اور جو روپئے انہوں نے اپنی کمائی میں سے اپنے پاس جمع رکھی اس میں والد یا دوسرے بھائی حقدار نہ ہوں گے۔

۵- والدین کو بڑھاپے میں خدمت وکفالت کی ضرورت ہوتی ہے تو والدین کی خدمت تو تمام اولاد لڑکے، لڑکیوں پر واجب ہے (الا یہ کہ اس میں سے کوئی معذور یا اپاہج ہو یا لڑکی سسرال میں دوسرے گاؤں ہونے کی وجہ سے نہ آسکتی ہو) اور بہوؤں پر اپنے شوہروں کے والدین کی خدمت شرعاً واجب نہیں ہے، اگر خدمت کریں گی تو ان کا احسان ہوگا اور ثواب کی مستحق ہوں گی، اگر بہوئیں خدمت کے لئے تیار نہ ہوں تو خود اولاد خدمت کرے اور ایسی

Marfat.com

خدمت جس میں عورتوں ہی کی ضرورت ہو تو دوسری عورتوں سے اجرت دے کر کام کروائیں۔

والدین واقعی نفقہ کے محتاج ہوں تو صدقۂ فطر کا نصاب رکھنے والی اولاد لڑکے اور لڑکیوں پر نفقہ واجب ہے، اور صدقۂ فطر کا نصاب رکھنے والی لڑکی پر بھی لڑکے کے بقدر نفقہ واجب ہوگا، البتہ اگر اولاد میں مالداری وغنا میں غیر معمولی تفاوت ہے تو مالداری وغنا میں فائق اولاد پر دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ نفقہ واجب ہوگا۔

حضرت مفتی محمود صاحب ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''جب کہ وہ خود (والد) صاحب حیثیت ہے اور اپنا خرچ خود برداشت کرسکتا ہے تو پھر زید (لڑکے) کے ذمہ دس روپیہ دینا واجب نہیں ہے، بلکہ زید اپنی استطاعت کے مطابق خدمت کرتا رہے اور اس میں کوتاہی نہ کرے'' (فتاوی محمودیہ ۱۳؍ ۴۶۴)۔

''وفی الدر المختار: تجب علی موسر یسار الفطرة النفقة لاصوله الفقراء ولو قادرين على الكسب ...... بالسوية بين الابن والبنت، وقيل: كالإرث وبه قال الشافعي. وفي رد المحتار: (قوله السوية بين الابن والبنت) وهو ظاهر الرواية وهو الصحيح، هداية، وبه يفتي خلاصة، وهو الحق، فتح. وكذا لو كان للفقير ابنان أحدهما فائق في الغنى والآخر يملك نصابا فهي عليهما سوية، خانية، وعزاه في الذخيرة إلى مبسوط محمد، ثم نقل عن الحلواني: قال مشائخنا: هذا لو تفاوتا في اليسار تفاوتا يسيراً، فلو فاحشا يجب التفاوت فيها'' (ردالمحتار ۲؍ ۹۳۳-۹۳۴)۔

''درمختار'' میں ہے کہ ''صدقۂ فطر کا نصاب رکھنے والے مالدار پر اپنے محتاج اصول، (باپ، دادا، ماں، دادی وغیرہ) کا نفقہ وخرچ واجب ہے، اگر چہ وہ اصول کمانے پر قادر ہوں ......لڑکے اور لڑکی کے درمیان برابری کے ساتھ اور کہا گیا ہے کہ وراثت کے مانند اور اسی کے مطابق امام شافعیؒ نے کہا ہے۔ علامہ شامیؒ نے فرمایا ہے کہ لڑکے اور لڑکی کے درمیان برابری کا

Marfat.com

قول وہ ظاہر الروایت ہے اور وہی صحیح ہے۔ ہدایہ، اور اسی پر فتوی ہے، خلاصہ اور وہی حق ہے، فتح اور اسی طرح اگر ایک محتاج باپ کے دولڑکے ہوں، ایک زیادہ مالدار ہو اور دوسرا نصاب کے بقدر کا مالک ہو تو نفقہ دونوں پر برابر ہوگا، خانیہ، اور اس مسئلہ کو ذخیرہ میں امام محمدؒ کی مبسوط کی طرف منسوب کیا ہے، پھر امام حلوائیؒ سے نقل کیا ہے کہ "حلوائیؒ نے فرمایا کہ ہمارے مشائخؒ نے فرمایا ہے کہ یہ مسئلہ اس وقت ہے جب دونوں میں مالداری میں معمولی تفاوت وفرق ہو، پس اگر دونوں میں غیر معمولی مالداری میں تفاوت وفرق ہو تو نفقہ کی مقدار میں تفاوت واجب ہوگا (بحر الرائق))۔

۶- شریعت مطہرہ میں غیر محارم سے پردہ فرض ہے، عورت کے لئے بہنوئی، دیور، جیٹھ، شوہر کے بہنوئی چچازاد بھائی وغیرہ غیر محرم ہیں، ان سب سے پردہ ہے، بالکل ان کے سامنے نہ آئے، اگر ایک ہی مکان میں رہتے ہوں اور مکان کی تنگی ہو تو مجبوراً اتنا پردہ کافی ہے کہ باریک کپڑے عورتیں نہ پہنیں اور چہرہ، ہاتھ نہ کھولے، بلکہ گھونگٹ کرے اور تنہائی میں ایک جگہ ان کے ساتھ نہ ہو اور بے تکلفی اور ہنسی مذاق نہ کرے۔ "تمنع المرأة من کشف الوجه بین الرجال لخوف الفتنة" (تنویر الابصار مع الرد ۱/۴۰۶)۔

حضرت مفتی محمود صاحب گنگوہی تحریر فرماتے ہیں۔

بہنوئی، پھوپھا، چچازاد بھائی وغیرہ سے پردہ ہے، بالکل ان کے سامنے نہ آئے، اگر ایک ہی مکان میں رہتے ہوں اور مکان کی تنگی ہو تو مجبوراً اتنا پردہ بھی کافی ہے کہ چہرہ، ہاتھ نہ کھولے، بلکہ گھونگٹ کرلے اور تنہائی میں ایک جگہ ان کے ساتھ نہ ہو اور بے تکلفی، ہنسی مذاق نہ کرے (فتاوی محمودیہ ۱۹/۱۷۵) اور حضرت مفتی محمود صاحب ایک دوسرے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

الجواب حامداً ومصلیاً: باقی بدن چھپا رہتا ہی ہے، چہرہ بھی سامنے نہ کریں اور نامحرم کے ساتھ خلوت کا موقع کبھی آنے نہ دیں، ہنسی مذاق سے پوری احتیاط رکھیں، یہ اس وقت ہے، جبکہ مکان میں تنگی کی وجہ سے اتنی گنجائش نہ ہو کہ نامحرم کی آمد کے وقت مکان کے اندرونی حصہ

Marfat.com

میں چلی جائیں یا پردہ درمیان میں لٹکا دیں، اگر گنجائش ہوتو چہرہ چھپا کر بھی سامنے آنے سے اجتناب کریں۔ یہ تو عورتوں کے حق میں ہے۔ مردوں کے حق میں ہے کہ جب مکان میں جائیں اطلاع کر کے جائیں اور نگاہیں نیچی رکھیں اور ہنسی مذاق، نیز خلوت سے پوری احتیاط کریں (فتاوی محمودیہ ۱۹/۱۷۶)۔

قال الحصكفيؒ: الخلوة بالأجنبية حرام (درمختار ۶/۳۶۸) عن عقبة بن عامر رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله ﷺ قال: إياكم والدخول على النساء فقال رجل من الأنصار: يا رسول الله! أفرأيت الحمو؟ قال: الحمو الموت (بخاری شریف ۲/۷۸۷) قال النوويؒ: اتفق أهل العلم باللغة على أن الأحماء أقارب زوج المرأة كأبيه، وعمه وأخيه وابن اخيه وابن عمه ونحوهم (فتح الباری ۹/۳۸۹ نقلاً عن محمودیہ ۱۹/۱۷۶)۔

Marfat.com

خاندانی نظام میں حسن معاشرت

مولانا محمد عثمان بستوی ☆

اسلام ایک کامل و مکمل دین ہے جس میں انسانی ضرورت کا پورا سامان موجود ہے اور انسانی زندگی کے تمام ابواب اور شعبوں میں مکمل رہنمائی کرتا ہے، چنانچہ حسن معاشرت کے لئے اسلام نے حقوق کی ادائیگی، معاملات کی صفائی، ایثار، خیر خواہی اور غم گساری جیسے احکامات کا انسان کو پابند کیا ہے۔

حسن معاشرت کے دو اہم اصول ہیں:- بیویوں کے بارے میں ہے: "عاشروھن بالمعروف" (النساء: ۱۹) (بیویوں کے ساتھ عمدہ طریقہ پر زندگی گزار)۔ اور والدین کے بارے میں ہے: "وصاحبهما فی الدنیا معروفا" (سورہ لقمان: ۱۵)، "کونوا عباد الله إخوانا" (بخاری ۲/۸۹۶، مسلم ۲/۳۱۵)۔

حسن معاشرت کی جو تعلیم قرآن وحدیث میں دی گئی ہے وہ دو اصولوں پر مبنی ہے:

۱- یہ ہے کہ شریعت نے جس انسان کا جو حق بتایا ہے اس حق کو پورا پورا ادا کیا جائے، والدین کے حقوق، بیوی وشوہر کے حقوق اولاد کے حقوق، اسی طرح أعزہ واقارب، پاس پڑوس کے حقوق، سب کو ادا کیا جائے۔

۲- دوسرا اصول یہ ہے کہ اپنا حق معاف کرے اور اس سلسلہ میں حسن اخلاق سے پیش آجائے۔

عام طور سے دنیا میں جو فساد اور جھگڑا ہوتا ہے وہ ان اصولوں کی خلاف ورزی کا نتیجہ

☆ ریاض العلوم گورینی، جونپور، یوپی۔

Marfat.com

ہوتا ہے، کیونکہ لوگ اپنا حق وصول کرنے پر تو زور لگاتے ہیں، مگر دوسروں کا حق دینے پر آمادہ نہیں ہوتے، اسی وجہ سے معاشرہ فتنہ وفساد، تباہی اور بربادی کا شکار ہوتا ہے۔

بیوی سے متعلق نبی رحمت ﷺ کے چند ارشادات:

۱- قال رسول الله ﷺ: "استوصوا بالنساء خيراً، فإنما هن عندكم عوان ليس تملكون منهن شيئاً غير ذلك، إلا أن يأتين بفاحشة مبينة، فإن فعلن فاهجروهن في المضاجع، واضربوهن ضرباً غير مبرح فان أطعنكم فلا تبغوا عليهن سبيلا، إن لكم على نسائكم حقاً، ولنساءكم عليكم حقا، فأما حقكم على نسائكم فلا يوطئن فرشكم من تكرهون ولا يأذن في بيوتكم لمن تكرهون، ألا وحقهن عليكم أن تحسنوا إليهن في كسوتهن وطعامهن" (رواہ ابن والترمذی، نیل الاوطار ۶/ ۲۱۰)۔

نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں تم کو عورتوں کے بارے میں بھلائی کی نصیحت کرتا ہوں تم میری اس نصیحت کو قبول کرو وہ تمہارے پاس قیدیوں کی طرح ہیں تم اس کے علاوہ ان کی کسی چیز کے مالک نہیں ہو، لیکن اگر وہ کسی بے حیائی کا ارتکاب کریں تو ان کے بستروں کو جدا کردو اور ان کی ایسی پٹائی کرو کہ ٹوٹ پھوٹ نہ ہو پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو تم کو ان پر کوئی اختیار نہیں ہے الخ۔

۲- وقال عليه السلام أيضاً: "خيركم خيركم لأهله وأنا خيركم لأهلي" (ترمذی، نیل الاوطار ۶/ ۲۰۶)۔

اور نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے بہترین وہ لوگ ہیں جو اپنی خواتین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے ہیں اور میں تم میں اپنی خواتین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے والا ہوں۔

۳- "أكمل المؤمنين إيماناً، أحسنهم خلقاً، وخياركم خياركم لنسائهم" (راہ احمد والترمذی، بحوالہ الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/ ۳۲)۔

Marfat.com

والدین اور بیوی کے حقوق کی ادائیگی سے متعلق حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ ایک مختصر جامع رسالہ نظر سے گزرا جو اس باب میں بہت ہی اہم ہے، استفادہ کے لئے اس کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

بہر حال مذکورہ نصوص کی روشنی میں مندرجہ ذیل تفصیلات عرض کی جاتی ہیں:

جواب ۱: اسلام میں اصل مطلوب حسن معاشرت ہے، جیسا کہ "عاشروهن بالمعروف" اور "وصاحبهما في الدنيا معروفا" (سورہ لقمان:۱۵) اور "وكونوا عباد الله إخوانا"۔ جیسی بہت سی نصوص سے معلوم ہوتا ہے، البتہ حسن معاشرت یہ موقوف ہے حقوق کی ادائیگی اور معاملات کی صفائی پر اور یہ دونوں موقوف علیہ عام طور پر مشترکہ خاندانی نظام میں نہیں پائے جاتے ہیں، اس لئے اسلام کا مطلوب اصلی حسن معاشرت یہ فوت ہوجاتا ہے اور نوبت اختلاف، حسد، بغض، کینہ وغیرہ جیسے امراض خبیثہ تک پہنچ جاتی ہے۔ اس لئے حضرات اکابر نے انفرادی نظام زندگی کو بہتر کہا ہے (دیکھئے معمولات نبوی/ اصلاح نفس العاشر، اصلاحی خطبات)۔ اس سے معلوم ہوا کہ انفرادی نظام زندگی یہ حسن لغیرہ ہے حسن لعینہ نہیں۔ لہٰذا جس وقت حسن معاشرت انفرادی نظام زندگی پر موقوف ہوجائے تو اسی کا اختیار کرنا لازم وضروری ہے، اور جس وقت اجتماعی نظام زندگی پر حسن معاشرت موقوف ہوجائے تو اس وقت اجتماعی نظام زندگی کو اپنانا لابدی ہوگا: "إن كان والده زمناً لا يقدر على العمل للابن عيال، فعليه أن يضمه إلى عياله وينفق على الكل" (شامی ۵/ ۳۵۲)۔

حاصل یہ کہ اسلام نے انسان کو انفرادی واجتماعی دونوں طرح زندگی گزارنے کا اختیار دیا ہے، لیکن حسن معاشرت کا پابند بنایا ہے، خواہ وہ اجتماعی نظام زندگی سے حاصل ہو یا انفرادی نظام زندگی سے۔

حسن معاشرت کا مطلب: یہ ہے کہ الفت ومحبت قائم رہے خیر وخوبی کے ساتھ زندگی گزارے، کسی قسم کی تکلیف نہ دے، قدرت کے وقت حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے۔ خرچ کرنے پر ناگواری کا اظہار نہ کرے۔ احسان نہ جتلائے ہشاس بشاس ہو کہ زندگی گزارے،

Marfat.com

تفصیل الفقہ الاسلامی وادلتہ (ص/۳۲۸) میں ملاحظہ ہو: المراد من العشرة ـ مايكون بين الزوجين من الألفة والاجتماع، ويلزم كل واحد من الزوجين معاشرة الآخر بالمعروف من الصحبة الجميلة، وكف الأذى وإلا يمطله حقه مع قدرته، ولا يظهر الكراهة فيما يبذله له بل يعامله ببشر وطلاقة ولا يتبع عمله منة ولا أذى، لأن هذا من المعروف لقوله تعالىٰ عاشروهن المعروف الخ" (الفقہ الاسلامی ۷/۳۲۸)۔

وكذلك امر الله تعالىٰ بحسن الصحبة مع الوالدين "وصاحبهما فى الدنيا معروفا" ومعنى المعروف قد مر أنفاً عن الفقه الاسلامى۔

جواب ۲: جب ایک ساتھ چند لوگوں کا کھانا پینا ہو اور کمی زیادتی کا علم نہ ہو تو تمام اخراجات کھانے والے تمام افراد پر مساوی لازم ہوتے ہیں، لہٰذا مشترکہ خاندانی نظام میں اگر اپنی صوابدید کے مطابق آپسی مصالحت سے کوئی طریقہ ونظام اخراجات کے سلسلہ میں طے کرلیں تو بہت بہتر، ورنہ شرعاً تمام اخراجات ایک ساتھ کھانے والے تمام افراد پر بطریق مساوات تقسیم ہوجائیں گے۔جس کے عیال زیادہ ہوں گے اس کے اوپر اخراجات ان کے عیال کے لحاظ سے لازم ہوں گے۔اور جس کے عیال کم ہوں اس کے اوران کے عیال کے لحاظ سے اخراجات عائد ہوں گے۔ كما فى قصة على المشهورة، بأن جلس رجلان يتغديان مع أحدهما خمسة ارغفة ومع الآخر ثلاثة ارغفة ...... وأكل معهما ثالثا، أعطىٰ لهما ثمانية دراهم خذ هذا عوضكما مما اكلت ...... فقال عليؓ أليس الثمانية الارغفة اربعة وعشر ثلثا أكلتموها، وأنتم ثلاثة أنفس ولا يعلم الأكثر منكم أكلا والأقل فتحملون فى أكلكم على السواء۔ الخ (نفحۃ العرب ۳۲، ۳۳)۔

محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان فرماتے ہیں: معاہدہ جیسے کوئی تحریری ہوتا ہے، اس کی خلاف ورزی حرام ہوتی ہے۔اسی طرح معاہدہ عملی بھی ایک قسم کا معاہدہ ہی ہوتا ہے، اس کی بھی پابندی لازم اور خلاف ورزی عہد شکنی کے مرادف ہے (التفصیل معارف القرآن ۲۴/ ۶۲۳)۔

Marfat.com

جواب ٦: حکم سے قبل چند ضابطے لکھے جاتے ہیں:

الف: والدین کی خدمت وکفالت جس طرح لڑکوں کے ذمہ واجب ہے، اسی طرح لڑکیوں کے ذمہ بھی واجب ہے "في الدر: ولا يمنعها من الخروج إلى الوالدين في كل جمعة ...... ولو أبوها زمناً فاحتاجها فعليها تعاهده ولو كان كافرا وأبى الزوج (قوله فعليها تعاهده) أي بقدر احتياجها إليها، وهذا إذا لم يكن له من يقوم عليه كما قيده في الخانية ...... لأن ذلك المصاحبة المعروف المامور بها الخ (شامی ۵/ ۳۲۴)" وتجب نفقة الأصول على الولد لا يشاركه في نفقة أبويه أحد؛ لأنه أقرب الناس إليهما، فكان أولى باستحقاق نفقتهما وهي عند الحنفية على الذكور والإناث بالسوية، لأن المعنى يشتملهما" (الفقہ الاسلامی ۷/ ۸۳۲)۔

ب: بیوی پر شوہر کی اطاعت لازم ہے، اور شوہر اولی الامر میں داخل ہے، لہٰذا جس جائز کام کا حکم شوہر دے گا دیانتاً بیوی کے ذمہ اس کی پابندی لازم ہوگی۔

"في الدر: وحقه عليها أن تطيعه في كل مباح يأمرها به (قوله في كل مباح) ظاهره أنه عند الأمر منه يكون واجبا عليه كأمر السلطان الرعية به" (شامی ۴/ ۳۸۸ زکریا)۔

لہٰذا بیٹا اگر والدہ کی کوئی ایسی خدمت ہو جس کو انجام دینے کے لائق نہ ہو اور بیٹی کسی سخت مشقت وتکلیف میں آ کر یا والدہ کو اپنے پاس رکھ کر خدمت کرسکتی ہو تو بیٹی کے ذمہ خدمت واجب ہوگی، لیکن اگر کسی کے بیٹی ہی نہ ہو یا بیٹی ہو، لیکن اس کے خدمت کرنے کی صورت میں اس کو سخت تکلیف ومشقت کا سامنا کرنے پڑے۔ یا ایسا نقصان ہو کہ جس کی تلافی نہ ہو تو اس صورت میں شوہر اپنی بیوی کے ذریعہ وہ خدمت کروالے۔ بیوی کے ذمہ شوہر کی اطاعت واجب ہوگی۔

۳- اگر وہ رقم والد صاحب یا بھائی کی ملکیت میں دیدی گئی ہو تو اس سے والد صاحب اپنے لئے کوئی زمین وغیرہ خریدیں تو وہ والد کی ملکیت ہوگی اور اس پر والد کی ملکیت کے تمام احکام جاری ہوں گے، لیکن اگر وہ رقم کسی کی ملکیت میں نہ دی جائے، بلکہ وکالتاً خرچ کے لئے دی جائے

Marfat.com

اوراس سے کچھ رقم بچ جائے پھر بچی رقم سے خریدنے والدین کی نیت سے خریدے تو اس صورت میں رقم کے جمع کرنے میں جو تناسب تھا اسی تناسب سے خریدی ہوئی شیئ میں شرکت ہوگی، ''إذا اختلط دينار أحد بدينارين لآخرمن جنسه بصورة الدينار الباقي بينهمامشتر كا أثلاثاً لصاحب الدينارين وثلاثة لصاحب الدينار'' (شرح المجموع ۱۰/۱۱ طبع حیدرآباد)۔

''دفع لابنه مالا يتصرف فيه ففعل و كثر ذلك ومات الأب، إن أعطاه هبة فالكل له وإلا فميراث، تمامه في الجوهرة'' (درمختار ۸/۵۲۰ زکریا دیوبند)۔

۴- ہر شخص اپنی کمائی کا خود مالک ہوتا ہے، لہذا جتنی رقم اپنی کمائی سے بچا کر رکھ لیا ہے تو اس کا مالک وہی ہے، بشرطیکہ کمانے والے نے کسی مشترک کاروبار سے نہ کمایا ہو، ''ما اشتراه أحدهم لنفسه يكون له ويضمن حصة شركائه إذا دفعه من المال المشترك'' (شامی ۶/۴۷۸)۔

جواب ۷: چہرہ کا پردہ فتنہ کے اندیشہ کی وجہ سے ہے، لہذا جب فتنہ کا خوف نہ ہو اور ایک ساتھ رہنے وسہنے کی وجہ سے چہرہ کے پردہ میں دشواری ہو تو چہرہ کا پردہ تو واجب نہیں، لیکن بے محابہ وآزادانہ میل جول اور ایسے طور طریقہ جس سے فتنہ کا اندیشہ ہو ہرگز جائز نہ ہوں گے ''الضرورة تقدر بقدر الضرورة'' کا ضابطہ پیش نظر رکھا جائے گا'' (فقہی مقالات ۶۶ تا ۶۹ از مبسوط)۔

يباح النظر إلى موضع الزينة الظاهرة منهن دون الباطنة لقوله تعالىٰ: ''لايبدين زينتهن إلا ما ظهر منها''، وقال علي وابن عباس رضي الله عنهما ما ظهر منها۔ الكحل۔ والخاتم، وقالت عائشةؓ: إحدى عينها، ولكنا نأخذ بقول عليؓ وابن عباسؓ فقد جاءت الأخبار في الرخصة بالنظر إلى وجها وكفها من ذلك ماروى أن امرأة عرضت نفسها على رسول الله ﷺ فنظر إلى وجها فلم يرفيها رغبة الخ (مبسوط ۱۵۲، فقہی مقالات ۴/۶۶-۶۹)۔

Marfat.com

مشترکہ اور جداگانہ خاندانی نظام کا شرعی موقف

مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی خیر آبادی☆

''مجمع الفقہ الاسلامی ہند'' کی جانب سے ۵-۷/مارچ ۲۰۱۱ء میں منعقد ہونے والے بیسویں فقہی سمینار کے لئے مرتب سوالناموں میں سے ایک اہم سوالنامہ بعنوان ''مشترکہ اور جداگانہ خاندانی نظام'' ہے۔ اس میں کل سات سوالات ہیں:

۱- اسلام کی نظر میں مشترکہ خاندانی نظام بہتر ہے یا جداگانہ زندگی بسر کرنے کا طریقہ؟

الجواب بتوفیق اللہ: مشترکہ اور جداگانہ خاندانی نظام دونوں میں بعض محاسن بھی ہیں اور بعض مفاسد بھی'' ان میں غور کرنے سے دو پہلو سامنے آتے ہیں (۱) ایک پردہ کا اہتمام اور غیر محرم کے سامنے بے پردگی سے احتراز۔

(۲) دوسرا خاندان کے کمزوروں کی مدد، مطلقہ اور یتیموں کی کفالت و پرورش، نیز والدین کے لئے سہارا بننا اور دونوں کے دلائل قرآن وحدیث میں صراحۃً موجود ہیں:

پردہ کے دلائل کے لئے ''سورۂ نور'' اور ''احزاب'' کی آیات کافی ہیں:

۱- قل للمؤمنین یغضوا من أبصارھم ویحفظوا فروجھم الخ (سورۃ النور:۳۰)۔

۲- وقل للمؤمنات یغضضن من أبصارھم ویحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن إلا ماظھر منھا الخ (سورۃ النور:۳۱)۔

۳- یا أیھا الذین آمنوا لا تدخلوا بیوتاً غیر بیوتکم حتی تستأنسوا وتسلموا علی أھلھا (سورۃ النور:)۔

☆ مدرسہ عربیہ منبع العلوم، خیر آباد ضلع مئو، یوپی۔

Marfat.com

۴- يا أيها الذين آمنوا ليستأذنكم الذين ملكت أيمانكم والذين لم يبلغوا الحلم منكم ثلاث مرات (سورة النور:۵۸)۔

۵- يأيها الذين لاتدخلوا بيوت النبى إلا أن يؤذن لكم إلى طعام غير ناظرين إناه الخ (سورة الأحزاب:۵۸)۔

٦- يأيها النبى قل لأزواجك وبناتك ونساء المؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن ذلك أدنى أن يعرفن (الاحزاب:۵۳)۔

دوسرے پہلو کے دلائل:

۱- وقضى ربك أن لا تعبدوا إلا إياه وبالوالدين إحسانا الخ (سورة الإسراء:۲۳)۔

۲- واعبدوا الله ولا تشركوا به شيئا وبالوالدين إحسانا، وبذى القربى واليتامى والمساكين (سورة النساء:۳٦)۔

۳- والذين يصلون ما أمر الله به أن يوصل ويخشون ربهم ويخافون سوء الحساب ...... أولئك لهم عقبى الدار (سورہ الرعد:۲۱-۲۲)۔

۴- والذين ينقضون عهد الله من بعد ميثاقه ويقطعون ما أمر الله به أن يوصل ويفسدون فى الأرض أولئك لهم اللعنة ولهم سوء الدار (سورة الرعد:۲۵)۔

۵- واتقوا الله الذى تساءلون به والأرحام إن الله كان عليكم رقيبا (سورة النساء:۱)۔

٦- عن أبى هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: أنفق يا ابن آدم أنفق عليكم (متفق علیہ)۔

۷- قال النبى ﷺ: الرحم معلقة بالعرش تقول من وصلنى وصله الله ومن قطعنى قطعه الله۔

۸- قال النبى ﷺ أنا وكافل اليتيم كهاتين (الحديث) وأشار بإصبعيه۔

Marfat.com

محاکمہ: دونوں پہلو کے دلائل کی روشنی میں دیکھنا یہ ہے کہ تطبیق وموافقت کی کوئی صورت ہے یا نہیں۔ جیسا کہ فقہاء احناف کا اصول وضابطہ یہی ہے۔ اسی طرح اگر دونوں صورتوں میں کچھ نہ کچھ خرابیاں ہوں تو "أھون الشرین" پر عمل کیا جاتا ہے، اب اگر دوسرے پہلو کا لحاظ کرتے ہوئے مشترکہ نظام کو ترجیح دی جائے تو پہلی صورت، یعنی پردہ کے احکام پر عمل مشکل نظر آتا ہے، کیونکہ مشترکہ خاندانی نظام میں پردہ کا اہتمام بہت ہی مشکل ہے، کیونکہ بے پردگی کی وجہ سے بہت سے فتنوں کا اندیشہ ہے، اور فتنے ہوتے بھی رہتے ہیں۔

حکم: لہٰذا مفاسد ومحاسن پر نظر کرتے ہوئے جداگانہ زندگی بسر کرنے کا طریقہ بہتر ہے۔ تاکہ چچازاد، پھوپھی زاد بھائی بہن اسی طرح دیور اور جیٹھوں کے درمیان پردہ کا اہتمام باقی رہے، اور انسان کے اندر اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کر کے اپنی ضرورتوں کو خود پوری کرنے کا جذبہ پیدا ہو، البتہ بوڑھے والدینؒ کے لئے الگ کمرہ متعین کر دیا جائے، اور ان کی ضرورتیں پوری کی جائیں۔ باقی افراد خاندان، مثلاً مطلقہ عورتوں، یتیموں اور ناداروں کو علیحدہ رکھ کر مالی تعاون، خبر گیری اور نصیحتوں کے ذریعہ مطمئن کیا جائے۔

۲۔ اگر مشترکہ خاندان ہو اور افراد خاندان کے لئے سب مل کر خرچ دیں۔ اور کسی کے بچے زیادہ ہوں، کسی کے کم ہوں تو کیا ان سب کے لئے برابر اخراجات عائد کئے جائیں گے، یا ان کے بچوں کی تعداد کے لحاظ سے؟

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ نظام معاشرت ایک باپ کی اولاد کی طرح ہے، کہ اولاد جب تک چھوٹی رہتی ہے تو باپ تنہا کما کر سب کا خرچ پورا کرتا ہے، اور جب لڑکے بڑے ہو جاتے ہیں تو کمانے میں سبھی شریک رہتے ہیں، لیکن خرچ کرنے کا ذمہ دار تنہا باپ ہوتا ہے، پھر اس معاشرت کا تعلق "باب الشرکۃ" سے نہیں ہے۔ بلکہ "باب النفقۃ" سے ہے، یعنی لڑکے باپ کے ساتھ شرکاء کی حیثیت نہیں رکھتے، بلکہ اس کے زیر کفالت رہتے ہیں، لہٰذا باپ افراد کی ضروریات کا کفیل ہے، لہٰذا ایسی صورت میں بچوں کی تعداد کے لحاظ سے خرچ دینا ضروری ہوگا۔

Marfat.com

"عن ابن عباسؓ قال: قال رسول الله ﷺ: سوّوا بین أولادکم فی العطیة، فلو کنت مفضلاً أحداً فضلت النساء" (رواہ سعید بن منصور فی سننہ والطبرانی فی المعجم الکبیر)

داد و دہش میں اپنی سب اولاد کے ساتھ مساوات اور برابری کا معاملہ کرو، اگر میں اس معاملہ میں کسی کو ترجیح دیتا تو عورتوں، یعنی لڑکیوں کو ترجیح دیتا، یعنی اگر مساوات اور برابری ضروری نہ ہوتی تو میں حکم دیتا کہ لڑکیوں کو لڑکوں سے زیادہ دیا جائے۔

۳۔ اگر تین بھائی ہیں، دو بھائی اپنی پوری تنخواہ، یعنی دس دس ہزار روپے گھر میں دے دیتے ہیں، اور ایک بھائی بیس ہزار روپیہ کماتا ہے، وہ بھی دس ہزار گھر میں دیتا ہے، اور دس ہزار الگ بچا کر رکھتا ہے، تو وہ بچی ہوئی رقم صرف اس کی ملکیت ہوگی یا تمام بھائیوں کی۔

الجواب: وباللہ التوفیق والسداد۔ اگر تینوں بھائی والد کے ساتھ رہتے ہوں تب تو والد ذمہ دار ہیں اور تینوں لڑکے افراد عائلہ ہیں اور کسب معاش میں باپ کے ساتھ معاون کی حیثیت سے ہیں، لہٰذا جو جو بھائی دس ہزار بچا کر رکھتا ہے اس کی بچی ہوئی رقم بھی سب کی ملکیت ہوگی۔ اور اگر تینوں بھائی ایک ساتھ مل کر رہ رہے ہیں، اور کھانا پینا وغیرہ اخراجات الگ الگ ہیں تو یہ معاشرت بطور شرکت کے ہوگی، جس میں ہر ایک نے دس ہزار رقم کے ساتھ شرکت کی ہے، لہٰذا بچی ہوئی رقم صرف ایک ہی بھائی کی ملکیت ہوگی، البتہ اگر اخراجات کھانا پینا وغیرہ ایک ساتھ ہوں تو ہر ایک کو اپنی پوری کمائی اس میں شامل کرنا ضروری ہوگا، اور بہر حال بچی ہوئی رقم بھی سب کی ملکیت ہوگی۔

دلیل: "ولو اجتمع إخوة یعملون فی ترکة أبیهم ونمی المال فهو بینهم سویة، ولو اختلفوا فی العمل والرأی" (شامی ۳/۵۴۰)۔

۴۔ مشترک خاندان ہی کی صورت میں اگر مختلف بھائیوں نے مل کر اپنے والد یا کسی بھائی کے پاس آمدنی جمع کی اور گھر کے اخراجات سے بچی ہوئی رقم سے کوئی چیز خریدی گئی تو اس میں سبھوں کا حصہ برابر ہوگا، یا ہر ایک کی آمدنی کے لحاظ سے ہوگا؟

Marfat.com

الجواب بتوفیق اللہ وعونہ: مذکورہ رقم سے خریدی ہوئی چیز میں سب کا حصہ برابر ہوگا آمدنی کے لحاظ سے نہیں ہوگا اور یہ رقم مشترک ہے، اس میں تمام بھائی برابر کے حصہ دار ہیں۔

"قال في التنوير وشرحه: وماحصله أحدهما فله وماحصلاه معاً فلهما نصفين إن لم يعلم مالكه، وماحصله أحدهما بإعانة صاحبه فله، ولصاحبه أجر مثله بالغاً مابلغ الخ، وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله: يؤخذ من هذا ما أفتى به في الخيرية في زواج امرأة وابنها اجتمعا في دار واحدة، وأخذ كل منهما يكسب على حدة ويجمعان كسبهما ولايعلم التفاوت ولا التساوي والتمييز، فأجاب بأنه بينهما سوية، وكذا لو اجتمع إخوة في تركة أبيهم ونمى المال فهو بينهم سوية ولو اختلفوا في العمل والرأي" (احسن الفتاوی ۶/ ۳۹۴ بحوالہ ردالمحتار ۳/ ۳۶۰)۔

۵ اگر خاندانوں کے کچھ افراد کماتے ہوں اور کچھ گھر کے کام دیکھتے ہوں اور اس طرح گھر کا کام چلتا ہو تو کیا کمانے والے حضرات کی آمدنی میں کام کرنے والے حضرات بھی برابر کے حقدار ہوں گے؟

الجواب وباللہ التوفیق والسداد: خاندان کے کچھ افراد کا کمانا اور کچھ کا گھر کے کام وانتظام دیکھنا، تنظیم امور اور تدبیر منزل کی قبیل سے ہے، جس میں کوئی کام کسی کے سپرد ہوتا ہے اور کوئی کام کسی کے، اور جس نفس وجس وقت ہر ایک کی طرف سے پایا جاتا ہے جو گھر کی مصلحت میں صرف ہوتا ہے، لہٰذا آمدنی میں گھر کے کام دیکھنے والے افراد بھی برابر کے حقدار ہوں گے کیونکہ کمانے والا گھر کے کام دیکھنے والے ہی کی وجہ سے کمانے کے لئے فارغ ہوسکا ہے، اسی طرح گھر کا منتظم انتظامِ بیت وعائلہ میں مشغول ہونے کی وجہ سے کمانے کی طرف سے فرصت میں ہے اور کما نہیں پا رہا ہے، اور کاسبین بھی اگر یہ منتظمین کام نہ دیکھتے تو کمانے کی فرصت نہ پاتے، لہٰذا ہر ایک کی مصلحت دوسرے سے وابستہ ہے، لہٰذا آمدنی بھی سب میں مشترک ہوگی۔

۶ والدین زندگی بھر بچوں کی خدمت وکفالت کرنے کے بعد بڑھاپے میں خدمت

Marfat.com

کے محتاج ہو جاتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ والدین کی خدمت وکفالت صرف بیٹوں پر واجب ہے یا بیٹیوں پر بھی اور اس سلسلہ میں بہو کی ذمہ داری کیا ہے؟

خاص کر جب بیٹیاں اپنے سسرال چلی جائیں اور ماں کو اپنی ضروریات کے لئے تعاون کی ضرورت ہو اور وہ تعاون ایسا ہو جس کو بیٹا، خود انجام نہ دے سکتا ہو، تو بہو پر اس خدمت کو بجالانا واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب بتوفیق اللہ عز وجل: والدین کی خدمت بیٹوں اور بیٹیوں سب پر واجب ہے اور بہو پر واجب نہیں ہے، لیکن اپنے شوہر کی اجازت سے بقدر جواز والد صاحب کی خدمت کر سکتی ہے، اور جو جواز میں اسکی اخلاقی ذمہ داری ہے۔

اور بیٹی جب سسرال چلی جائے تو شوہر کی موافقت کے ساتھ خدمت کر سکتی ہے۔ البتہ مالی تعاون حتی الامکان ضروری ہے، اور ماں کی خدمت جو بیٹا خود انجام نہ دے سکے اس کو انجام دینا بہو پر واجب نہیں ہے، اور خدمت چونکہ بیٹے پر ضروری ہے، لہٰذا اگر خود نہ کر سکتا ہو تو کسی خادمہ وملازمہ کو رکھ کر خدمت کا نظم ضروری ہے۔

اور خدمت بیٹوں اور بیٹیوں پر واجب ہے، سورہ عنکبوت، لقمان، نساء، اسراء وغیرہ کی آیتیں اس پر دلالت کرتی ہیں۔

۷ مشترک خاندان میں بہت سی دفعہ چچازاد بھائی بہن، یا اس طرح کے دوسرے قریبی رشتہ داروں کا ایک دوسرے سے آمنا سامنا ہوتا رہتا ہے۔ اور ایک ہی گھر میں خاص کر جبکہ وہ بھی تنگ ہو رہنے کے باوجود ایک دوسرے سے مکمل پردہ نہیں ہو پاتا، ایسی صورت میں پردے کے احکامات کیا ہوں گے؟

الجواب بتوفیق اللہ عز وجل وعونہ وکرمہ: چچازاد، ماموں زاد بھائی وغیرہ نامحرم ہیں، اسی طرح دیور اور جیٹھ کا شمار بھی غیر محرموں میں ہے اور ہر غیر محرم سے پردہ کا حکم ہے۔ اور دیور سے خاص طور پر آپ ﷺ نے پردہ کی تاکید فرمائی ہے۔

Marfat.com

ایک موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم لوگ ان عورتوں پر داخل ہونے سے بچو جن کے شوہر موجود نہ ہوں، ایک صاحب نے سوال کیا کہ دیور کے بارے میں آپ ﷺ کی کیا رائے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دیور تو موت ہے (مشکوۃ ۲/۲۰۶) اور پردے کے متعلق ارشاد باری ہے: "یأیها النبی قل لأزواجک وبناتک ونساء المؤمنین یدنین علیهن من جلابیبهن" (سورہ احزاب:۵۹) (اے نبی ﷺ اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیں کہ وہ اپنے چادر کے پلو کو لٹکا لیا کریں)۔

حضرت ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں کو حکم دیا ہے کہ وہ کسی ضرورت سے باہر نکلیں تو سر کے اوپر سے اپنے چادروں کے دامن کو لٹکا کر اپنے چہروں کو ڈھک لیا کریں۔

"یأیها الذین آمنوا لیستأذنکم الذین ملکت أیمانکم الخ" (النور:۵۸) (اے مومنو! تین اوقات میں تمہارے غلاموں اور نابالغ بچوں کو بھی تمہارے پاس آنے کی اجازت طلب کرنی چاہئے)۔

"ولیضربن بخمرهن علی جیوبهن ولایبدین زینتهن إلا بعولتهن أو آبائهن أو آباء بعولتهن الخ" (سورۃ النور) کے اندر بھی اپنی زیب وزینت کے حصے صرف محرم اقارب ہی کے لئے ظاہر کرنے کی اجازت ہے، ان سب دلائل سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ غیر محرم سے بہر حال پردہ ضروری ہے، لیکن ایک ساتھ رہنے میں پورے طور پر پردہ مشکل ہو پھر بھی سر، چہرہ، سینہ اور گردن کا ستر بہر حال لازم ہے۔ اور جب محرم رشتہ داروں کے سامنے سر، بال، گردن، کان، بازو، ہاتھ، پاؤں پنڈلی اور گردن سے متصل حصہ کھولنے کی گنجائش اسی وقت ہے، جبکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، تو پھر غیر محرم کے سامنے کھولنے کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے؟ اور مشترک معاشرت میں اور بھی زیادہ فتنہ کا اندیشہ ہے، لہٰذا احتیاط ضروری ہے۔

Marfat.com

مشترکہ خاندان کے شرعی آداب

مفتی محمد معز الدین قاسمی ☆

اللہ رب العزت نے انسان کو گوناگوں صلاحیتوں کا مالک بنایا اور وہ زندگی گذارنے میں اپنی ایک انفرادیت بھی رکھتا ہے اور اجتماعی ڈھانچے کا ایک جزء بن کر بھی زندگی گزارتا ہے۔

سوال نامہ میں زندگی گذارنے کے دونوں طریقوں کے کچھ فوائد ذکر کئے گئے ہیں اور چندان مفاسد کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے جو عام طور پر پیش آتے رہتے ہیں۔

سب سے پہلے یہ بات سمجھ لینا چاہئے کہ اسلام کی جامعیت ہے کہ اس نے انسانی زندگی کے تمام پہلو کی باضابطہ رہنمائی کی ہے اور ہر صاحب حق کا حق صاف طور پر بیان کر دیا ہے، چاہے وہ وقتی طور پر سفر کے دوران کسی کے ساتھ چند گھنٹوں کا ہو یا زندگی بھر اس کے ساتھ رہنے کا معاملہ ہو، چنانچہ صاف طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

”واعبدوا الله ولا تشركوا به شيئاً وبالوالدين إحسانا وبذى القربى واليتامى والمساكين والجار ذى القربى والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبيل وما ملكت أيمانكم إن الله لا يحب من كان مختالاً فخوراً“ (سورہ نساء:۳۶)۔

اور ظاہر ہے کہ جب اتنی صراحت کے ساتھ تمام حقوق ذکر کئے گئے ہیں اور یہی نہیں، بلکہ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ پر اگر نگاہ ڈالی جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح بے نقاب

☆ جامعہ اسلامیہ دار العلوم اورنگ آباد۔

Marfat.com

ہو جاتی ہے کہ آپ نے ہر صاحب حق کا حق نہ صرف بتلا دیا، بلکہ اپنی عملی زندگی سے اس کو ثابت کر دیا، والدین کے حقوق ہوں یا میاں بیوی کے مابین تعلقات ہوں یا بھائی بھائی کے آپس میں زندگی گذارنے کے مسائل ہوں۔ نفقہ (اخراجات) سے ان کا تعلق ہو، یا ادب واحترام سے وہ متعلق ہو۔ معاشرت سے متعلق ہو یا معاش سے سب کی وضاحت فرمادی گئی ہے۔

اب جب یہ ساری وضاحتیں قرآن وحدیث میں موجود ہیں، تو ہم صرف اس وجہ سے مشترکہ خاندان کو برداشت کریں، یا اس کی ترغیب دیں کہ سب کے الگ الگ زندگی گذارنے میں والدین کا کیا ہوگا، یا کوئی معذور بھائی یا بہن ہو تو وہ کہاں رہے گا، یا بیوہ ومطلقہ عورتوں اور یتیم لڑکوں اور لڑکیوں کی پرورش کون کرے گا، یہ کوئی قرین قیاس نہیں۔

چونکہ مشترکہ خاندان میں حقوق کا پامال ہونا، حدود شرعیہ کا خیال نہ رکھنا، اور بعض صورتوں میں کچھ افراد پر ہی مالی بوجھ کا لادنا اور دوسرے بعض افراد کا بےفکری اور آزادانہ زندگی کا گذارنا، نیز آمدنی کا محدود ہونا اور آئے دن خرچ کا بڑھتے رہنا، جس کے نتیجہ میں آپس میں بھائیوں میں رنجشوں کا پیدا ہونا، اپنے اپنے بیوی بچوں کی بے جا اخراجات کی تکمیل کے لئے مشترکہ آمدنی میں سے چوری چھپے مال کا حاصل کرنا، آپس میں بیوی بچوں میں ذرا ذرا سی بات پر فساد، جھگڑے، مشترکہ کھانے اور پکانے کا چند مطیع وفرمانبردار بیویوں پر بے جا قسم کا بوجھ ان کے حقوق کی پامالی وغیرہ وغیرہ نہ معلوم کتنے مفاسد اس میں پائے جاتے ہیں۔

علاوہ ازیں قرآن وحدیث کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو کہیں یہ بات نہیں ملتی کہ تم سب ایک ساتھ رہ کر زندگی گذارو، بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہیں ہوگا کہ مشترکہ خاندان "ما وجدنا علیه آباءنا" (سورہ لقمان:۲۱) کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے، کہ ہمارے بڑوں کو ہم نے اسی طرح دیکھا ہے) اور خاندان کے بڑے ایسا کرتے چلے آئے ہیں، اور اگر ہم علاحدہ رہ کر زندگی گزاریں گے تو خاندان کے بڑے یہ کہیں گے کہ شادی ہوتے ہی لڑکا خاندان سے الگ ہوگیا، وہ اپنی بیوی کے کہنے میں آگیا اور اس نے والدین کو چھوڑ دیا وغیرہ وغیرہ۔

Marfat.com

حالانکہ وہ والدین کے حقوق جو بھی لازم ہوتے ہیں ان کو پورے کرتا ہے، ان کے آرام کا پورا خیال رکھتا ہے، ان کی فرمائش کو پورا کرتا ہے، دوسرے الفاظ میں مشترکہ خاندان ایک بت ہے، جس کی پرستش ہم لوگ صدیوں سے کرتے چلے آرہے ہیں، یہ بات بھی صحیح ہے کہ بعض مرتبہ ایسے واقعات بھی دیکھنے کو ملیں گے کہ تمام لڑکے والدین سے الگ ہو گئے اپنی اپنی بیوی بچوں کے ساتھ اور والدین بے سہارا رہ گئے، یا معذور بھائی بہن کا کوئی پرسان حال نہیں، یا یتیم لڑکوں اور لڑکیوں کی کفالت کی ذمہ داری سنبھالنے والا کوئی نہیں۔

لیکن ان مسائل کا حل یہ ہے کہ ہم معاشرے میں دینی بیداری پیدا کریں، قرآن وحدیث کی تعلیمات کو عام کریں اور سب کو بتلائیں کہ بے کسوں اور بے بسوں کو سہارا دینے کی کیا فضیلت ہے، ان سے متعلقہ افراد پر ذمہ داری ڈالیں کہ وہ ان کے شرعی حقوق ادا کریں، ان کو عار دلائیں ان پر سماجی وخاندانی دباؤ (پریشر) بنائیں، اوراس کے باوجود نہ ماننے کی صورت میں ان کا سماجی بائیکاٹ کریں، اس سے ضرور معاشرہ کی اصلاح ہوگی، اور ہر صاحب حق کو حق پہنچے گا۔

اب رہی دوسری بات کہ مشترکہ خاندان ہو اور افراد خاندان کی ضروریات کے لئے سب مل کر خرچ دیں، کسی کے بچے زیادہ ہوں اور کسی کے کم ہوں تو کیا ان سب پر برابر اخراجات عائد کئے جائیں گے۔

ظاہر ہے کہ جب افراد خاندان کا لحاظ کیا جارہا ہے تو جس شخص کے افراد خاندان زیادہ ہوں گے اس کو ان کے اعتبار سے خرچ دینا ہوگا، الا یہ کہ ذمہ دار خاندان کسی معقول وجہ (جیسے اس کی آمدنی کم ہو یا وہ شخص کسی اور طریقہ سے افراد خاندان کی مدد کرتا ہو وغیرہ وغیرہ) سے سب کے برابر اس سے خرچ لیں، اور یہ ان سب نے مل کر طے کرلیا ہو، چونکہ حدیث شریف میں ہے:

"عن شریح قال: بلغنا أن النبی ﷺ قال: المؤمنون عند شروطهم ما لم یعص الله" (کتاب البیوع والأقضیة، المصنف لابن ابی شیبہ ۱۱/ ۳۲۷)۔

(حضرت شریح فرماتے ہیں کہ یہ بات ہم تک پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

Marfat.com

کہ مومن اپنی شرطوں کے پابند ہوتے ہیں، جب تک کہ اللہ کی نافرمانی نہ ہونے لگے، لہذا اس صورت میں آپس میں انہوں نے جو طے کیا ہوگا اس کے مطابق وہ خرچ دینے کے پابند ہوں گے)۔

۳- لیکن واضح رہے کہ یہ سب اس وقت ہے، جبکہ مشترکہ خاندان کے افراد اپنے والد کے ترکہ میں اپنے اپنے اعتبار سے مختلف کاروبار اختیار کئے ہوئے نہ ہوں، یعنی ان کا اصل سرمایہ راس المال والد کا ترکہ نہ ہو، ورنہ تو تمام بھائیوں کی کمائی چاہے انہوں نے مختلف پیشے اختیار کرر کھے ہوں، آپس میں برابر سرابر تقسیم ہوگی، ملاحظہ ہو:

"وكذلك لو اجتمع إخوة يعملون فى تركة أبيهم ونمى المال فهو بينهم سوية، ولو اختلفوا فى العمل والرأى" (باب الربح فی الشرکۃ الفاسدۃ، الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید ۵/۵۲)۔

نیز یہ بھی ضروری ہے کہ مشترکہ خاندان سے باپ بیٹے مراد نہ ہوں، اس طور پر کہ باپ بیٹے مل کر کوئی کاروبار کریں، اور پہلے سے کوئی سرمایہ نہ ہو، ظاہر ہے کہ اس صورت میں بیٹا باپ کا معین ومددگار ہوگا اور کمائی سب باپ کی ہوگی، بلاحظہ ہو: "ثم هذا فى غير الابن مع أبيه فلو كان الأب وابنه يكسبان فى صنعة واحدة، ولم يكن لهما شيئ فالكسب كله للأب، إن كان الابن فى عياله لكونه معيناله" (الربح فی الشرکۃ الفاسدۃ ۵/۵۲)۔

اس طرح مشترکہ خاندان سے باپ بیٹوں کے ساتھ ایک ساتھ عمل کی وہ صورت بھی خارج ہوگی (نکل جائے گی) جس میں بیٹے باپ کی سرپرستی اور پرورش میں رہتے ہوئے (چاہے مختلف پیشے اختیار کئے ہوئے ہوں) مال کمائیں۔

چنانچہ اس صورت میں بھی تمام کمائی باپ ہی کی ہوگی اور لڑکوں کی اپنی استعمال کی جو چیزیں ہیں (جیسے بدن کے کپڑے وغیرہ) وہ ان کی اپنی ہوں گی؛ "ولو زوج وبنيه الخمسة فى داره وكلهم فى عياله، واختلفوا فى المتاع، فهو للأب وللبنين الثياب التى

Marfat.com

علیهم لا غیر" (فصل فی الشرکۃ الفاسدۃ، شامی ۳۵۰/۴)۔

اب رہی یہ صورت کہ مختلف بھائیوں نے مل کر اپنے والد یا کسی بھائی کے پاس آمدنی جمع کی اور گھر کے اخراجات سے بچی ہوئی رقم سے کوئی چیز خریدی گئی تو اس میں سب کا حصہ برابر ہوگا، یا ہر ایک کی آمدنی کے لحاظ سے ہوگا۔

اور ذکر کی گئی صورت میں چونکہ ہر ایک کی آمدنی کی تعین نہیں ہے کہ ہر ایک نے کتنی آمدنی جمع کی، لہذا اس صورت میں سب کو برابر سرابر حصہ ملے گا، اس کی وضاحت علامہ شامی نے بھی اپنی مشہور و معروف کتاب شامی میں کی ہے۔

اور علامہ محمود طهاز نے "الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید ۵۱/۵) میں اس کو ذکر کیا ہے۔

ملاحظہ ہو: "ویؤخذ من هذا الحکم فی زوج امرأة وابنها اجتمعا فی دار واحدة، وأخذ کل منهما یکتسب علاحدة، ویجمعان کسبهما، ولا یعلم التفاوت ولا التساوی ولا التمییز، فأجاب أنه بینهما سویة" (الربح فی الشرکۃ الفاسدۃ)۔

تین بھائی ہیں اور دو بھائی اپنی پوری تنخواہ مثلاً دس دس ہزار روپیہ گھر میں دیدیتے ہیں اور ایک بھائی بیس ہزار کماتا ہے اور وہ بھی دس ہزار گھر میں دیتا ہے اور دس ہزار الگ بچا کر رکھتا ہے تو وہ بچی ہوئی رقم صرف اس کی ملکیت ہوگی یا تمام بھائیوں کی۔

مذکورہ صورت میں اگر بھائیوں میں یہ معاہدہ نہ ہوا ہو کہ ہم اپنی اپنی پوری کمائی ایک جگہ جمع کریں گے تب تو اس صورت میں بچی ہوئی رقم اس کی اپنی ذاتی ہوگی اس میں دیگر بھائیوں کا کوئی حصہ نہیں ہوگا، چونکہ ان میں سے ہر ایک الگ الگ پیشہ اختیار کئے ہوئے ہیں، اس صورت میں نہ پیشہ میں اشتراک ہے اور نہ راس المال میں اشتراک ہے۔ چنانچہ فقہاء کرام نے اسی قسم کا مسئلہ ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو: "واختلف قول العلماء فی عمل المرأة مع زوجها إذا اجتمع بعملهما أموالاً کثیرة، فقیل للزوج: وتکون المرأة معینة له، إلا إذا کان لها کسب علاحدة، فهو لها الخ" (الربح فی الشرکۃ الفاسدۃ، الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید ۵۲/۵)۔

Marfat.com

مذکورہ صورت میں اگر میاں بیوی دونوں کا پیشہ ایک ہو تو اس صورت میں عورت کو شوہر کی مددگار تسلیم کرتے ہوئے تمام کمائی شوہر کی ہوگی، کو ذکر کیا گیا ہے۔

البتہ جب بیوی کا پیشہ الگ ہو تو اس صورت میں مال بیوی کا ہوگا، یہی صورت یہاں پر ہے کہ جب تمام بھائی الگ الگ پیشہ اختیار کئے ہوئے ہیں، اب ایک ساتھ اخراجات کو یکساں جمع کرتے ہیں، لہٰذا اس سے زائد جس کا ہوگا وہ اس کا مالک ہوگا، اس مال میں دوسرے بھائیوں کے اشتراک کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

۵- اگر خاندان کے کچھ افراد کماتے ہیں اور کچھ گھر کے کام دیکھتے ہیں اور اس طرح گھر کا کام چلتا ہے تو کیا کمانے والے حضرات کی آمدنی میں کام کرنے والے حضرات بھی برابر کے حصہ دار ہوں گے۔

مذکورہ صورت میں عرف عام میں سب کو برابر کے حقدار سمجھا جاتا ہے اور آمدنی میں سب برابر کے شریک ہوتے ہیں، چونکہ انہوں نے گھر کے کام کاج کو دیکھا تب ہی تو کمانے والے حضرات نے پیسہ کمایا ہے، لہٰذا اس صورت میں کمائی سب کے درمیان برابر تقسیم ہوگی۔

۶- آخری مسئلہ ذرا غور طلب ہے والدین کے حقوق اولاد پر ہیں اور اولاد کے حقوق والدین پر ہیں، لیکن آپ بہو پر لازم کریں کہ وہ اپنے خسر کی خدمت کرے یہ شرعاً درست نہیں ہے، چونکہ خسر بہو کے لئے اگرچہ محرم ہے، لیکن بہو پر لازم ہے کہ وہ اپنے خسر سے حتی الامکان پردہ کرے، بے پردہ زینت کے ساتھ سج دھج کر بال کھلے اپنے خسر کے سامنے ہر جگہ تنہائی میں ہرگز نہ جائے، جبکہ بہو جوان بھی ہو۔

مشترکہ خاندان کی جہاں بہت سی قباحتیں ہیں ان میں یہ بھی ایک بڑی قباحت ہے کہ مشترکہ خاندان میں پردہ کا بالکل لحاظ نہیں کیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے آئے دن بے ہودگی کے ایسے ایسے واقعات سننے کو ملتے ہیں کہ جن کا ہم تصور نہیں کرسکتے، بیٹا باپ کی خدمت کرے گا، لیکن بہو خسر کی ہر قسم کی خدمت نہیں کرے گی، سب کی موجودگی میں کھانا دیدے، ضرورت کی

Marfat.com

چیزیں طلب کرنے پر لا کر دیدے، مجبور ومعذور ہیں تو ان کا بستر ڈالدے وغیرہ وغیرہ، لیکن وہ بھی حجاب کے ساتھ، چونکہ شریعت مطہرہ نے محرم سے بھی پردے کا حکم دیا ہے، جبکہ بے پردگی میں فتنہ میں پڑنے کا اندیشہ ہو (شامی ۱۴۵/۲)۔

اب رہی ساس صاحبہ کی خدمت کی بات تو ظاہر ہے کہ جب ساس صاحبہ بوڑھی ہو، خود سے اپنی ضروریات کی تکمیل نہیں کرسکتی تو اس کی خدمت کرنا اور اس کی ہر طرح مدد کرنا، ایک بہو ہونے کے اعتبار سے نہیں ہے، بلکہ انسانیت کے ناطے بہو پر لازم ہے کہ وہ ہر قسم کا تعاون پیش کرے۔ چنانچہ یہ سب چیزیں فقہ حنفی میں از قسم دیانات لازم ہوتی ہیں، قضاءً اس کو آپ لازم کرنا چاہیں تو اس کی گنجائش نہیں ہے۔

Marfat.com

اسلام کی نظر میں خاندانی نظام

مولانا محمد ذکاء اللہ شبلی ☆

۱- اسلامی نقطۂ نظر میں مشترکہ خاندان کی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی، اور محسوس یہ کیا گیا کہ اس میں نہ خیر ہے اور نہ برکت وعافیت۔

وہ فیملی زیادہ خوشحال، ترقی یافتہ اور شرعی اعتبار سے بھی بہت سی بداحتیاطیوں سے محفوظ رہتی ہے، جو جداگانہ طور پر رہائش پذیر ہیں، حضرات صحابہ کرامؓ کی معاشرتی زندگی اس کی بین دلیل ہے۔

اور خود رسالت مآب رحمت عالم ﷺ نے تمام ازواج مطہرات کے رہنے اور کھانے پینے کا الگ انتظام فرمایا۔

اس لئے میرے نزدیک جدا جدا فیملی کا نظام ہی بہتر اور درست ہے۔

۲- مشترکہ خاندان جس میں کئی بھائی ایک ساتھ رہتے ہوں اور سب کی تمام ضروریات اجتماعی طور پر پوری کی جاتی ہوں اس میں اخراجات ہر صاحب اولاد بھائی پر اس کی اولادوں کی تعداد اور علاج ومعالجہ کے لحاظ سے صرفہ شرعا عائد ہوگا۔

۳- مشترکہ خاندان جس میں سب بھائیوں کی جانب سے بھیجی ہوئی رقم سے جو رقم بچ جائے اور اس سے کوئی چیز خریدی جائے تو اس میں سبھوں کا حصہ برابر ہوگا۔

۴- مشترکہ ضروریات میں مقرر کردہ رقم جمع کرنے کے بعد جو رقم کسی بھائی نے الگ

☆ دار القضاء اندور، مسجد چھوٹی، گوال ٹولی، اندور، ایم پی۔

Marfat.com

سے جمع کی ہو تو وہ رقم اسی کی ہوگی مشترکہ شمار نہیں کی جائے گی۔

۵- گھر سے باہر رہ کر ملازمت یا تجارت کرنے والے بھائی کی جمع شدہ رقم یا حاصل کردہ جائیداد و زیورات میں گھر پر رہنے والے بھائی حصہ دار نہیں ہوں گے۔

۶- والدین کی شرعاً کفالت اور خدمت بیٹوں پر لازم ہے، لیکن شوہر کی خواہش پر بیوی خدمت کی پابند ہوگی، عام حالات میں شوہر اخلاقاً اور خاص و نازک موقع پر حکماً بھی شوہر بیوی سے ماں باپ کی خدمت لے سکتا ہے۔

البتہ بیٹیاں اگر گھر پر ہوں تو بحیثیت اولاد کے خدمت کی ذمہ داری بیٹوں سے بیٹیوں پر لازم ہوگی۔

۷- حجاب بہر حال لازم ہوگا، اس لئے کہ حج جیسے سفر میں غیر محرموں کے ازدحام میں بھی بحالت احرام خواتین کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ غیر محرم کے سامنے آنے پر کسی بھی چیز سے آڑ کرلیں، اس لئے مشترکہ طور پر رہنے والے خاندان میں باوجود بار بار غیر محرم کے آمنے سامنے ہونے پر پردہ میرے نزدیک لازم وضروری ہوگا۔

Marfat.com

شریعت کا مطلوبہ خاندانی نظام

مفتی محمد الیاس قاسمی ☆

۱- عام حالات میں اسلام کی نظر میں جداگانہ زندگی بسر کرنے کا طریقہ بہتر ہے، لیکن کچھ مخصوص حالات کی بنیاد پر مشترکہ خاندانی نظام بھی بہتر ہوسکتا ہے، جداگانہ طرز زندگی کے متعلق قرآن کی تصریحات اور اس کے واضح اشارات موجود ہیں، قرآن مجید جہاں کوئی حکم بیان کرتا ہے مکان تذکرہ ہر شخص کے لئے الگ الگ کرتا ہے:

"یأیها الذین آمنوا لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم" (النور:۲۷)۔

(اے لوگو جو ایمان لاتے ہو اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو)۔

کسی شخص کی بیویاں ایک سے زائد ہوں تو ہر ایک کا مکان بھی الگ الگ ہونا چاہئے ازواج مطہرات کو پردہ کی تلقین کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وقرن فی بیوتکن" (الاحزاب:۳۳) (اپنے اپنے گھروں میں ٹک کر رہو)۔

آگے مزید ارشاد فرمایا: "واذکرن ما یتلی فی بیوتکن من ایت الله والحکمة" (الاحزاب:۳۴) (اور یاد کرو اللہ کی آیتوں اور حکمت کی بات کو جو تمہارے گھروں میں سنائی جارہی ہے)۔

"سورۂ الحجرات" کی ایک آیت میں بھی ازواج مطہرات کے الگ الگ مکانوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

☆ مدرسہ بیت العلوم پونہ، مہاراشٹر۔

Marfat.com

"إن الذين ينادونک من وراء الحجرات أكثرهم لايعقلون" (الحجرات:۴)

(بے شک جولوگ آپ کو حجرات (کمروں یا مکانوں) کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر نا سمجھ ہیں)۔

زید بن عبداللہ ہذلی کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مسجد نبوی ﷺ میں توسیع کی غرض سے جب ان مکانوں کو زمین بوس کرایا تو میں نے انہیں دیکھا تھا، یہ مکان اینٹوں کے تھے اور ان میں کمرے کھجور کے تنوں سے تیار کئے گئے تھے جن پر مٹی سے پتائی کی گئی تھی، فرماتے ہیں کہ میں نے شمار کیا تو یہ کل نو مکان تھے جن سے ملحق کمرے ان کے علاوہ تھے۔ (ا.. سعد، طبقات الکبری ۱۰/۰۴۴ بیروت)۔

حضرت فاطمہؓ و علیؓ سے آپ ﷺ کو انتہائی خصوصی تعلق تھا، حتی کہ آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ کو اپنے جگر کا ٹکڑا قرار دیا ہے، اس کے باوجود شادی کے بعد آپ ﷺ نے ان کے مکان کو اپنے سے بالکل الگ قرار دیا ہے۔

شادی کے بعد الگ مکان بیوی کا بنیادی حق ہے جس میں اس کی مرضی کے بغیر شوہر دوسرے کو شریک نہیں کرسکتا۔

"وعلى الزوج أن يسكنها فى دار مفردة ليس فيها أحد من أهله، إلا أن تختار ذلک؛ لأن السكنى من كفايتها، فتجب لها كالنفقة وقد أوجبه الله تعالىٰ مقرونا بالنفقة، وإذا وجب حقا لها ليس له أن يشرک غيرها فيه؛ لأنها تتضرر به، فإنها لا تأمن على متاعها ويمنعها ذلک من معاشرة مع زوجها ومن الاستمتاع، إلا أن تختار ذلک؛ لأنها رضيت بانتقاص حقها" (ہدایہ علی فتح القدیر ۴/۷۵۳)۔

پردے کے مختلف احکامات بھی جداگانہ طرز زندگی پر دلالت کرتے ہیں، چنانچہ ارشاد باری ہے: "ذلک أطهر لقلوبكم وقلوبهن" (الاحزاب:۵۳)۔

(اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے اوٹ سے مانگو یہ زیادہ پاکی کا باعث ہے تمہارے دلوں کے لئے اور ان کے دلوں کے لئے بھی)۔

Marfat.com

قرآن مجید نے عورت پر نامحرم رشتہ داروں سے پردہ فرض قرار دیا ہے، جبکہ مشترکہ خاندانی نظام میں شوہر کے بھائی بھتیجے اس کے چچا اوران لڑکوں وغیرہ سے پردہ کرنا ایک عورت کے لئے سخت دشوار ہوتا ہے، ان تمام رشتے داروں سے پردہ جداگانہ طرز حیات ہی میں ممکن ہے۔

اسلام نے سماج کے کمزوروں اور معذوروں کا خاص لحاظ رکھا ہے جو خاندان کے لوگوں کی طرح دوسرے رشتے داروں کے گھروں سے کھانے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔

"ليس على الأعمى حرج ولا على الأعرج حرج ولا على المريض حرج ولا على أنفسكم أن تأكلو من بيوتكم ...... أو صديقكم" (سورۂ النور:۶۱)۔

(اندھے کے لئے کوئی حرج نہیں ہے اور نہ لنگڑے کے لئے حرج ہے اور نہ مریض کے لئے حرج ہے اور نہ تمہارے اوپر کوئی حرج ہے کہ تم کھاؤ ایک دوسرے کے گھروں سے اور نہ اپنے باپوں کے گھروں سے اور اپنی ماؤں کے گھر سے اور اپنے بھائیوں کے گھروں اور اپنے خالوؤں کے اور ماموؤں کے گھروں سے اور اپنی خالاؤں اور پھوپھیوں کے گھروں سے اور جو تمہارے ہاتھ کی ملک ہیں ان کے گھروں سے یا اپنے دوستوں کے گھروں سے)۔

اس آیت کریمہ میں ہر جگہ گھروں (بیوت) کی نسبت متعلقہ افراد کی طرف الگ الگ کی گئی ہے، گویا اس بات کا واضح اشارہ ہے کہ تمام رشتے داروں میں سے ہر ایک کا مکان دوسرے سے الگ ہونا چاہئے۔

اسلام نے زنا کو انتہائی سنگین جرم قرار دیا ہے اور زانی کے لئے سخت سزا تجویز کی ہے، لیکن اس نے بیوی سے کسی بھی وقت جنسی تسکین کو جائز قرار دیا ہے، بعض احتیاطوں کا لحاظ رکھتے ہوئے شوہر بیوی سے جب اور جس طرح چاہئے استفادہ کرسکتا ہے، لیکن مشترکہ خاندانی نظام میں ایک شخص اپنے ان تقاضوں کو پورا نہیں کرسکتا۔

بعض احادیث سے مخصوص حالات میں مشترکہ خاندانی نظام کے بہتر ہونے کا بھی اشارہ ملتا ہے، چنانچہ حضرت جابرؓ کی حدیث میں ہے کہ جب انہوں نے ایک ثیبہ عورت سے نکاح

Marfat.com

کیا تو اللہ کے رسول ﷺ نے اس کا سبب دریافت فرمایا تو انہوں نے جواب دیا کہ میرے والد صاحب کا انتقال ہوگیا ہے اور میری چھوٹی بہنیں ہیں اس لئے مجھے ایک ایسی عورت کی تلاش ہے جو ان کی دیکھ بھال کر سکے اگر میں نوعمر لڑکی سے نکاح کرتا تو وہ ان کی صحیح دیکھ بھال نہ کر سکتی، اس لئے میں نے ثیبہ عورت سے نکاح کیا۔

"عن جابر بن عبد الله قال: تزوجت امرأة فاتت النبی ﷺ فقال: أتزوجت یا جابر! فقلت: نعم، قال: بکرا أو ثیبا، فقلت: لا بل ثیبا، فقال: هلا جاریة تلاعبها وتلاعبک، فقلت: یا رسول الله ﷺ إن عبد الله مات وترک سبع بنات أو تسعا فجئت بمن یقوم علیهن فدعا لی" (الجامع الترمذی ۱/۲۰۸، الابواب النکاح)۔ ظاہری بات ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہنیں آپ کے ہی گھر میں رہتی رہی ہوں گی، ورنہ ان کی دیکھ بھال کرنے کے کیا معنی ہوتے۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں دو بھائی تھے ایک بھائی ہنرمند ہونے کی وجہ سے روزی کماتا تھا اور دوسرا بھائی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا تھا ہنرمند بھائی نے حضور ﷺ سے اپنے دوسرے بھائی کی شکایت کی کہ وہ کوئی دھندہ نہیں کرتا آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: شاید اس کی وجہ سے تمہیں رزق ملتا ہو۔

"کان إخوان علی عهد رسول الله ﷺ فکان أحدهما یأتی النبی ﷺ فقال: لعلک ترزق به" (الجامع الصحیح للترمذی ابواب الزہد)۔

یہ دونوں بھائی مشترکہ گھر میں رہتے رہے ہوں گے، ورنہ اگر دونوں کا رہن سہن کا انفرادی ہوتا تو دوسرے بھائی کو شکایت کا کوئی موقع نہیں ملتا۔

۲- اس صورت میں بچوں کی تعداد کا لحاظ کئے بغیر سب پر برابر اخراجات عائد کئے جائیں گے۔

۳- اخراجات سے بچی رقم سے اگر والد نے کوئی چیز خریدی ہو تو وہ والد کی ملکیت ہوگی

Marfat.com

اوران کے انتقال کے بعد تمام وارثین میں تقسیم ہوگی اور تمام بھائیوں کو برابر ملے گی۔

"الأب وابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما بشئ فالكسب كله للأب، إن كان الابن في عياله لكونه معينا له، ألا ترى لو غرس شجرة تكون للاب" (شامی ۶/۵۰۲)۔

۴-صورت مسئولہ میں جس بھائی نے دس ہزار روپے الگ بچا کر رکھا ہے تو یہ صرف اس کی ملکیت ہوگی، کیونکہ شرعاوہی اس کا مالک ہے۔

۵-اگر کمانے والے افراد اور کام کرنے والے افراد میں کوئی معاہدہ ہوتو معاہدہ کے مطابق عمل کرتے ہوئے آمدنی میں کام کرنے والے حضرات کا بھی حصہ ہوگا۔

"لا يستحق الربح إلا بإحدى ثلاث بمال أو عمل أو تقبل (الدر المختار) قوله (أو عمل) كالمضارب في المضاربة" (شامی ۵/۵۰۱)۔

اگران میں کوئی معاہدہ نہ ہوتو کام کرنے والے افراد اجرت مثل کے حقدار ہوں گے۔

"وماحصله أحدهما بإعانة صاحبه، فله ولصاحبه أجر مثله، بالغا ما بلغ عند محمد، وعند أبي يوسف لايجاوز به نصف ثمن ذلك" (الردالمختار)۔

"والربح في الشركة الفاسدة بقدر المال ولاعبرة بشرط الفضل، فلو كل المال لأحدهما فلآخر أجر مثله (الرد المختار) قوله (والربح) حاصله أن الشركة الفاسدة إما بدون مال أو به من الجانبين أو من أحدهما، فحكم الأولى أن الربح فيها للعامل كما علمت"۔

البتہ اگر یہ تمام بھائی اپنے باپ کے ماتحت ہوں تو ساری آمدنی باپ کی شمار ہوگی اور باپ کے انتقال کے بعد تمام بھائیوں نے برابر تقسیم کی جائے گی۔

"الأب وابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما بشئ فالكسب كله للأب، إن كان الابن عياله لكونه معينا له، ألا ترى لو غرس شجرة تكون

Marfat.com

للأب (شامی ۶/ ۵۰۲)۔

۶-والدین کی خدمت وکفالت جس طرح بیٹوں پر واجب ہے اسی طرح بیٹیوں پر بھی واجب ہے، چنانچہ اگر بیٹی مالدار ہو اور والدین تنگدست ہوں تو والدین کا نفقہ بیٹی پر بھی واجب قرار دیا ہے۔

"ولا يشارك الولد في نفقة أبويه أحد؛ لأن لهما تأويلا في مال الولد بالنص ...... وهي على الذكور والإناث بالتسوية في ظاهر الرواية، وهو الصحيح، لأن المعنى يشملهما" (ہدایہ علی فتح القدیر ۴/ ۷۸-۳۷۷)۔

اسلام نے بیٹی پر غیر مسلم والدہ کی بھی خدمت واعانت کا حکم دیا ہے، چنانچہ حضرت اسماء بنت ابی بکر سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ میری ماں اپنے باپ کے ساتھ میرے پاس آئی درآنحالیکہ وہ مشرکہ تھی، جب کہ قریش مکہ نے نبی ﷺ سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر رکھا تھا تو میں نے نبی ﷺ سے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ حضور ﷺ میری ماں آئی ہے اور وہ چاہتی ہے کہ میں اس کی مالی اعانت کروں، آپ ﷺ نے فرمایا ہاں تو اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کر۔

"عن أسماء بنت أبي بكر قالت: قدمت علي امي وهي مشركة في عهد قريش ومرت بها إذ عاهدوا النبي ﷺ مع أبيها فاستقيت النبي ﷺ فقالت: إن أمي قدمت وهي راغبة قال: نعم صلي أمك" (صحیح بخاری کتاب الادب، مسلم کتاب الزکوۃ)۔ بہو پر بھی ساس وخسر کی خدمت اخلاقی طور سے واجب ہے جس تعاون کو بیٹا انجام نہ دے سکتا ہو اس خدمت کو بجالانا بہو پر اخلاقاً واجب ہوگا۔

۷-مشترک خاندان میں جہاں چہرے کا پردہ سخت دشوار ہو غیر محرم رشتہ داروں کے سامنے چہرہ، گٹوں تک دونوں ہاتھ اور قدمین کھولے جاسکتے ہیں، البتہ بلاضرورت بات چیت سے اجتناب کیا جائے، نیز ان رشتہ داروں سے تنہائی بھی اختیار نہ کی جائے، چنانچہ اسماء بنت ابی بکرؓ (حضور ﷺ کی سالی) ایک مرتبہ حضور ﷺ کے پاس آئیں وہ نہایت باریک کپڑے

Marfat.com

پہنی ہوئی تھیں آپ نے ان سے منہ پھیر لیا اور فرمایا اے اسماء! عورت جب بالغ ہو جائے تو اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہیں آنا چاہئے بجز اس کے، اور اس کے پھر آپ ﷺ نے اپنی ہتھیلیوں اور چہرے کی طرف اشارہ کیا۔

عن أسماء بنت أبی بکر دخلت علی رسول اللہ ﷺ وعلیها ثیاب رقاق، فأعرض عنها رسول اللہ ﷺ وقال: یا أسماء! إن المرأة إذا بلغت المحیض لم یصلح لها این یری منها، إلا هذا، وأشار إلی وجهه وکفیه (سنن ابی داؤد کتاب اللباس)۔

إن رسول اللہ ﷺ قال: إیاکم والدخول علی النساء، فقال رجل من الأنصار: یا رسول اللہ ﷺ! أفرأیت الحمو؟ قال: الحمو الموت" (صحیح مسلم کتاب السلام بخاری کتاب النکاح)۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم عورتوں کے یہاں جانے سے پرہیز کرو ایک انصاری نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ دیور کا جانا کیسا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: دیور تو موت ہے، فقہاء کرام نے بھی مخصوص حالت میں غیر محرم عورتوں کی طرف دیکھنا جائز قرار دیا ہے۔

"أما النظر إلی الأجنبیات فنقول: یجوز النظر إلی موضع الزینة الظاهرة منهن، وذلک الوجه والکف فی ظاهر الروایة، کذا فی الذخیرة، وإن غلب علی ظنه أنه یشتهی فهر حرام، کذا فی الینابیع، النظر إلی وجه الأجنبیة إذا لم یکن عن شهوة لیس حرام لکنه مکروه، کذا فی السراجیة، وروی عن حسنؒ عن أبی حنیفةؒ یجوز النظر إلی قدمیها أیضا" (عالمگیری ۵/۳۲۹)۔

Marfat.com

اسلام کی نظر میں مشترکہ اور جداگانہ خاندانی نظام

مولانا ظہیر احمد ندوی ☆

سوال: اسلام کی نظر میں مشترکہ خاندانی نظام بہتر ہے، یا جداگانہ زندگی بسر کرنے کا طریقہ؟

جواب: اسلام کی نظر میں مشترکہ خاندانی نظام بہتر نہیں ہے، اس لئے کہ مشترکہ خاندانی نظام میں بہت سی خرابیاں اور بگاڑ ہیں۔ اس دور میں اپنے لڑکے کی شادی کرواکر بہو کو گھر لاتے ہیں، تو ماں، باپ یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری خدمت کے لئے ہے، اور یہ چاہتے ہیں کہ ہماری ہر طرح کی خدمت کرے، اگر وہ خدمت نہ کرے تو اس پر جھگڑے ہوتے ہیں، اگر بہو اپنی نند کا کچھ کام نہیں کرتی تو اس پر جھگڑے ہونا شروع ہوجاتے ہیں، اور ایک طرح کا فساد برپا ہوجاتا ہے، اسی طرح اس میں عورتوں کا غیر محرم سے اختلاط ہوتا ہے، جو بہت بڑے فساد کی جڑ ہے، اور بھابھی کا دیور سے اختلاط ہوتا ہے۔

اس کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا: ''الحمو الموت'' (دیور موت ہے)۔ تو اس سے خطرناک بات اور کیا ہوسکتی ہے، اس لئے ایسے دور میں مشترکہ خاندانی نظام بہتر نہیں ہے، بلکہ جداگانہ زندگی بسر کرنا بہتر ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ماں، باپ اور رشتہ داروں سے الگ ہوجائے، بلکہ گھر اور چولہا سب کا الگ ہو، لیکن میل جول اور تال میل ہوتا رہے، اور ایک دوسرے کی ضرورت میں کام آئے، کیونکہ ایک کا دوسرے پر کچھ نہ کچھ حق ہوتا ہی ہے، جیسے ماں، باپ کا اولاد پر اور اولاد کا ماں باپ پر اور بھائی کا بہن پر اور بہن کا بھائی پر۔

☆ استاذ فقہ الاسلامی جامعۃ المعارف رامپور، یوپی۔

Marfat.com

اور مشترکہ خاندان سے ایک دم الگ ہونے میں حرج لازم آئے گا۔ لیکن جداگانہ رہنے میں بہت سی مصیبتوں اور آفتوں سے محفوظ رہتا ہے۔

سوال ۲: اگر مشترکہ خاندان ہو اور افراد خاندان کی ضروریات کے لئے سب مل کر خرچ دیں، کسی کے بچے زیادہ ہوں اور کسی کے کم ہوں، تو کیا ان سب پر برابر اخراجات عائد کئے جائیں گے، یا ان کے بچوں کی تعداد کے لحاظ سے؟

جواب: اگر مشترکہ خاندان ہو، اور افراد خاندان کی ضروریات کے لئے سب مل کر خرچ دیں، کسی کے بچہ زیادہ ہوں اور کسی کے کم ہوں، تو ان سب پر برابر اخراجات عائد کئے جائیں گے۔ بچوں کی تعداد کی لحاظ سے عائد نہیں کئے جائیں گے۔

سوال ۳: اسی صورت میں اگر مختلف بھائیوں نے مل کر اپنی والد یا کسی بھائی کے پاس آمدنی جمع کی، اور گھر کے اخراجات سے بچی ہوئی رقم سے کوئی چیز خریدی گئی تو اس میں سبھوں کا حصہ برابر ہوگا یا ہر ایک کا آمدنی کے لحاظ سے ہوگا؟

جواب: ایسی صورت میں اگر مختلف بھائیوں نے اپنے والد یا کسی بھائی کے پاس آمدنی جمع کی اور گھر کے اخراجات سے بچے ہوئے رقم سے کوئی چیز خریدی گئی، تو اس میں سبھی کا حصہ ہوگا اور برابر ہوگا، ہر ایک کی آمدنی کا اعتبار نہیں ہوگا، اخلاقانہ طریقہ سے یہی ہے۔ اس میں آمدنی کا لحاظ نہیں کیا جائے گا، اگر آمدنی کا لحاظ کیا جائے گا تو اس صورت میں جب اس چیز کو تقسیم کیا جائے گا تو مشترکہ چیزوں میں بے انصافی ہوگی، اور وہ بھائی جس کی آمدنی زیادہ ہے وہ یہی چاہے گا کہ میری آمدنی کے اعتبار سے دیا جائے تو ایسی صورت میں بھائیوں میں بے انصافی اور قطع رحمی پیدا ہوگی، جیسے وراثت میں تمام بھائیوں کا حصہ برابر ہوتا ہے، اور جو چیزیں مشترکہ مال سے خریدی گئی تو اس میں ان کا حصہ برابر ہوگا۔

سوال ۴: بچی ہوئی رقم میں تمام بھائیوں کی شرکت۔

جواب: تین بھائی ہیں، دو بھائی گھر میں دس ہزار روپیہ دیتے ہوں، اور ایک بھائی

Marfat.com

بیس ہزار روپیہ کماتا ہو، اور وہ بھی گھر میں دس ہزار روپیہ دیتا ہو، اور دس ہزار روپیہ بچا کر رکھتا ہو، تو وہ جمع کی ہوئی رقم اس کی ملکیت ہوگی، اس بقیہ قیمت میں دوسرے بھائی کا حصہ نہ ہوگا۔

سوال ۵: اگر خاندان کے کچھ افراد کماتے ہیں، اور کچھ گھر کا کام دیکھتے ہوں تو کیا کمانے والے حضرات کی آمدنی میں کام کرنے والے حضرات بھی برابر کے حقدار ہوں گے؟

جواب: اگر خاندان کے کچھ افراد کماتے ہیں اور کچھ گھر کا کام دیکھتے ہیں، اور اس طرح گھر کا کام چلتا ہو تو کمانے والے حضرات کی آمدنی میں گھر کے کام کرنے والے حضرات بھی برابر کے حقدار ہوں گے، اس لئے کہ گھر کی وہ ذمہ داری جوان پر عائد ہوتی ہے، اور باہر کی ذمہ داری جوان پر عائد ہوتی ہے، اسکو وہ پورا کرتے ہیں، اس لئے گھر کے کام کرنے والے برابر کے حقدار ہوں گے۔

سوال ۶: بہو پر ساس کی خدمت بجالانا واجب ہوگا یا نہیں؟

جواب: والدین زندگی بھر بچوں کی خدمت کرتے ہیں، اور کفالت بھی، اور بڑھاپے میں انہیں خدمت اور کفالت کی ضرورت پڑتی ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ والدین کی خدمت اور کفالت بیٹوں پر واجب ہے، یا بیٹیوں پر اور اس سلسلہ میں بہو کی ذمہ داری کیا ہے۔

تو اس سلسلہ میں والدین کی خدمت اور کفالت بیٹوں پر واجب ہے۔

بقولہ مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کیونکہ لڑکیاں جب تک گھر میں رہتی ہیں، تو ان پر بھی خدمت آئے گی، لیکن وہ اپنی شادی کر کے سسرال چلی جاتی ہیں، تو بیٹوں پر خدمت واجب ہے۔ ایک بات اور سمجھ لینا چاہئے کہ جس میں بڑی کوتاہی ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ جب عورت کے ذمہ شوہر اور اس کی اولاد کا کھانا پکانا واجب نہیں تو شوہر کے جو ماں باپ اور بھائی، بہن ہیں ان کی خدمت کرنا بطریقہ اولیٰ واجب نہیں ہوگا، اگر والدین کو خدمت کی ضرورت ہے، اور کفالت کی تو اس کا ذمہ دار لڑکا ہے، البتہ اس کے لڑکے کی بیوی کی سعادت مندی ہے کہ وہ اپنے شوہر کے والدین کی خدمت کرے اور خوش دلی سے تو یہ سعادت مندی ہوگی، اور باعث اجر سمجھ کر انجام

Marfat.com

دے، اور لڑکے کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی بیوی کو اپنے والدین کی خدمت پر مجبور کرے، اور یہ خدمت انجام دے رہی ہو تو اس کا حسن سلوک اور حسن اخلاق ہے، اور اس کی یہ خدمت اس کے ذمہ فرض نہیں ہے، لہٰذا ان کو چاہئے کہ وہ اپنی بہو کی قدر کرے، اور اس کا بدلہ دینے کی کوشش کرے۔ (اصلاحی خطبات: بحوالہ محمود الفتاوی)۔

سوال ۷: مشترکہ خاندان میں پردہ کے کیا احکام ہوں گے؟

جواب: مشترکہ خاندان میں بہت سی دفعہ چچازاد بھائی، بہن یا اس طرح کے دوسرے قریبی رشتہ داروں کا ایک دوسرے سے آمنا سامنا ہوتا رہتا ہے، اور ایک ہی گھر میں خاص کر کے جب وہ تنگ ہو، رہنے کے باوجود ایک دوسرے سے مکمل پردہ نہیں ہو پاتا، تو ایسی صورتحال میں پردہ کا حکم ضروری ہے۔

کیونکہ ایک دوسرے کے حق میں غیر محرم ہیں، اور غیر محرم سے پردہ ضروری ہے۔

کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''الحمو الموت'' اس میں یہ سب داخل ہے۔

Marfat.com

خلاصہ جوابات
مشترکہ اور جداگانہ خاندانی نظام

مولانا محمد آصف یسین ☆

الجواب ۱: اسلام کی نظر میں مشترکہ نظامی خاندان ان کے مقابل میں جداگانہ زندگی گزارنا بچند وجوہ احسن وافضل ہے۔

۱- مشترکہ خاندانی نظام میں ایک دوسرے کے ساتھ چوبیس گھنٹے اختلاط کے نتیجے میں اور بشری وطبعی تقاضے کے باعث ایک دوسرے سے تکلیفیں پہنچنے پر آہستہ آہستہ کدورت بڑھتے بڑھتے نفرت کی حد تک یہ بات پہنچ جاتی ہے، آپس میں مشترک رہنے پر کتنی ہی احتیاط کے باوجود لابدی ہے، اس سے احتراز اور کلیتًا اجتناب کرامت سے کم نہیں۔ اقوال سے، افعال سے کسی نہ کسی طرح تکلیف پہنچ ہی جاتی ہے یا کسی ہمارے فعل پر دوسرا شخص شیطان کے وسوسے کی وجہ سے بدگمانی میں ملوث ہو جاتا ہے نتیجۃً یہ چھوٹی چھوٹی تکلیفیں آپس میں عداوت اور تنفر تک پہنچا دیتی ہیں، پھر تو یہ حال ہوتا ہے کہ روزانہ بیوی کا اپنے شوہر کے سامنے اپنی ساس کے بارے میں شکایتیں پے در پے کرنے سے بچے کے دل میں بھی والدہ کی محبت کم ہو جاتی ہے، کیونکہ دنیا کا یہ نظام ہے کہ ہر ساس یہ سمجھتی ہے کہ میری ہر بات میری بہو کی طرفداری میں ہے اور بہو یہ سمجھتی ہے کہ میری ساس کی ہر بات میری عداوت میں ہے، بھلا جب دونوں کے ذہنوں میں ایسا متقابل پہلو ہے تو بھلا بہو کا نباہ ساس کے ساتھ ہونا بڑا ہی پیچیدہ ہے، اسی لئے ساس بہو کا جھگڑا

☆ مدرسہ جامعہ قاسمیہ، رتن پوری، گجرات۔

Marfat.com

گلی گلی اور گھر گھر نظر آتا ہے، اب روزانہ بیوی اپنے شوہر کے سامنے اس کی والدہ کی شکایتیں فرما کر لڑکے کے دل میں سے اس والدہ کی محبت کو کم کروارہی ہے جن کا حق اللہ تعالیٰ نے جا بجا قرآن مجید میں اپنے بعد رکھا ہے، اس لئے خاندان میں حسن سلوک اور محبت کا ماحول برقرار رکھنے کے لئے جداگانہ خاندان ہی بہتر ہے۔

الجواب ۲- مشترکہ خاندان ہو اور بچوں کی تعداد میں کمی بیشی ہو تو ان سب پر اخراجات بچوں کی تعداد کے اعتبار سے عائد کرنا بایں وجہ بہتر ہے، تاکہ اولاد کے درمیان نزاع نہ ہو، کیونکہ ظاہر سی بات ہے کہ جب ایک بچے کی اولاد کم ہے پھر بھی اس کے پاس سے دوسرے بھائی کے برابر اخراجات عائد کئے جائیں گے تو لامحالہ عورت کے واسطے سے ہی سہی والدینؑ کی کدورت اس بچے کے دل میں پیدا ہو جائے گی، نیز بھائی اور بھابھی کی کدورت بھی دل میں آئیگی جو کدورت دو بھائیوں اور والدین کے درمیان جھگڑا پیدا کردے گی، جیسا کہ آج کل کا مشاہدہ ہے۔

الجواب ۳- مختلف بھائیوں نے مل کر گھر کے اخراجات کے لئے والد کے پاس یا بڑے بھائی کے پاس آمدنی جمع کی اور کسی چیز کی پہلے صراحت نہیں ہوئی ہے تو والد اس رقم کے مالک ہو جائیں گے، لہٰذا جب والد صاحب اس رقم کے مالک ہو گئے تو اخراجات سے بچی ہوئی رقم سے جو چیز خریدی جائے گی اس میں سب بھائی برابر شریک ہوں گے، لیکن عمومی طور پر یہ ہوتا ہے کہ بڑا بھائی بہت سالوں سے نوکری کرتا ہے، لہٰذا وہ چھوٹے بھائی کے مقابل میں زیادہ رقم والد کو اخراجات کے لئے دے چکا ہوتا ہے، پھر جب والد دونوں بھائیوں کو برابر حصہ دیتے ہیں، جیسا کہ آج کل ہوتا ہے تو وہ دلی طور پر راضی نہیں ہوتے رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ دو بھائیوں میں دشمنی ہو جاتی ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر باپ اور بچے کے درمیان کدورت پیدا ہو جاتی ہے، لہٰذا باپ کو چاہئے کہ وہ خود صراحۃً زیادہ آمدنی دینے والے بھائی کو زیادہ حصہ دے، لیکن اگر پھر بھی والد نے صراحۃً نہیں دیا اور لڑکوں نے بھی اس کی کوئی صراحت نہیں کی ہے تو اب تمام لڑکے گھر کے اخراجات سے بچی ہوئی رقم سے خریدی ہوئی چیز میں برابر

Marfat.com

کے شریک ہوں گے "إذا وهب هبة لذى رحم محرم منها لم يرجع فيها من وهب لاصوله وفروعى" (ہدایہ)۔

الجواب ۴- جوصورت مذکورہ میں جو بھائی بیس ہزار کما کر دس ہزار گھر میں دیتا ہے اور دس ہزار اپنے پاس رکھتا ہے تو اس دس ہزار میں جو اپنے پاس رکھے ہیں صرف اسی کی ملکیت ہونی چاہئے، کیونکہ آدمی اجرت کا مستحق محنت کی وجہ سے ہوتا ہے، لہٰذا اس دس ہزار میں محنت صرف اسی بھائی کی لگی ہے، نیز والد بھی اپنے اولاد کے اتنے مال کا مالک ہوتا ہے اور والد کا حق ہوتا ہے جتنا خرچے میں ضرورت ہو، اسی لئے تو فقہاء نے بیان فرمایا ہے کہ اگر والدین تنگ دست نہیں ہیں، تو لڑکوں پر ان کو خرچ دینا ضروری نہیں ہے، معلوم ہوا کہ پوری آمدنی اور تنخواہ پر والد کا حق نہیں ہے، نیز لڑکے نے جو دس ہزار روپے والد کو نہیں دیئے ہیں اس دس ہزار کی قیمت کو زکوٰۃ قربانی وغیرہ کے نصاب میں باپ کی ملکیت میں شمار نہیں کیا جاتا، بلکہ بچہ کی ملکیت شمار کر کے اس دس ہزار پر زکوٰۃ و قربانی وغیرہ واجب ہوتی ہے اگر یہ دس ہزار روپئے باپ کی ملکیت شمار ہو کر تمام بھائیوں کا حق ہوتا تو نصاب میں صرف اس بچے کی ملکیت میں کیوں شمار ہوتا؟ معلوم ہوا کہ دس ہزار میں تمام بھائی شریک نہ ہوں گے۔ اور عام اجنبیوں کے حجاب میں فرق ہوگا اگر عام لوگوں جیسا پردہ ان سے بھی ضروری ہوگا تو بڑی مشکل پیش آئیگی عورت اس پر عمل نہیں کر سکے گی، پس ایسے لوگوں کے سامنے عورت کھلے چہرے آسکتی ہے ضروری بات کر سکتی ہے، البتہ ان کے ساتھ تنہائی میں رہنا ان سے بے تکلف باتیں کرنا، ان کے ساتھ سفر کرنا، ان کے پاس بے اجازت گھر میں آنا جانا جائز نہیں، یہی معاملہ مرد کا سالیوں کے ساتھ ہوگا، اجنبیت کے احساس کے ساتھ ضروری گفتگو کر سکتی ہے، بے تکلفی اور تنہائی جائز نہیں۔

پس حضرت کی اس بیان کردہ تفسیر سے معلوم ہوا کہ قریبی رشتہ دار کے سامنے کھلے چہرہ آسکتی ہے ضروری بات بھی کر سکتی ہے، البتہ ان کے ساتھ بے تکلف باتیں کرنا ان کے ساتھ سفر کرنا ان کے پاس بے اجازت گھر میں آنا جانا جائز نہیں۔

Marfat.com

خلاصہ:

۱- مشترکہ نظام خاندان کے مقابل میں جداگانہ زندگی گزارنا افضل ہے۔

۲- بچوں کی تعداد کے اعتبار سے اخراجات عائد کرنا بہتر ہے۔

۳- اگر پہلے سے تفاوت کی کوئی صراحت نہیں ہوئی ہے، تو اخراجات سے بچی ہوئی رقم سے خریدی ہوئی چیز میں تمام بھائی برابر کے شریک ہوں گے۔

۴- صورت مذکورہ میں دس ہزار میں اسی لڑکے کی ملکیت ہوگی جس نے بیس ہزار کما کر دس ہزار بچا کر رکھے ہیں۔

۵- کمانے والے کی آمدنی میں کام دیکھنے والے برابر کے حقدار نہ ہوں گے۔

۶- والدین کی خدمت بیٹوں اور بیٹیوں دونوں پر واجب ہے، اور خرچہ اگر بیٹیاں مالدار ہیں تو ان پر بھی واجب ہوگا، ورنہ صرف بچوں پر۔ بہوؤں پر ساس کی خدمت کرنا واجب نہیں۔

۷- پردہ کے احکام میں تھوڑی سی خفت ہوگی کہ کھلا چہرہ ان کے سامنے آسکتی ہے ضرورت کی باتیں بھی کرسکتی ہیں، البتہ بے تکلف باتیں نہیں کرسکتی، تنہائی میں نہیں رہ سکتی اور سفر بھی ساتھ میں نہیں کرسکتی۔

Marfat.com

خاندانی نظام اسلامی قوانین کی روشنی میں

ڈاکٹر بہاء الدین محمد ندوی ☆

- خاندانی زندگی کے لئے اسلام نے جو احکام و قوانین مقرر کئے ہیں ان قوانین کو بروئے کار لانے کے لئے جداگانہ زندگی بہتر ہے مشترکہ زندگی سے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"يأيها الذين آمنوا ليستأذنكم الذين ملكت أيمانكم والذين لم يبلغوا الحلم منكم ثلاث مرات من قبل صلاة الفجر وحين تضعون ثيابكم من الظهيرة ومن بعد صلاة العشاء الخ" (سورہ نور: ۵۸)۔

اس آیت میں جو احکام مذکور ہیں ان کو عمل میں لانے کے لئے جداگانہ زندگی ہی بہتر ہے۔

- والدین کا علاج اور خدمت اولادوں کی ذمہ داری ہے، چاہے وہ مرد ہوں یا عورت۔ بہو پر وہ ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

"يلزمه نفقة الوالد وإن علا من ذكر أو أنثى والولد وإن سفل من ذكر أو أنثى" (شرح المنہاج للمحلی ۴؍۸۴)۔

- اجنبی مرد اور عورت کا آمنا سامنا ہونا کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے۔ فقہاء لکھتے ہیں:

☆ نائب صدر دارالہدیٰ اسلامک یونیورسٹی [illegible]

Marfat.com

”ویحرم نظر فحل بالغ إلی عورة حرة کبیرة أجنبیة مطلقا قطعا، والمراد بالکبیرة غیر الصغیرة التی لاتشتهی، وکذا وجهها وکفها عند خوف فتنة، وکذا عند الأمن علی الصحیح“ (شرح المنهاج للمحلی ۳/۲۰۸)۔

Marfat.com

چوتھا باب

مناقشہ

Marfat.com

Marfat.com

مناقشہ

مشترکہ خاندانی نظام

مولانا احمد نادر قاسمی:

ابھی مشترکہ اور جداگانہ خاندان سے متعلق عرض مسئلہ ہمارے سامنے رکھا گیا، میں اس میں دو باتیں مجھے کہنی ہے، ایک تو والدین کے سلسلہ میں اور ایک سوال ۷ کے سلسلہ میں جو پردہ کے احکام سے متعلق ہے رکھنا چاہتا ہوں۔ سب سے پہلے یہ عرض ہے کہ جداگانہ خاندان میں بھی تو معذور بھائی بہن اور والدین خود اس کا حصہ ہوتے ہیں، اس لیے اس کو الگ سے نہیں غور کیا جانا چاہئے۔

دوسرا مسئلہ جو سوال ۷ میں پردہ سے متعلق ہے، اور اس میں مشترک خاندان ہونے کی صورت میں غیر محارم سے چہرے کا پردہ نہ کرنے کی بات کہی جارہی ہے، میرا کہنا یہ ہے کہ اگر ان سے پردہ نہ کیا جائے تو شریعت میں آخر کونسا پردہ مطلوب ہے؟ مشاہدہ یہ ہے کہ مشترکہ خاندان میں پردہ نہ کرنے کی صورت میں جو سماجی اور اخلاقی طور پر ہمارے سماج میں جو برائیاں سامنے آرہی ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں ہیں، اس لئے پردہ کے سلسلہ میں وہ تمام آداب اور احکام جو غیر محرم کے سلسلہ میں آئے ہیں مشترکہ اور جداگانہ ہر خاندان میں ان کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ زیادہ بہتر بات ہوگی۔

مفتی انور علی (مئو):

ایک بات تو یہ عرض کرنی ہے کہ مشترکہ خاندانی نظام میں جو جنسی عدم تسکین کی بات کہی

Marfat.com

جا رہی ہے مولانا سلطان احمد اصلاحی صاحب نے اپنی کتاب میں لکھا ہے اور شاید اس سے اور لوگوں نے بھی نقل کیا ہو تو جنسی عدم تسکین کی وہ بات سمجھ میں نہیں آتی، اور دوسری گزارش یہ ہے کہ مشترکہ خاندانی نظام میں کیا ایک غریب باپ کو اس بات کا مکلّف بنایا جا سکتا ہے کہ وہ لڑکے کو پڑھائے لکھائے اور پھر اس کے چھوٹے لڑکے اور لڑکیاں تعلیم اور دوسری ضرورتوں کے محتاج ہوں ایک لڑکے کو پڑھانے لکھانے کے بعد الگ سے مکان بنا کر کے اس کو الگ کر دے اور بقیہ سارا بوجھ اسی کے سر باقی رہے، یہ لڑکا آزاد ہو جائے اور بقیہ چھوٹے چھوٹے بھائی بہن اس کی تمام پریشانیاں اکیلے جھیلے۔

جہاں تک پردہ کی بات کہی جا رہی ہے سوال ۷ میں تو جو ہمارے یہاں کا معاشرہ ہے یا اور بھی جو پہلے سے چلا آ رہا ہے اپنے نانیہال میں، خالہ کے یہاں اور دوسرے قریبی رشتہ داروں کے یہاں سب کا آنا جانا رہتا ہے، خالہ زاد بہنیں، ماموں زاد بہنیں، پھوپھی زاد بہنیں بچپن سے آمنے سامنے آتی رہتی ہیں وہاں جا کر کے جب بہت زیادہ اہتمام نہیں ہوتا تو جب ایک گھر میں چچا زاد بھائی بہن رہتے ہوں تو وہاں مکمل پردہ کا اہتمام کیسے کیا جا سکتا ہے؟

نام واضح نہیں ہو سکا:

یہ بات تو تقریباً مسلم ہے کہ مشترکہ خاندانی نظام اور جداگانہ خاندانی نظام دونوں میں کچھ خوبیاں بھی ہیں اور خرابیاں بھی۔ تو اس سلسلہ میں میرے ذہن میں ایک بات آتی ہے کہ اس کا تعلق جگہ، حالات اور عرف وعادت کے مطابق ہو، مان لیا جو شہر کے رہنے والے ہیں وہاں کے حالات کچھ اور ہیں، دیہات کے رہنے والے ہیں وہاں کے حالات کچھ اور ہیں، اس لیے اس کو مبتلیٰ بہ کی رائے پر چھوڑ دیا جائے، یعنی جہاں مشترکہ خاندانی نظام میں حدود اللہ کی رعایت مکمل طور پر ہو رہی ہو تو وہاں وہی نظام بہتر ہے اور جہاں جداگانہ خاندانی نظام میں حدود اللہ کی رعایت ہو رہی ہو وہاں وہی نظام بہتر ہے، بہرصورت ہر حالت میں حدود اللہ کی رعایت ضروری اور وہ

Marfat.com

خاندانی مشترکہ نظام کی صورت میں ہو یا جداگانہ خاندانی نظام کی صورت میں ہو۔ جزاکم اللہ۔

مولانا اقبال احمد قاسمی (کانپور):

مشترکہ اور جداگانہ خاندانی نظام اس میں کون بہتر ہے اور کون کم بہتر ہے، حقیقت یہ ہے کہ دونوں کی گنجائش ہے، "ليس عليكم جناح أن تأكلوا جميعاً أو أشتاتاً" (سورہ نور:٦١)، قرآن کریم میں ہے۔ البتہ دونوں میں موازنہ کرنے سے جیسا کہ عرض مسئلہ میں موازنہ کیا گیا اور اس میں یہ بات آئی کہ جداگانہ خاندانی نظام زیادہ شریعت سے ہم آہنگ ہے۔ مشترکہ خاندانی نظام کو آخر کار لڑ بھڑ کر تقسیم ہونا ہی پڑتا ہے۔ اس لیے اگر کسی مصلحت کے ساتھ رہا بھی جائے تو کم از کم چولھا ضرور الگ ہونا چاہئے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول آگ جو ہے چولھے سے ہی بھڑکتی ہے بہو میں اور عورتوں میں جو لڑائیاں ہوتی ہیں عام طور پر وہ چولھا ساتھ ہونے ہی کی وجہ سے ہوتی ہے، البتہ اس میں مسئلہ کھڑا ہوتا ہے بوڑھے والدین کا تو ہمیں ضرورت ہوگی اس بات کی کہ جداگانہ خاندانی نظام اور مشترکہ خاندانی نظام کی تحدید کردی جائے اور اس میں بوڑھے والدین دونوں نظاموں کا جزء بن سکیں تو انشاء اللہ اس میں ایسے معذوروں کے لیے بھی اس میں ایسے غور کرلیا جائے کہ جداگانہ خاندانی نظام کی تعریف ومصداق کیا ہے؟ اور اس میں اس کی گنجائش رکھی جائے تو جداگانہ خاندانی نظام ہی قابل عمل ہوگا۔ جزاکم اللہ۔

مولانا مفتی محمد جعفر صاحب (جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا):

ابھی عرض مسئلہ میں ایک رائے یہ بھی آئی کہ بہو پر شوہر کے بوڑھے والدین کی خدمت قضاءً تو واجب نہیں ہے لیکن اگر شوہر حکم دے تو واجب ہوگی۔ اس سلسلہ میں ایک بات یہ عرض کرنی ہے کہ بہو پر شوہر کے بوڑھے والدین کی خدمت کو بحکم زوج اگر لازم کیا جاتا ہے تو تجویز مرتب کرتے وقت اس کی حدود بھی متعین کی جانی چاہئے کہ کس طرح کی خدمت لازم ہوگی۔ آیا

Marfat.com

کھانا پکا کر کھلانا، ان کے کپڑے دھونا، ان کے کمروں کی صفائی، یا پھر ساس کے سر میں تیل ڈالنا اس کی جسمانی خدمت وغیرہ بھی، امید کہ اس بات کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔ جزاکم اللہ۔

مولانا اعجاز الحسن قاسمی (بانڈی پورہ کشمیر):

ابھی عرض مسئلہ میں یہ فرمایا گیا کہ بہو کے اوپر اپنے شوہر کی خدمت نہ قانوناً لازم ہے نہ دیانتاً لازم ہے۔ بہو پر اپنے شوہر کے ماں باپ کی خدمت، یعنی ساس اور سسر کی خدمت قانوناً لازم نہیں ہے اور دیانتاً بھی لازم نہیں ہے، تو کیا اس سے ہم یہ سمجھیں کہ اسلام بھی "اولڈ ایج ہوم" بنانے کو جائز سمجھتا ہے۔ ہماری گزارش یہ ہے کہ جب مشترکہ خاندان کے عنوان کے تحت بحث کی جائے تو اس میں دیور وغیرہ کے مسئلہ کو تو چھیڑا جائے، لیکن ساس اور سسر کو والدین کے درجہ میں رکھ کر ان پر خدمت لازم ہونا چاہئے۔ یعنی ان کو بحث سے الگ نہ کیا جائے، ان کو مشترکہ خاندان کا جزء سمجھا جائے۔ جزاکم اللہ۔

مفتی ظہیر احمد صاحب (کانپور):

میرا سوال سوال ۲ سے متعلق ہے کہ کونسا خاندانی نظام بہتر ہے، جداگانہ یا مشترکہ؟ اس سلسلہ میں یہ عرض کرنا ہے اس میں اصل جو چیز ہے حقوق کی ادائیگی، اس کو اصل بنیادی طور پر ہم کو دیکھنا چاہئے۔ کیونکہ اگر ہم مشترکہ خاندان کو ترجیح دیتے ہیں تو اس میں بیوی کے حقوق وغیرہ متاثر ہوتے ہیں۔ اور اگر ہم جداگانہ نظام کو بہتر قرار دیتے ہیں تو اس میں والدین کے اور اس کے علاوہ بھائیوں کے حقوق متاثر ہوتے ہیں۔ تو شریعت نے اصل حقوق کو بنیاد بنایا ہے تو جیسے حالات ہوں اس اعتبار سے ہر ایک کے حقوق کی ادائیگی پر نظر ہونی چاہئے ہماری، اور اس میں جداگانہ یا مشترکہ نظام کی طرف جو اصل ہمارا فوکس ہے وہ نہیں ہونی چاہئے۔

دوسرا سوال ۷ کے بارے میں عرض کرنا ہے، خاص طور سے جو چہرہ وغیرہ کے بارے

Marfat.com

میں بات آئی ہے تو اصل بنیاد وہاں پر جو چہرہ کا پردہ ہے وہ فتنہ کی وجہ سے ہے اور اختلاط اور تنہائی اگر یہ چیزیں نہ ہوں، ان کی اگر ہم مشروط طور پر اجازت دیدیں تو ہم اس سے بچ سکتے ہیں، اس پریشانی سے کہ اس میں کافی حرج لازم آئے گا اور لوگ اس پر عمل بھی نہیں کر سکتے۔ ایسا مسئلہ ہم بتلائیں یا ایسی تجویز ہم پیش کریں کہ معاشرہ میں اس پر عمل ہی نہ ہو سکے تو بہت ہی زیادہ پریشانی کا باعث ہوگا اور ہم لوگ فقہ اکیڈمی میں ان ہی مسائل کو حل کرنے کے لیے بیٹھے ہیں کہ اس میں جو مشکلات ہیں لوگ اس پر عمل پیرا ہوسکیں، شریعت کے قریب آسکیں تو چہرہ کے کھولنے کے ساتھ ساتھ جب ایک انسان مشترکہ طور پر وہاں رہ رہا ہے تو ہم یہ کہیں وہاں اختلاط نہ ہو، تنہائی نہ ہو اور وہاں فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، اس شرط کے ساتھ میں سمجھتا ہوں کہ جائز ہونا چاہئے۔ جزاکم اللہ۔

مولانا محمد عمر عابدین قاسمی:

یہ بات کہ خاندانی نظام، مشترکہ ہو یا جداگانہ اس سلسلہ میں ہمیں دراصل خود عہد نبوی کا جو نظام تھا اس سے روشنی حاصل کرنا چاہئے اور ہم دیکھتے ہیں کہ ہمیں دونوں نمونے اس میں حاصل ہوتے ہیں۔ جیسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا جب نکاح ہوا تو انہوں نے اپنی فیملی کے ساتھ مستقل جداگانہ نظام زندگی گزارا۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر جب تک ان کا نکاح نہیں ہوا اس وقت تک وہ عمر کے اس مرحلہ میں جب پہنچے جوانی کے تو عام طور سے وہ مسجد نبوی میں وقت گزارا کرتے تھے تو اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ جداگانہ خاندانی نظام کے تحت تھے۔ لیکن حضرت جابر والی روایت جس میں رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''ھلا تزوجت بکرا'' تو انھوں نے جواب دیا کہ میری کئی بہنیں ہیں جن کی پرورش میرے ذمہ ہے، اس سے روشنی ملتی ہے کہ مشترکہ خاندانی نظام بھی عہد رسالت میں پایا جاتا تھا، تو یہ دراصل ہر خاندان کی اپنی انفرادی ضرورت اور حالات پر مبنی ہے، اس کے تقاضے کو سامنے رکھ کر اس کا فیصلہ

Marfat.com

کرنا چاہئے کہ کس کے حق میں مشترکہ خاندانی نظام بہتر ہوگا اور کس کے حق میں جداگانہ۔ ایسا نہیں ہے کہ کوئی ایک اصول ہر ایک کے لیے مفید ہو۔ جزاکم اللہ۔

مفتی محمد مقصود صاحب (استاذ جامعہ فرقانیہ):

مجھے دو باتیں عرض کرنی ہیں، ایک یہ کہ شریعت مطہرہ نے جو اصول مقرر فرمائے ہیں، ہمارے فقہاء کرام نے جو بھی اصول مقرر کیے ہیں عارضی اسباب کی بناء پر ان اصول کی پامالی نہیں کرنا چاہئے، جیسا کہ ابھی ایک صاحب نے فرمایا کہ ایک گھر کے اندر چچازاد بہن بھائی سگے بہن بھائی رہتے ہیں اور پردہ کا اہتمام نہیں ہو پاتا تو یہ ایک عارضی سبب ہے، لیکن شریعت نے جو اصول مقرر کیے ہیں وہ اصول مسلم ہیں، اس طرح اگر ان میں نرمی پیدا کی جائے گی تو پھر رفتہ رفتہ ان کی پامالی ہونے لگے گی، اس لیے اکیڈمی کو اس سلسلہ میں بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا چاہیے۔

دوسری بات، عرض یہ کرنا ہے کہ فقہاء کرام نے یہ فرمایا کہ حنفیہ کے یہاں یہ مسئلہ ہے کہ حج میں بوڑھی عورت ہو یا جوان عورت بغیر محرم کے نہیں جاسکتی۔ حج اس پر واجب نہیں ہے، حالانکہ وہ چاہتی ہے کہ حج میں کروں، ایسے مسائل آتے ہیں ہمارے آپ کے پاس اس کے بھائی چچازاد بھائی، خالہ زاد بھائی جو ایک زمانے سے اس کا تعلق رہا، گھر میں رہتی ہے پلی ہے بڑھی ہے وہ حج کرنے کے لیے جانا چاہتی ہے، مگر ہمارے فقہاء فرماتے ہیں کہ وہ حج کو نہیں جاسکتی، جب کہ فقہاء کرام نے دوسری طرف یہ بھی فرمایا کہ بوڑھی عورت سے مصافحہ کرنا جائز ہے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح فرمایا ہے تو ایک طرف تو فقہاء فرمارہے ہیں کہ بوڑھی عورت کے مصافحہ جائز ہے اور ایک طرف ہے کہ حج کو نہیں جاسکتی تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کے کچھ اصول ہیں ان اصول کے تحت جو ہے ہمیں اور آپ کو فیصلہ کرنا ہوگا۔ بس یہ چند باتیں تھیں جو میں نے آپ کے سامنے عرض کردی۔

Marfat.com

مفتی شاہد علی قاسمی (المعہد العالی حیدر آباد):

جداگانہ خاندانی نظام میں مولانا نادر قاسمی صاحب نے والدین کو بھی شامل کیا ہے میں وضاحت چاہتا ہوں کہ جداگانہ اور مشترکہ خاندان میں کون کون سے افراد شامل ہوتے ہیں، احقر کی رائے یہ ہے کہ والدین کی شمولیت خاندان کو مشترکہ نہیں بنائے گی، بلکہ والدین دس دن ایک بیٹے کے ساتھ اور دس دن دوسرے بیٹے کے ساتھ رہیں تو یہ جداگانہ خاندان کے مغایر نہیں ہے۔

مولانا شوکت ثناء قاسمی (حیدر آباد):

مجھے ایک بات کی وضاحت چاہئے وہ یہ کہ رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کے دور میں خاندانی نظام عام طور سے مشترک تھا یا جداگانہ، بعض واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں مشترکہ خاندانی نظام رائج تھا، جیسا کہ حضرت فاطمہ بنت قیس کا واقعہ کہ جب ان کے شوہر نے ان کو طلاق دے دی اور رسول ﷺ کی خدمت میں آئیں تو آپ نے انہیں ان کے سرالی گھر میں عدت گزارنے کا حکم نہیں دیا، عام طور سے محدثین نے اس کی وجہ یہ لکھی کہ ان کی زبان تیز تھی اور شوہر طلاق دے کر باہر چلے گئے تھے، سارا غصہ اپنے نند اور اپنے ساس پر نکال سکتی تھی، اسی لئے آپ ﷺ نے ان کو گھر جانے کی اجازت نہیں دی۔ دوسرا واقعہ حضرت قتادہؒ کہ جن کی بہو نے ان کے لئے باضابطہ طور سے وضو کا پانی رکھا تھا اور یہ واقعہ موجود ہے۔ تیسرا واقعہ جو ابھی آچکا ہے کہ حضرت جابرؓ کا واقعہ ہے جو مشترکہ خاندان میں اپنی بہنوں کی پرورش کیا کرتے تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کو جو الگ کیا تھا اس کی کیا بنیاد تھی؟ یہ کیا بنیاد تھی کہ آپ ﷺ کے نزدیک جداگانہ خاندان بہتر تھا، یا اس بنیاد پر کہ گھر میں ایسی گنجائش نہیں تھی جیسے کہ آپ کے گھر، یعنی بہت چھوٹے تھے تو یہ بنیاد کیا تھی؟ کیا گنجائش نہیں تھی اس بنیاد پر الگ کیا گیا، یا جداگانہ نظام آپ کے نزدیک بہتر تھا۔

Marfat.com

تیسری بات یہ ہے کہ مشترکہ خاندان میں جو پردہ کا مسئلہ ہے تو "بزازیہ" میں یہ عبارت موجود ہے کہ غیر محرم قریبی رشتہ دار کہ کن کی آمد و رفت گھر میں زیادہ ہوتی ہے، فقہاء نے اجازت دی ہے کہ ایسی صورت میں، یعنی ان کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت ہے، یعنی پورا جسم تو چھپا رہے اور چہرہ کھولتی ہے اور ہتھیلی اور پیروں کو ظاہر کرتی ہے تو اس کی اجازت ہے۔ اور خود نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کا سامنے آنا اور خود حضرت اسماء رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ آپ کی خدمت میں آئی تھیں اور وہ حدیث مشہور ہے کہ آپ نے ان کو کہا تھا کہ جب لڑکی بالغ ہو جائے تو یہ حصہ ظاہر کر سکتی ہے، اس کے علاوہ ظاہر نہیں کر سکتی ہے، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت حسن یا حسین کو لیتے وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہتھیلی انھوں نے دیکھا تھا تو گویا کہ جن کی آمد و رفت زیادہ ہوتی ہے تو پردہ میں ان کے لیے تخفیف ہے، اگر مشترکہ خاندان میں اس طرح کے رہنے اور پردہ کے وسائل ہوں اور چہرہ کھولنے کی اجازت اور ہتھیلی کھولنے کی اجازت ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

اللہ کا فضل ہے کہ مختلف پہلوؤں سے اس موضوع پر آپ غور کر رہے ہیں، دو تین باتیں میرے ذہن میں آرہی تھیں میں نے سوچا کہ اس کو عرض کر دوں آپ کے سامنے، شاید کچھ اور سوچنے کی راہیں کھلیں۔ ایک بات تو یہ ہے کہ جداگانہ خاندانی نظام یا مشترکہ خاندانی نظام، اس کا ہم جائزہ لیں عہد نبوی میں کیا رواج تھا، پھر اس میں کیا کچھ فرق ہے جو مدینے کا انصار کا سماجی نظام تھا کچھ الگ تھا، مہاجرین کا الگ تھا یا دونوں یکساں تھے، ہمارے کچھ احباب نے اس مسئلہ کو اٹھایا ہے، اچھا نقطہ ہے، اچھا پوائنٹ ہے کہ اس بارے میں کوئی فیصلہ کرنے میں بڑی معاون ہوگی، رسول اللہ ﷺ کے عہد میں، عہد صحابہ میں کیا رواج تھا۔ لیکن ایک بات یہ بھی میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بھائی یہ اسلام پوری دنیا کے لیے ہے، کوئی نظام اگر عرب میں رائج تھا،

Marfat.com

دوسرے ملک میں کوئی اور نظام چل رہا ہے تو بعض چیزیں سماجی ہوتی ہیں، معاشرتی ہوتی ہیں، ہمیں یہ فرق کرنا پڑے گا کہ کونسی چیز کا کتنا حصہ شریعت ہے، قانون ہے جو پوری دنیا میں رائج ہونا ہے اور کونسی چیز ہے جو ایک ملک کا رواج تھا، عرف تھا، سماج کا، عربوں کا۔

ہندوستان کا معاشرہ، یہاں کا ماحول عربوں سے مختلف ہے۔ امریکہ آپ چلے جائیں، برطانیہ آپ چلے جائیں، بنیادی چیز یہ ہے کہ گویا علیحدہ خاندانی نظام شریعت میں مطلوب ہے اور اسی سے گویا وہ مقاصد پورے ہوسکتے ہیں جو مقاصد شریعت کے ہیں اور جو شریعت کے اصول وضوابط ہیں۔ تب تو ظاہر بات ہے اسی کی ہمیں تبلیغ کرنا چاہئے، اسی کے لیے ہمیں زور لگانا چاہئے۔ ہمارے گھروں میں جو دوسرا ماحول ہے اس کو بدلنا چاہیے۔ لیکن اگر وہ سماجی چیز تھی، عربوں میں یہ رواج تھا، عربوں میں رہائش اس طرح کی تھی، مدینہ منورہ والوں میں یہ تھی، مکہ مکرمہ والوں میں یہ تھی اور ہمارے یہاں کوئی دوسرا طرز ہے، مشترکہ خاندانی نظام میں بھی اگر ہم ان چیزوں کو پورا کرسکتے ہیں، ان احکام وضوابط کو جو شریعت نے مقرر کیے ہیں تو ظاہر بات ہے کہ ہم پھر کسی ایک نظام کو اختیار کر کے اس پر اصرار نہیں کرسکتے، اس لحاظ سے مجھے غور کرنا ہے۔

دوسرا ایک پوائنٹ اور بھی مجھے عرض کرنا ہے۔ علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ''فیض الباری'' میں یہ بات لکھی ہے ان کی بات بار بار نقل ہوئی ہے کہ ہمارے یہاں اکثر مروج کتابیں جو فقہ کی ہیں، یہ کتابیں قضاۃ کے لئے لکھی گئی تھیں۔ قاضیوں کے لیے جو عدالتی نظام چلا رہے تھے ان کے واسطے فقہاء نے یہ کتابیں لکھیں۔ تو اکثر مسائل جو ان میں آئے ہیں وہ قضا کے مسائل ہیں، جب کہ قضاء کے مسائل کا مسئلہ کب آتا ہے جب دار القضاء میں مسئلہ پہنچ جاتا ہے، نزاع ہو جاتا ہے اور نزاع ہونے کے بعد بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ علیحدگی نہ ہو، دونوں ساتھ رہ سکیں۔ تو جو دیانت کے مسائل ہیں وہ کم ذکر کیے گیے ہیں، جب میاں بیوی کے حقوق کا مسئلہ ہمارے سامنے آتا ہے اور فقہاء کی عبارتیں ہم پڑھتے ہیں بسا اوقات کہ دوا علاج کرانا شوہر کی ذمہ داری

Marfat.com

نہیں ہے یہ کام عورت کی ذمہ داری نہیں ہے، یہ کام مرد کی ذمہ داری نہیں ہے، یہ سب مسائل اکثر وبیشتر قضاء کے انداز کے ہوا کرتے ہیں، ظاہر بات ہے کہ جو فیصلہ ہم یہاں کریں گے وہ محض قاضیوں کے لیے نہیں کہ دارالقضاء میں کن چیزوں کو لیں اور کس کو فیصلہ کریں۔ بلکہ ہمیں تو دیکھنا یہ ہے کہ جس طریقے سے گویا ہمارا خاندانی نظام مستحکم ہو سکے اور اس میں اسلام کے گویا جو اصول اور بنیادیں ہیں اس پر عمل ہو سکے، اس کی ہمیں ہدایت دینی ہے، اس طرف رہنمائی کرنی ہے۔ تو اس لحاظ سے جو جزئیات ومسائل ہیں ہمارے فقہاء کے وہ اپنی جگہ پر، اس سے ہم استفادہ کرتے ہیں اور کریں گے۔ لیکن جو احکام دیانت ہیں ان کا بھی ہمیں خیال رکھنا ہے اور موجودہ حالات میں جہاں فیملی کا تصور سمٹتا چلا جارہا ہے اب فیملی کا تصور آگے بڑھ گیا، اب تو تنہا آدمی فیملی ہے، مرد کے ساتھ عورت نہیں۔ عورت کے ساتھ مرد نہیں۔ یہ تو فتنہ ہے جو آرہا ہے اس ملک میں، آچکا ہے اس پر ہم کو بندش باندھنی پڑے گی اور مسلمانوں کو بتانا پڑے گا کہ اسلام نے ہمیں کیا تصورات دیئے ہیں۔ بہرحال یہ چند بنیادی باتیں تھیں میں نے سوچا کہ آپ کے سامنے عرض کردوں، تاکہ آپ اس پر اظہار خیال فرمائیں اور اس کا خیال رکھ کر گفتگو کریں۔

مولانا سعید الرحمٰن فاروقی (ممبئی):

حدیث شریف میں: ”إنكم لتنصرون وترزقون بضعفائكم“ کمزوروں اور بے سہاروں کی مدد کرنے سے تمہاری مدد اور تمہارے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے، اسی طرح ”من أحب أن يسأله في إثره ويبارك له في رزقه فليصل رحمه“ رحمی رشتوں کے احترام اور اس کے جوڑ سے اللہ کی طرف سے برکت اترتی ہے۔ دونوں جداگانہ یا مشترکہ نظام میں جس بات کو زیادہ اہمیت دینی چاہیے وہ ہے رفع نزاع، جھگڑے نہ ہوں تو دونوں بہتر ہے، مشکل یہ ہوگئی ہے معاشرہ کی کہ آپس میں رہ کر بہت زیادہ جھگڑتے ہیں اور اپنی طاقت، قوت، اعتماد اور اپنی عزت کھوجاتے ہیں اور الگ ہوکر بھی سکون سے نہیں رہتے، اس لیے دراصل حدود اس طرح متعین

Marfat.com

کردیئے جائیں کہ مشترکہ نظام میں ان حدود پر رہیں "تعاشروا کالإخوان تعاملوا کالأجانب" تو سکون رہے گا اور جداگانہ ہے تب بھی اپنی رعایت اور اپنی حدود پر قائم رہیں تو اتحاد واتفاق اور نزاع نہیں ہوگا، میں سمجھتا ہوں یہ بہت اہم بات ہے اگر پیش نظر رہے تو۔ جزاکم اللہ۔

مفتی محمد ارشد فاروقی:

فقہ اکیڈمی نے جو چھوٹے چھوٹے سوالات اٹھائے ہیں اس میں معاشرہ کے سماجی تمام مسائل کو گھیرنے کی کوشش کی ہے، اگر غور کیا جائے تو یہ جو نظام معاشرت ہے درحقیقت اس میں مشرق اور مغرب کا معرکہ ہے، مشرقی نظام کیسا ہے اور مغربی نظام کیسا ہے؟ مغربی نظام نے اس وقت ان تمام تصورات کو جو انسانی ہمدردی کے بنیاد پر ہوتے ہیں تقریباً اس کا خاتمہ کرنے کے لیے کوشاں ہے کہ جو اسلام "الخلق عیال اللہ" کا تصور دیتا ہے "إنما المؤمنون إخوة" کہہ کر پوری امت کو ایک قرار دیتا ہے اور پھر وہ اسی طرح رفتہ رفتہ خاندان کے مسائل بیان کرتا ہے تو اس معاشرہ کو بکھیرنا، خاندان کو توڑنا، خاندان کے نظام کو ختم کرنا، حتی کہ جیسا کہ ابھی محترم مولانا عتیق صاحب فرمارہے ہیں کہ اب ایک، یک وتنہا گزارنا اسی کو خاندان کہنا، اسی کو گھر کہنا اسی کو فرد کہنا، یہاں تک نظام پہنچ چکا ہے تو یہ ایک کشمکش ہے اس کشمکش کا مقابلہ ہمیں ان اعلیٰ اخلاقی، مثالی اسلامی تعلیمات سے کرنی ہے اور وہ فیصلے لینے ہیں جو براہ راست والدین کے اولاد سے تعلق کو قرآن نے کیا بتایا، بھائیوں کے تعلقات کو کیا بتایا، بہنوں کے تعلقات کو کیا بتایا، پورا نظام موجود ہے تو اس لیے اس طور پر کہ اسٹوڈیو روم یا فلیٹ یا پھر کالونی کی یہ شکل اس سے ہمیں یقیناً نکلنے کی کوشش کرنی چاہئے، بلکہ مسلم کالونیاں ایسی بنانی چاہیے کہ جس میں وسعت ہو، گنجائش ہو۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے معاشرہ پر بڑے شہروں پر ہم نگاہ ڈالتے ہیں تو جیسا کہ میں نے مثال بھی دی ہے اپنے مقالہ میں کہ ممبئی میں ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ دس بائی دس کا ایک کمرہ اس میں تین خاندان آباد ہے تخت کے نیچے تخت پر اور تخت کے اوپر۔ تو اب وہاں

Marfat.com

وہ سارے نظام کو ہم کیسے فٹ کریں پھر ایک دیہات کے نظام میں۔ ان تمام صورتوں کو سامنے رکھ کر اسلام جو ہے ہر جگہ رہنمائی کرتا ہے یہ ہمارا یقین ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اس وقت ہم ہندوستانی معاشرہ کو، ہندوستانی سماج کو وہ کیا پیغام دیں کہ ممبئی میں بھی وہ فٹ ہو، دلی میں بھی فٹ ہو، چھوٹے چھوٹے گاؤں میں بھی فٹ ہو۔ اس پر ہمیں غور کرنا ہے۔

دوسری بات خاص طور سے جو پردہ سے متعلق اٹھائی جارہی ہے یہ تو شروع سے یہ بات طے چلی آرہی ہے کہ مفسرین کرام کی دو رائے ہے کہ حجاب اور ستر میں فرق کیا ہے، بعض حضرات نے حجاب میں وجہ کو بھی مانا ہے اور بعض نے وجہ کو نہیں مانا ہے۔ ہمارے یہاں جمہور کا مسئلہ یہی ہے کہ وجہ حجاب میں شامل ہے، لیکن عند الضرورۃ۔ اب ایسے وقت میں جب کہ چچازاد، خالہ زاد، ماموں زاد بہنیں جو ہیں ایک ہی گھر میں رہ رہی ہیں تو اب ہر وقت یہ تصور کرنا کہ ہمارا وہ پردہ کا نظام بیان کیا ہوا کہ ہر وقت چہرہ ڈھانپے ہوئے، چادر ڈالے ہوئے، چہرہ کو چھپائے ہوئے ایک بال بھی ظاہر نہ ہو یہ کیسے ممکن ہے۔ اس واسطے جب دو قول موجود ہے تو ایسی صورت میں وہ دوسرا قول ہمارے لیے قابل عمل ہے اور قابل سہولت ہے اور خاص طور سے وہ شرطیں تنہائی، خلط ملط اور یہ سب چیزیں تو اس سے گریز لازمی ہے، تو اس پس منظر میں ہم تمام معاملات کو مشرق و مغرب کا جو کشمکش ہے اس میں ہم حل کرنے کی کوشش کریں۔ امید ہے کہ ہم انشاء اللہ کوئی ایسا فیصلہ دے سکیں گے جو ہندوستانی سماج ہی نہیں، بلکہ پوری دنیا کے لیے ایک رہنما کی حیثیت رکھے گا انشاء اللہ۔ جزاکم اللہ۔

مولانا اختر امام عادل قاسمی:

بہت سی باتیں میرے ذہن میں بھی تھیں، مگر بہت سے ہمارے بزرگوں کی زبان سے وہ ادا ہوگئی ہیں، ایک دو بات میں عرض کرنا چاہوں گا کہ یہ جو سماج بنتا، کوئی سوسائٹی یا معاشرہ بنتا ہے، خاندان بنتا ہے تو خاندان کے مختلف افراد کے لیے اسلام میں ہدایات موجود ہیں، ہدایات کو

Marfat.com

نظر انداز کرنے کی بنیاد پر یہ ساری خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ایک ہے استثنائی حالات، ایک ہے نارمل حالات، عام حالات عہد نبوی میں یا عہد صحابہ میں عام طور سے نظام رہائش کیا تھا، کسی کے پاس کوئی مسئلہ درپیش ہوا، اس کی وجہ سے کیا اجازت دی گئی۔ ہمیں نارمل حالات میں گنجائش تو ہر حالت میں موجود ہے، استثنائی حالات، مخصوص حالات کے لیے گنجائش رہتی ہے ہر قانون میں ایک شق ہوتی ہے موجود، لیکن عام قانون کے نقطۂ نظر سے کونسا نظام بہتر ہے، خود سرکار دو عالم ﷺ کا جو اپنا گھریلو نظام تھا بیویوں کے درمیان، چاہتے تو ایک چولہا ہوتا، سارے لوگ شریک ہوتے، لیکن اور ان سے زیادہ پاکیزہ عورتیں بھی دنیا میں نہیں ہوسکتی تھیں جن کے دل صاف تھے، لیکن پھر بھی ہر ایک کا نظام الگ الگ، حضرت علیؓ کا قصہ جو مولانا عمر عابدین صاحب نے نقل کیا بڑا قیمتی ہے کہ شادی ہوتے ہی الگ مکان دیا گیا، حالانکہ بغل میں ایک روم بنایا جاسکتا تھا، کفالت میں پہلے سے دونوں تھے، حضرت علیؓ کی بھی کفالت حضور ﷺ فرمارہے تھے، حضرت فاطمہؓ کی بھی کفالت حضور ﷺ فرمارہے تھے، پہلے سے فرمارہے تھے۔ بغل میں سائڈ سے ایک کمرہ بنادیا جاتا، سارا نظام پہلے سے چلتا رہتا ہے، لیکن نارمل حالات میں آپ نے ہمیشہ یہی کوشش کی، باقی جن کے لیے ماں موجود ہے باپ موجود ہے تو آپ نے ہمیشہ یہ ہدایت کی کہ ماں کی خدمت کرو، باپ کی خدمت کرو۔ حضرت اویس قرنی صرف ماں کی وجہ سے حضور ﷺ کی زیارت سے محروم رہے، تو یہ سب واقعات استثنائی ہیں، کسی کے پاس مجبوری ہے تو یقیناً وہ ایسا کرے گا، ماں باپ تو مشترکہ خاندانی نظام کا حصہ نہیں بنتے۔ ماں باپ تو بہر حال ہمارا حصہ ہیں وہ جو لیبرل نظام حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب نے فرمایا کہ صرف میاں بیوی اور نابالغ بچے تو وہ مغرب کا ایک نظام ہے، ماں باپ تو ہمارے یہاں شامل ہیں، ماں باپ کی خدمت تو ہمارے یہاں شامل ہے، اس لیے وہ تو ہمارا حصہ ہیں۔ مشترکہ نظام کا مقصد جو بھائیوں کے درمیان رہائش ہوتی ہے،

Marfat.com

چچاؤں تک متعدی ہوتی ہے، پھر چچاؤں تک بات چلتی ہے، جائداد مشترک ہوتی ہے اس میں جو خرابیاں ہیں وہ بہتر ہے کہ نہیں، یہ عہد نبوی سے میچ نہیں کرتا، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اپنے علاقہ کا حوالہ دیا ہے کہ "إلا أن تكون دار مورثة بين إخوة فيسكن كل منهم من جهة منها مع الاشتراك مع مرافقه"۔ ان کے زمانے میں ایسا نظام تھا کہ بعض اگر اپنے بھائیوں کے درمیان مکان پہلے سے یا کوئی جائداد مشترک ہے، اگر مرافق میں اشتراک ہے تو اس طرح کا رواج ان کے یہاں تھا اور اس کو وہ بہتر سمجھتے تھے، اس رہائش کے مقابلہ میں جہاں پر خاندانی جداگانہ نظام ہو بیت الخلاء وغیرہ بھی سب کا الگ ہو، لیکن اجنبیوں کے درمیان رہے، اس سے بہتر اس کو اس زمانے میں سمجھا جاتا تھا۔ یہ اس دور کا طرز رہائش تھا۔ اس لیے میرا خیال یہ ہے کہ اس بات کو بھی سامنے رکھا جائے کہ دفع مضرت مقدم ہے جلب منفعت سے جو چیزیں اخلاقی نصائح، اخلاقی باتیں کہی جاتی ہیں ماں باپ کو چھوڑ کر، ماں باپ کی خدمت تو ہمارا فریضہ ہے، اگر ان کو کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہیں ہے تو یہ بچوں کی ذمہ داری ہے، لیکن بھائیوں کی مدد، معذوروں کی مدد، مطلقہ عورتوں کی مدد جو اخلاقی چیزیں ہیں اور جو منافع کے ذیل میں آتی ہیں، اس میں دفع مضرت کو سامنے رکھا جائے، اگر دفع مضرت جس میں زیادہ بہتر ہے اس کو اختیار کرنا چاہئے۔ تو یہ باتیں تھی جو رہ گئی تھیں۔ انہیں میں نے عرض کر دیا ہے۔

☆ ☆ ☆

Marfat.com

Marfat.com

فرد پر عبادت کے اثرات
برصغیر ہند میں علوم فقہ اسلامی کا ارتقاء
اختلاف رائے
آداب و احکام
فقہ الاقلیات
فقہ الاقلیات
قرآن و حدیث اور فقہ اسلامی سے متعلق
کچھ اہم مباحث
متاع علم و فکر
IFA PUBLICATIONS

Marfat.com